هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ (آل عمران)

بیانُ القرآن

حصّہ دوم

ترجمہ ومختصر تفسیر

سُورۃ آل عمران تا سُورۃ المائدۃ

از

ڈاکٹر اسرار احمد

مُرتّبہ

حافظ خالد محمود خضر

لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین

مرکزی انجمن خُدّامُ القرآن لاھور

نام کتاب: بیان القرآن (حصہ دوم)

اشاعت اوّل تا نہم (مئی 2010ء تا نومبر 2015ء) ______ 10,000

نظر ثانی شدہ ایڈیشن:

اشاعت 10 تا 23 (مئی 2016ء تا نومبر 2022ء) ______ 19,000

اشاعت 24 (مارچ 2023ء) ______ 1100

قیمت (حصہ دوم) ______ 675 روپے

(مکمل سیٹ: سات حصے) ____ 6000 روپے

ISBN:978-969-606-041-3

Standard Edition

زیر اہتمام:

شعبہ مطبوعات' قرآن اکیڈمی لاہور

publications@tanzeem.org

فون: 38939321 (042)

شائع کردہ:

مکتبہ خُدّامُ القُرآن لاهور

36-K ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 3-35869501 (042)

maktaba@tanzeem.org

مطبع: آر آر پرنٹرز، سگیاں روڈ لاہور

ترتیب

عرضِ مرتّب ________ 4

سورۃ آل عمران ________ 5

سورۃ النّساء ________ 117

سورۃ المائدۃ ________ 243

عرضِ مُرتّب

''بیان القرآن'' کے قارئین اس امر سے واقف ہیں کہ یہ تفسیری کاوش محترم ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی تصنیف یا تالیف نہیں ہے' بلکہ آنجناب کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمۂ قرآن کو ترتیب وتسوید کے مراحل سے گزار کر جزءاً جزءاً کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ نومبر ۲۰۰۸ء میں بیان القرآن (حصہ اوّل) طبع ہو کر آئی تو اسے علمی حلقوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور اس کے تین ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ حصہ اوّل کے منظر عام پر آنے کے ساتھ ہی حصہ دوم کی اشاعت کا تقاضا اور مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ انہی دنوں ڈسٹرکٹ جناح پبلک سکول منڈی بہاؤالدین کے پرنسپل لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین صاحب (ایجوکیشن کور) نے محترم ڈاکٹر صاحبؒ سے ملاقات کر کے ''بیان القرآن'' کی ترتیب وتسوید کے کام میں معاونت کی پیشکش کی۔ اس پیشکش کی حیثیت بلاشبہ تائید غیبی کی تھی۔ محترم کرنل صاحب نے خالصتاً رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر دعوتِ قرآنی کی نشر واشاعت کے اس کام میں کماحقہٗ معاونت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا وآخرت میں اس کی بھرپور جزا عطا فرمائے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی شدید خواہش تھی کہ یہ کتاب جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو' چنانچہ راقم الحروف سے گاہے بگاہے اس کی پیش رفت کے بارے میں استفسار فرماتے رہتے۔ انتقال سے ایک روز قبل بھی اس کے پریس بھجوائے جانے کا دریافت فرمایا۔ محترم ڈاکٹر صاحبؒ آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں' لیکن آپؒ انتہائی خوش قسمت ہیں کہ اپنی حیاتِ مستعار قرآن حکیم کے علوم ومعارف کی نشر واشاعت میں گزار گئے۔ آپؒ کے ہاتھوں دعوت رجوع إلی القرآن کا لگایا ہوا پودا آپؒ کی زندگی ہی میں ایک تناور درخت بن چکا تھا' جو اَب صدقۂ جاریہ کی صورت اختیار کر چکا ہے اور اس کے برگ وبار سے ایک عالم مستفید ومستفیض ہو رہا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحبؒ یقیناً اپنے حصے کا کام مکمل کر گئے' لیکن اس ضمن میں ہمیں اپنے حصے کا کام کرتے رہنا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحبؒ نے بیان القرآن (حصہ اوّل) کے طبع ثانی کے موقع پر اپنی ''تقدیم'' میں تحریر فرمایا تھا:

> ''اس جلد میں ابھی صرف سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی ترجمانی ہوئی ہے' گویا کہ ابھی پہاڑ ایسا بھاری کام باقی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے توقع ہے کہ جیسے اُس نے' میرے کسی ارادے یا منصوبہ بندی کے بغیر اور میری خالص لاعلمی میں پیش نظر جلد شائع کرا دی' ویسے ہی باقی بھی شائع کرا دے گا — خواہ خود میری اس دنیا سے دارِ آخرت کی جانب روانگی کے بعد ہی سہی —''

بیان القرآن (حصہ دوم) سورۃ آل عمران' سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ کی ترجمانی پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمتِ قرآنی کو شرفِ قبول عطا فرما کر اسے ہمارے لیے دُنیوی واُخروی فوز وفلاح کا باعث بنائے اور ہمیں وہ ہمت واستقامت عطا فرمائے جو اس عظیم کام کی تکمیل کے لیے درکار ہے۔ آمین!

حافظ خالد محمود خضر

۱۸/ مئی ۲۰۱۰ء

مدیر شعبہ مطبوعات' قرآن اکیڈمی لاہور

بیان القرآن

سُورَۃُ اٰلِ عِمرٰن

(۳)

سُورَۃُ اٰلِ عِمْرٰن

تمہیدی کلمات

قرآن حکیم کے آغاز میں واقع مکی اور مدنی سورتوں کے پہلے گروپ میں مدنی سورتوں کے جو دو جوڑے آئے ہیں' ان میں سے پہلے جوڑے کی پہلی سورت یعنی ''سورۃ البقرۃ'' کے ترجمے اور مختصر تشریح کی ہم تکمیل کر چکے ہیں' اور اب ہمیں اس جوڑے کی دوسری سورت ''آل عمران'' کا مطالعہ کرنا ہے۔ واضح رہے کہ دو چیزوں کے مابین جوڑے کا تعلق یا نسبت زوجیت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں گہری مشابہت بھی ہے لیکن کچھ فرق بھی ہے' اور یہ فرق ایک دوسرے کے لیے تکمیلی (complementary) نوعیت کا ہے' یعنی ان کے باہم اکٹھے ہونے سے کسی مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔ نسبت زوجیت کی اصطلاح کے اس مفہوم کو حیوانات کے جوڑوں کے حوالے سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران میں مشابہت کے نمایاں پہلو یہ ہیں کہ یہ دونوں سورتیں حروفِ مقطعات ''الٓمّٓ'' سے شروع ہوتی ہیں۔ دونوں کے آغاز میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے' پھر یہ کہ دونوں کے اختتام پر بڑی عظیم آیات آئی ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آخری آیت کو قرآن حکیم کی عظیم ترین دعاؤں میں شمار کیا جا سکتا ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ ......﴾ سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں بھی ایسی ہی ایک نہایت جامع دعا آئی ہے جو تین چار آیتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ پھر جیسے کہ سورۃ البقرۃ کے تعارف میں ذکر ہو چکا ہے' سورۃ البقرۃ سُورَۃُ الْاُمَّتَیْن ہے' یعنی اس میں دو اُمتوں سے خطاب ہے تو یہی معاملہ سورۃ آل عمران کا بھی ہے۔ فرق یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ میں زیادہ گفتگو یہود کے بارے میں ہے جبکہ سورۂ آلِ عمران میں زیادہ زور نصاریٰ سے خطاب پر ہے۔ اس طرح اہل کتاب سے گفتگو سے متعلق جس مضمون کا آغاز سورۃ البقرۃ میں ہوا تھا سورۂ آل عمران میں آ کر اس کی تکمیل ہو گئی ہے۔ پھر جیسے سورۃ البقرۃ کے دو تقریباً مساوی حصے ہیں' پہلا نصف اٹھارہ رکوعوں اور ۱۵۲ آیات پر مشتمل ہے جبکہ نصفِ ثانی ۲۲ رکوعوں اور ۱۳۴ آیات پر مشتمل ہے' وہی کیفیت یہاں سورۃ آل عمران میں بھی بتمام و کمال ملتی ہے۔ سورۂ آل عمران کے بھی دو مساوی حصے ہیں۔ اس کے کل ۲۰ رکوع ہیں' ۱۰ رکوع نصفِ اوّل میں ہیں' اور ۱۰ رکوع ہی نصفِ ثانی میں۔ پہلے دس رکوعوں میں ۱۰۱ آیات' جبکہ دوسرے دس رکوعوں میں ۹۹ آیات ہیں۔ یعنی صرف ایک آیت کا فرق ہے۔ پھر جیسے سورۃ البقرۃ میں نصفِ اوّل کے تین حصے ہیں ویسے ہی سورۂ آل عمران کا نصف اوّل بھی تین حصوں پر مشتمل ہے۔ لیکن تین حصوں کی یہ تقسیم رکوعوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ آیات کے اعتبار سے ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی ۳۲ آیات اسی طرح تمہیدی کلام پر مشتمل ہیں جیسے سورۃ البقرۃ کے ابتدائی چار رکوع تمہیدی گفتگو سے متعلق ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں

روئے سخن ابتدا ہی سے یہود کی طرف ہو گیا ہے‘ جبکہ یہاں روئے سخن ابتدا ہی سے نصاریٰ کی طرف ہے۔

ابتدائی ۳۲ آیات کے بعد کی ۳۱ آیات میں نصاریٰ سے براہِ راست خطاب ہے۔ ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت‘ ان کے مقام و مرتبہ اور ان کے خلاف یہودیوں کی سازشوں کے انجام جیسے موضوعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہوا ہے لیکن ۳۱ آیات پر مشتمل یہ حصہ ۹ ہجری میں وفد نجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوا۔ ’’نجران‘‘ عرب کے جنوب میں یمن کی جانب عیسائیوں کی ایک بستی تھی۔ وہاں کے عیسائی سردار اور پادری تقریباً ستر آدمیوں کا ایک وفد لے کر ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو سمجھنے کے لیے آپؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ وہ لوگ کئی دن مدینہ میں مقیم رہے۔ انہوں نے بات پوری طرح سمجھ بھی لی لیکن حضور ﷺ کی نبوت کا اقرار کرنے سے گریزاں رہے۔ اس پر آنحضور ﷺ نے انہیں مباہلے کی دعوت دی‘ لیکن وہ اس چیلنج کو قبول کیے بغیر وہاں سے چلے گئے۔ انہوں نے نہ تو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی شدت کے ساتھ تردید کی اور نہ ہی اسے قبول کیا۔ سورۂ آل عمران کی مذکورہ ۳۱ آیات نجران کے ان عیسائیوں سے خطاب کے طور پر نازل ہوئیں۔ ان آیات کے مقابل سورۃ البقرۃ کے رکوع ۳۸ کی وہ آیات بھی ۹ ہجری کے لگ بھگ نازل ہوئیں جن میں سود سے متعلق آخری احکام کا ذکر ہے۔ گویا مشابہت کا ایک یہ پہلو بھی دونوں سورتوں میں پایا جاتا ہے۔ یعنی سورۃ البقرۃ کا اکثر و بیشتر حصہ اگرچہ غزوۂ بدر سے قبل نازل ہوا‘ لیکن اس کی کچھ آیات ۹ھ میں نازل ہوئیں۔ اسی طرح سورۂ آلِ عمران کا اکثر و بیشتر حصہ اگرچہ غزوۂ اُحد کے بعد ۳ھ میں نازل ہوا‘ لیکن نجران کے عیسائیوں سے خطاب کے ضمن میں اس کی ۳۱ آیات ۹ھ میں نازل ہوئیں۔ پھر جیسے سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل کے آخری حصے (رکوع ۱۵‘۱۶‘۱۷‘ ۱۸) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا ذکر ہے بالکل اسی طرح سورۂ آل عمران کے نصفِ اول کے آخر میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا ذکر ہے۔ سورۂ آل عمران کے اس مقام پر بھی اہلِ کتاب کو اسی انداز میں دعوت دی گئی ہے جیسے سورۃ البقرۃ کے ۱۶ اویں رکوع میں دی گئی ہے۔ سورۂ آل عمران کے نصفِ اوّل کا یہ تیسرا حصہ ۳۸ آیات پر مشتمل ہے۔ یہ آیات خصوصی طور پر بہت جامع ہیں۔

سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران دونوں میں سے ہر ایک کے نصفِ ثانی کا آغاز ’’یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا‘‘ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کے انیسویں رکوع سے نصفِ ثانی کا آغاز ہوتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾﴾ اسی طرح سورۂ آل عمران کے گیارہویں رکوع سے اس کے نصفِ ثانی کا آغاز ہوتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾۔

ان دونوں سورتوں کے مابین نسبتِ زوجیت اس قدر گہری ہے کہ ایک سورت کی بعض آیات ہو بہو دوسری سورت میں آ گئی ہیں‘ جبکہ بعض آیات کے بیشتر الفاظ دونوں سورتوں میں مشترک ہیں۔ جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۶ معمولی لفظی تبدیلی کے ساتھ سورۂ آلِ عمران میں آیت ۸۴ کے طور پر دہرائی گئی ہے۔ اسی

طرح سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ اور سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۲ کے الفاظ‘ مضمون اور اسلوب میں گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔[قرآن مجید کے ایسے مقامات متشابہ کہلاتے ہیں۔ ان متشابہ مقامات و آیات کو یاد رکھنے کے لیے حفاظ کو بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔]

واضح رہے کہ اس نوعیت کی نسبت (نسبتِ زوجیت) قرآن مجید کی اکثر و بیشتر سورتوں میں پائی جاتی ہے‘ لیکن اس کی پہچان کے لیے گہرے تدبر کی ضرورت ہے۔ بہر حال اس حوالے سے قرآن مجید پر جس قدر فکر و تدبر اور غور و خوض کیا جائے اسی قدر اضافی معانی‘ اضافی علم‘ اضافی معرفت اور اضافی حکمت کے خزانوں کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔

سورۂ آل عمران کا نصفِ ثانی دس رکوعوں پر مشتمل ہے اور ان کے مضامین کی تقسیم عمودی ہے‘ اُفقی نہیں ہے۔ پہلے دو رکوعوں میں خطاب زیادہ تر مسلمانوں سے ہے۔ اس کے بعد مسلسل چھ رکوع (۱۶۰ آیات) غزوۂ اُحد کے حالات پر تبصرے سے متعلق ہیں۔ یعنی اس ضمن میں جو مسائل سامنے آئے ان پر تبصرہ‘ مسلمانوں سے جو غلطیاں ہوئیں ان پر گرفت اور آئندہ کے لیے ہدایات۔ اس سورت کا یہ حصہ گویا ''غزوۂ اُحد'' کے عنوان سے قرآن مجید کا ایک مستقل باب (chapter) ہے۔ البتہ قرآن میں اس طرح کے ذیلی ابواب نہیں بنائے گئے ہیں‘ بلکہ اس کلام کی تقسیم سورتوں کے عنوانات کے حوالے سے ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں ''تعارفِ قرآن'' کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے‘ قرآن خطباتِ الٰہیہ کا مجموعہ ہے۔ ان خطبات میں مختلف مضامین خاص ربط اور ترتیب سے بیان ہوئے ہیں۔ زمانہ ماضی میں اس ربط اور ترتیب پر بہت کم توجہ دی گئی‘ لیکن موجودہ دور میں قرآن حکیم کے علم و معرفت کا یہ پہلو نسبتاً زیادہ نمایاں ہوا ہے۔ بہر حال یہ انتہائی منظم اور مربوط کلام ہے‘ اس میں آیات کا آیات کے ساتھ اور سورتوں کا سورتوں کے ساتھ ربط واضح نظر آتا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کے آخری دو رکوع بہت جامع ہیں۔ انیسویں رکوع میں پوری سورۂ مبارکہ کے مضامین کا گویا خلاصہ بیان ہوا ہے‘ جبکہ آخری رکوع فلسفۂ ایمان کی بحث کے حوالے سے اہم ہے۔ اس رکوع میں وہ عظیم دعا بھی ہے جس کا ذکر ان تعارفی کلمات میں قبل ازیں بھی آ چکا ہے۔

سورۃ البقرۃ کے تعارف کے دوران اگرچہ سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کے مشترکہ نام کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے‘ مگر یہاں یاد دہانی کے طور پر ایک مرتبہ پھر نوٹ کر لیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ''الزَّهْرَاوَين'' کا نام دیا ہے‘ یعنی دو نہایت تابناک اور روشن سورتیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ قرآن مجید کی دو آخری سورتوں یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو اسی طرح ''الْمُعَوِّذَتَيْن'' کا نام دیا گیا ہے۔

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

آیات ۱ تا ۹

الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي
الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ
مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ
تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ
رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ
لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ ع

آیت ۱ ﴿الٓمّٓ ①﴾ ”ا-ل-م۔“

یہ حروف مقطعات ہیں جن کے بارے میں اجمالی گفتگو ہم سورۃ البقرۃ کے آغاز میں کر چکے ہیں۔

آیت ۲ ﴿اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ②﴾ ”اللہ وہ معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں‘ وہ زندہ ہے‘ سب کا قائم رکھنے والا ہے۔“

یہ الفاظ سورۃ البقرۃ میں آیت الکرسی کے آغاز میں آ چکے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اسمِ اعظم ہے‘ جس کے حوالے سے اگر اللہ سے کوئی دعا مانگی جائے تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ یہ تین سورتوں البقرۃ‘ آل عمران اور طٰہٰ میں ہے۔(۱)

آنحضور ﷺ نے تعین کے ساتھ نہیں بتایا کہ وہ اسم اعظم کون سا ہے‘ البتہ کچھ اشارے کیے ہیں۔ جیسے رمضان المبارک کی ایک شب ”لیلۃ القدر“ جو ہزار مہینوں سے افضل ہے‘ اس کے بارے میں تعین کے ساتھ نہیں بتایا کہ وہ کون سی ہے‘ بلکہ فرمایا: ((فَالْتَمِسُوْھَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِی الْوِتْرِ))(۲) ”اسے آخری عشرے کی

(۱) سنن ابن ماجہ‘ کتاب الدعاء‘ باب اسم اللّٰہ الاعظم۔

(۲) صحیح البخاری‘ کتاب صلاۃ التراویح‘ باب التماس لیلۃ القدر فی السبع الاواخر۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الصیام‘ باب فضل لیلۃ القدر ......

طاق راتوں میں تلاش کرو"۔ تا کہ زیادہ ذوق وشوق کا معاملہ ہو۔ اسی طرح اسمِ اعظم کے بارے میں آپؐ نے اشارات فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تین سورتوں سورۃ البقرۃ' سورۂ آل عمران اور سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ ان تین سورتوں میں جو الفاظ مشترک ہیں وہ "اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ" ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں یہ الفاظ آیت الکرسی میں آئے ہیں' سورۂ آل عمران میں یہاں دوسری آیت میں اور سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۱۱ میں موجود ہیں۔

آیت ۳ ﴿نَزَّلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ﴾ "اُس نے نازل فرمائی ہے آپ پر (اے نبی ﷺ) یہ کتاب حق کے ساتھ"

اُس اللہ نے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' جو اَلۡحَیُّ' اَلۡقَیُّوۡمُ ہے۔ اس میں اس کلام کی عظمت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ جان لو یہ کلام کس کا ہے' کس نے اتارا ہے۔ اور یہاں نوٹ کیجیے' لفظ نَزَّلَ آیا ہے' اَنۡزَلَ نہیں آیا۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ﴾ "یہ تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اُس کی جو اس کے سامنے موجود ہے"

یعنی تورات اور انجیل کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ قرآن حکیم سابقہ کتبِ سماویہ کی دو اعتبارات سے تصدیق کرتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی کتابیں تھیں جن میں تحریف ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ ان پیشین گوئیوں کا مصداق بن کر آئے ہیں جو اُن کتابوں میں موجود تھیں۔

﴿وَاَنۡزَلَ التَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ ۝۳﴾ "اور اُس نے تورات اور انجیل نازل فرمائی تھیں۔"

آیت ۴ ﴿مِنۡ قَبۡلُ ہُدًی لِّلنَّاسِ﴾ "اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے"

﴿وَاَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ ۬ؕ﴾ "اور اللہ نے فرقان اُتارا۔"

"فرقان" کا مصداق قرآن مجید بھی ہے' تورات بھی ہے اور معجزات بھی ہیں۔ سورۃ الانفال میں "یوم الفرقان" غزوۂ بدر کے دن کو کہا گیا ہے۔ ہر وہ شے جو حق کو بالکل مبرہن کر دے اور حق و باطل کے مابین امتیاز پیدا کر دے وہ فرقان ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ؕ﴾ "بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے۔"

یہاں اب تہدید اور دھمکی کا انداز ہے کہ اس قرآن کا معاملہ دنیا کی دوسری کتابوں کی طرح نہ سمجھو کہ مان لیا تب بھی کوئی حرج نہیں' نہ مانا تب بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر پڑھنے پر طبیعت راغب ہوئی تو بھی کوئی بات نہیں' طبیعت راغب نہیں ہے تو مت پڑھو' کوئی الزام نہیں۔ یہ کتاب ویسی نہیں ہے' بلکہ یہ وہ کتاب ہے کہ جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے ان کے لیے بہت سخت سزا ہوگی۔

﴿وَاللّٰہُ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ۝۴﴾ "اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے' انتقام لینے والا ہے۔"

یہ لفظ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ بے شک رؤف ہے' رحیم ہے' شفیق ہے' غفور ہے' ستار ہے'

لیکن ساتھ ہی ''عزیزٌ ذُو انتِقام'' بھی ہے' ''شدیدُ العِقاب'' بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں شانیں قلب و ذہن میں رہنی چاہئیں۔

آیت ۵ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخۡفٰی عَلَیۡہِ شَیۡءٌ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ؕ﴾ ''یقیناً اللہ پر کوئی شے بھی مخفی نہیں ہے' نہ آسمان میں نہ زمین میں۔''

آیت ۶ ﴿ھُوَ الَّذِیۡ یُصَوِّرُکُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ کَیۡفَ یَشَآءُ ؕ﴾ ''وہی ہے جو تمہاری صورت گری کرتا ہے (تمہاری ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے۔''

پہلی چیز اللہ کے علم سے متعلق تھی اور یہ اللہ کی قدرت سے متعلق ہے۔ وہی ہے جو تمہاری نقشہ کشی کر دیتا ہے' صورت بنا دیتا ہے تمہاری ماؤں کے رحموں میں جیسے چاہتا ہے۔ کسی کے پاس کوئی اختیار (choice) نہیں ہے کہ وہ اپنا نقشہ خود بنائے۔

﴿لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۶﴾﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ غالب اور حکیم ہے۔''

آیت ۷ ﴿ھُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ﴾ ''وہی ہے جس نے آپؐ پر یہ کتاب نازل فرمائی''

کسی کسی جگہ نَزَّلَ کے بجائے اَنۡزَلَ کا لفظ بھی آجاتا ہے' اور یہ آہنگ (rhythm) کے اعتبار سے ہوتا ہے' کیونکہ قرآن مجید کا اپنا ایک ملکوتی غنا (Divine Music) ہے' اس میں اگر آہنگ کے حوالے سے ضرورت ہو تو یہ الفاظ ایک دوسرے کی جگہ آجاتے ہیں۔

﴿مِنۡہُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ﴾ ''اس میں محکم آیات ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں''

''محکم'' اور پختہ آیات وہ ہیں جن کا مفہوم بالکل واضح ہو اور جنہیں اِدھر سے اُدھر کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اس کتاب کی جڑ' بنیاد اور اساس وہی ہیں۔

﴿وَ اُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ ؕ﴾ ''اور کچھ دوسری آیتیں ایسی ہیں جو متشابہ ہیں۔''

جن کا حقیقی اور صحیح مفہوم معین کرنا بہت مشکل بلکہ عام حالات میں ناممکن ہے۔ اس کی تفصیل تعارفِ قرآن کے ضمن میں عرض کی جا چکی ہے۔ آیاتُ الاحکام جتنی بھی ہیں وہ سب محکم ہیں' کہ یہ کرو یہ نہ کرو' یہ حلال ہے یہ حرام! جیسا کہ ہم نے سورۃ البقرۃ میں دیکھا کہ بار بار ''کُتِبَ عَلَیۡکُمۡ'' کے الفاظ آتے رہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ کتاب درحقیقت ہے ہی مجموعۂ احکام۔ لیکن جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی بحث ہے ان کا فہم آسان نہیں ہے۔ اللہ کی ذات وصفات کا ہم کیا تصور کر سکتے ہیں؟ اللہ کا ہاتھ' اللہ کا چہرہ' اللہ کی کرسی' اللہ کا عرش' ان کا ہم کیا تصور کریں گے؟ اسی طرح فرشتے عالمِ غیب کی شے ہیں۔ عالمِ برزخ کی کیا کیفیت ہے؟ قبر میں کیا ہوتا ہے؟ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ عالمِ آخرت' جنت اور دوزخ کی اصل حقیقتیں ہم نہیں سمجھ سکتے۔ چنانچہ ہماری ذہنی سطح کے قریب لا کر کچھ باتیں ہمیں بتا دی گئی ہیں کہ مَا لَا یُدۡرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتۡرَکُ کُلُّہٗ (جو چیز پوری کی پوری حاصل نہ ہو سکے اسے پورے کا پورا چھوڑا بھی نہیں جاتا۔) چنانچہ ان کا ایک اجمالی تصور قائم ہو جانا چاہیے' اس کے بغیر آدمی کا راستہ سیدھا نہیں رہے گا۔ لیکن ان کی تفاصیل میں نہیں جانا چاہیے۔ دوسرے درجے میں میں

نے آپ کو بتایا تھا کہ کچھ طبیعیاتی مظاہر (Physical Phenomena) بھی ایک وقت تک آیاتِ متشابہات میں سے رہے ہیں، لیکن جیسے جیسے سائنس کا علم بڑھتا چلا جا رہا ہے، رفتہ رفتہ ان کی حقیقت سے پردہ اٹھتا جا رہا ہے اور اب بہت سی چیزیں محکم ہو کر ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔ تاہم اب بھی بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ جیسے ہم ابھی تک نہیں جانتے کہ سات آسمان سے مراد کیا ہے؟ ہمارا یقین ہے کہ اِن شاء اللہ وہ وقت آئے گا کہ انسان سمجھ لے گا کہ ہاں یہی بات صحیح تھی اور یہی تعبیر صحیح تھی جو قرآن نے بیان کی تھی۔

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ﴾ ''تو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ پیچھے لگتے ہیں ان آیات کے جو ان میں سے متشابہ ہیں''

﴿ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ﴾ ''فتنے کی تلاش میں''

وہ چاہتے ہیں کہ کوئی خاص نئی بات نکالی جائے تاکہ اپنی ذہانت اور فطانت کا ڈنکا بجایا جا سکے یا کوئی فتنہ اٹھایا جائے، کوئی فساد پیدا کیا جائے۔ جن کا اپنا ذہن ٹیڑھا ہو چکا ہے وہ اس ٹیڑھے ذہن کے لیے قرآن سے کوئی دلیل چاہتے ہیں۔ چنانچہ اب وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں کہ ان میں سے کسی کے مفہوم کو اپنے مَن پسند مفہوم کی طرف موڑ سکیں۔ یہ اس سے فتنہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

﴿وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ﴾ ''اور ان کی حقیقت و ماہیت معلوم کرنے کے لیے۔''

وہ تلاش کرتے ہیں کہ ان آیات کی اصل حقیقت، اصل منشا اور اصل مراد کیا ہے۔ یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کا علمی ذوق ہی ایسا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی فطرت میں کجی ہو۔

﴿وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ''حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ ''اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس کتاب پر، یہ کُل کا کُل ہمارے ربّ کی طرف سے ہے۔''

جن لوگوں کو رسوخ فی العلم حاصل ہو گیا ہے، جن کی جڑیں علم میں گہری ہو چکی ہیں ان کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ جو بات صاف سمجھ میں آ گئی ہے اس پر عمل کریں گے اور جو بات پوری طرح سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اس کے لیے انتظار کریں گے، لیکن یہ اجمالی یقین رکھیں گے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔

﴿وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷﴾ ''اور نصیحت حاصل نہیں کر سکتے مگر وہی جو ہوش مند ہیں۔''

اور سب سے بڑی ہوش مندی یہ ہے کہ انسان اپنی عقل کی حدود (limitations) کو جان لے کہ میری عقل کہاں تک جا سکتی ہے۔ اگر انسان یہ نہیں جانتا تو پھر وہ اولوا الالباب میں سے نہیں ہے۔ بلاشبہ عقل بڑی شے ہے لیکن اس کی اپنی حدود ہیں۔ ایک حد سے آگے عقل تجاوز نہیں کر سکتی: ؎

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے!

یعنی منزل تک پہنچانے والی شے عقل نہیں، بلکہ قلب ہے۔ لیکن عقل بہر حال ایک روشنی دیتی ہے، حقیقت کی طرف

اشارے کرتی ہے۔

آیت ۸ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا﴾ ''(اوران اولوالالباب کا یہ قول ہوتا ہے) اے رب ہمارے! ہمارے دلوں کو کج نہ ہونے دیجیو اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دے دی ہے''

﴿وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ﴾ ''اور ہمیں تو خاص اپنے خزانۂ فضل سے رحمت عطا فرما۔''

﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧﴾ ''یقیناً تو ہی سب کچھ دینے والا ہے۔''

ہمیں جو بھی ملے گا تیری ہی بارگاہ سے ملے گا۔ تو ہی فیاضِ حقیقی ہے۔

آیت ۹ ﴿رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ﴾ ''اے رب ہمارے! یقیناً تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک ایسے دن کے لیے جس (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ⑨﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ اس وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ لہٰذا جو اس نے بتایا ہے وہ ہو کر رہے گا اور قیامت کا دن آ کر رہے گا۔

آیات ۱۰ تا ۲۰

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ⑩ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑪ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُـؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑮ۚ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ⑯ۚ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ⑰ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ۙ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَاۗىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑱ۭ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ
لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا
عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ ع ۲

آیت ۱۰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ہرگز نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ سے کچھ بھی۔''

اب یہ ذرا تحدی اور چیلنج کا انداز ہے۔ زمانۂ نزول کے اعتبار سے آپ نے نوٹ کر لیا کہ یہ سورۂ مبارکہ ۳ھ میں غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہو رہی ہے' لیکن یہ رکوع جو زیر مطالعہ ہے اس کے بارے میں گمانِ غالب ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو بڑی زبردست فتح حاصل ہوئی تھی تو مسلمانوں کا morale بہت بلند تھا۔ لیکن ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ جب مسلمان بدر سے غازی بن کر' فتح یاب ہو کر واپس آئے تو مدینہ منورہ میں جو یہودی قبیلے تھے ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ مسلمانو! اتنا نہ اِتراؤ۔ یہ تو قریش کے کچھ ناتجربہ کار چھوکرے تھے جن سے تمہارا مقابلہ پیش آیا ہے' اگر کبھی ہم سے مقابلہ پیش آیا تو دن میں تارے نظر آ جائیں گے' وغیرہ وغیرہ۔ تو اس پس منظر میں یہ الفاظ کہے جا رہے ہیں کہ صرف مشرکینِ مکہ پر موقوف نہیں' یقیناً آخر کار تمام کفار اسی طرح سے زیر ہوں گے اور اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (یوسف)

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾﴾ ''اور وہ تو سب کے سب آگ کا ایندھن بنیں گے۔''

آیت ۱۱ ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ﴾ ''(ان کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ ہو گا) جیسا کہ آلِ فرعون اور ان لوگوں کے ساتھ ہوا جو اُن سے پہلے گزرے۔''

تمہاری تو حیثیت ہی کیا ہے! کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربہ۔ آلِ فرعون کا معاملہ یاد کرو' ان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ فرعون بہت بڑا شہنشاہ اور بڑے لاؤ لشکر والا تھا' لیکن اس کا کیا حال ہوا؟ اور اس سے پہلے عاد و ثمود جیسی زبردست قومیں اسی جزیرہ نمائے عرب میں رہی ہیں۔

﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ﴾ ''انہوں نے بھی ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔''

﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ﴾ ''تو اللہ نے پکڑا ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں۔''

﴿وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾﴾ ''اور اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔''

آیت ۱۲ ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے ان لوگوں سے جو کفر کی روش اختیار کر رہے ہیں کہ تم سب کے سب (دُنیا میں) مغلوب ہو کر رہو گے اور

(پھر آخرت میں) جہنم کی طرف گھیر کر لے جائے جاؤ گے۔''

﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾﴾ ''اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔''

آیت ۱۳ ﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ﴾ ''تمہارے لیے ایک نشانی آ چکی ہے ان دو گروہوں میں جنہوں نے آپس میں جنگ کی۔''

یعنی بدر کی جنگ میں ایک طرف مسلمان تھے اور دوسری طرف مشرکین مکہ تھے۔ اس میں تمہارے لیے نشانی موجود ہے۔

﴿فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ﴾ ''ایک گروہ اللہ کی راہ میں جنگ کر رہا تھا اور دوسرا کافر تھا''

﴿يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ﴾ ''وہ انہیں دیکھ رہے تھے اپنی آنکھوں سے کہ ان سے دوگنے ہیں۔'' اس کے کئی معانی کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو تو کھلم کھلا نظر آ رہا تھا کہ ہمارے مقابل ہم سے دوگنی فوج ہے' جبکہ وہ تگنی تھی۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں کفار پر ایسا رُعب طاری کر دیا تھا کہ انہیں نظر آ رہا تھا کہ مسلمان ہم سے دُگنے ہیں۔

﴿وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تائید فرماتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے۔''

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۱۳﴾﴾ ''اس میں یقیناً ایک عبرت ہے آنکھیں رکھنے والوں کے لیے۔''

یہ عبرت اور سبق آموزی صرف ان کے لیے ہوتی ہے جو آنکھیں رکھتے ہوں' جن کے اندر دیکھنے کی صلاحیت موجود ہو۔

اگلی آیت فطرتِ انسانی کے اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ بعض لوگوں میں خاص طور پر دنیا اور علائق دُنیوی کی محبت زیادہ شدید ہوتی ہے۔ یہاں اس کا اصل سبب بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واقعتاً یہ شے فطرتِ انسانی میں رکھی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو قیامت تک آباد رکھنا ہے اور اس کی رونقیں بحال رکھنی ہیں۔ چنانچہ مرد اور عورت کی ایک دوسرے کے لیے کشش ہوگی تو اولاد پیدا ہوگی اور دنیا کی آبادی میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اس طرح دنیا قائم رہے گی۔ دولت کی کوئی طلب ہوگی تو آدمی محنت و مشقت کرے گا اور دولت کمائے گا۔ اس لیے یہ چیزیں فطرتِ انسانی میں basic animal instincts کے طور پر رکھ دی گئی ہیں۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ان جبلی تقاضوں کو دبا کر رکھا جائے' اللہ کی محبت اور اللہ کی شریعت کو اس سے بالاتر رکھا جائے۔ یہ مطلوب نہیں ہے کہ ان کو ختم کر دیا جائے۔ تعذیبِ نفس اور نفس کُشی (self annihilation) اسلام میں نہیں ہے۔ یہ تو رہبانیت ہے کہ اپنے نفس کو کچل دو' ختم کر دو۔ جبکہ اسلام تزکیۂ نفس اور self control کا درس دیتا ہے کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ نفسِ انسانی ایک منہ زور گھوڑا ہے۔ گھوڑا جتنا طاقت ور ہوتا ہے اتنا ہی

سوار کے لیے اسے تیز دوڑانا آسان ہوتا ہے۔ لیکن منہ زور اور طاقتور گھوڑے کو قابو میں رکھنے کی ضرورت بھی ہے۔ ورنہ سوار اگر اس کے رحم و کرم پر آ گیا تو وہ جہاں چاہے گا اسے پٹخنی دے دے گا۔

آیت ۱۴ ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ﴾ ''مزین کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوباتِ دنیا کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے''

مرغوباتِ دنیا میں سے پہلی محبت عورتوں کی گنوائی گئی ہے۔ فرائیڈ کے نزدیک بھی انسانی محرکات میں سب سے قوی اور زبردست محرک (potent motive) جنسی جذبہ ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے بھی سب سے پہلے اُسی کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں کے لیے پیٹ کا مسئلہ فوقیت اختیار کر جاتا ہے اور معاشی ضرورت جنسی جذبے سے بھی شدید تر ہو جاتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مرد و عورت کے مابین کشش انسانی فطرت کا لازمہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

((مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ)) (۱)

''میں نے اپنے بعد مَردوں کے لیے عورتوں کے فتنے سے زیادہ ضرر رساں فتنہ اور کوئی نہیں چھوڑا۔''

ان کی محبت انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ بلعام بن باعورہ یہود میں سے ایک بہت بڑا عالم اور فاضل شخص تھا، مگر ایک عورت کے چکر میں آ کر وہ شیطان کا پیرو بن گیا۔ اس کا قصہ سورۃ الاعراف میں بیان ہوا ہے۔ بہر حال عورتوں کی محبت انسانی فطرت کے اندر رکھ دی گئی ہے۔ پھر انسان کو بیٹے بہت پسند ہیں کہ اس کی نسل اور اس کا نام چلتا رہے، وہ بڑھاپے کا سہارا بنیں۔

﴿وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ﴾ ''اور جمع کیے ہوئے خزانے سونے کے اور چاندی کے''

﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾ ''اور نشان زدہ گھوڑے''

عمدہ نسل کے گھوڑے جنہیں چُن کر ان پر نشان لگائے جاتے ہیں۔

﴿وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ﴾ ''اور مال مویشی اور کھیتی۔''

پنجاب اور سرائیکی علاقہ میں چوپاؤں کو مال کہا جاتا ہے۔ یہ جانوران کے مالکوں کے لیے مال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ ''یہ سب دُنیوی زندگی کا سروسامان ہے۔''

بس نقطۂ اعتدال یہ ہے کہ جان لو یہ ساری چیزیں اس دنیا کی چندروزہ زندگی کا ساز و سامان ہیں۔ اس زندگی کے لیے ضروریات کی حد تک ان سے فائدہ اٹھانا کوئی بُری بات نہیں ہے۔

﴿وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭﴾ ''لیکن اللہ کے پاس ہے اچھا لوٹنا۔''

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ما یتقی من شئوم المرأۃ۔ وصحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب اکثر اھل الجنۃ الفقراء واکثر اھل النار النساء۔

وہ جو اللہ کے پاس ہے اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر ایمان بالآخرت موجود ہے تو پھر انسان ان تمام مرغوبات کو' اپنے تمام جذبات اور میلانات کو ایک حد کے اندر رکھے گا' اس سے آگے نہیں بڑھنے دے گا۔ لیکن اگر ان میں سے کسی ایک شے کی محبت بھی اتنی زوردار ہو گئی کہ آپ کے دل کے اوپر اس کا قبضہ ہو گیا تو بس آپ اس کے غلام ہو گئے' اب وہی آپ کا معبود ہے' چاہے وہ دولت ہو یا کوئی اور شے ہو۔

آیت ۱۵ ﴿قُلۡ اَؤُنَبِّئُكُمۡ بِخَيۡرٍ مِّنۡ ذٰلِكُمۡ ؕ﴾ ''ان سے کہیے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں ان تمام چیزوں سے بہتر شے کون سی ہے؟''

﴿لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ﴾ ''جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے ان کے ربّ کے پاس ایسے باغات ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی''

تقویٰ یہی ہے کہ تم پر اپنے نفس کا بھی حق ہے جو تمہیں ادا کرنا ہے' لیکن ناجائز راستے سے نہیں۔ تمہارے پیٹ کا بھی حق ہے' وہ بھی ادا کرو' لیکن اکلِ حلال سے۔ تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد کے بھی تم پر حقوق ہیں' جو تمہیں جائز طریقوں سے ادا کرنے ہیں۔ تمہارے جو ملاقاتی آنے والے ہیں ان کا بھی تم پر حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا تھا:

((فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيۡكَ حَقًّا' وَاِنَّ لِعَيۡنِكَ عَلَيۡكَ حَقًّا' وَاِنَّ لِزَوۡجِكَ عَلَيۡكَ حَقًّا' وَاِنَّ لِزَوۡرِكَ عَلَيۡكَ حَقًّا)) (۱)

''یقیناً تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے' تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے' تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے' اور تمہارے ملاقاتی کا بھی تم پر حق ہے۔''

ان سب کے حقوق ادا کرو' لیکن اللہ سے اوپر کسی حق کو فائق نہ کر دینا۔ بس یہ ہے اصل بات۔ع ''گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی!'' اگر یہ حفظِ مراتب نہیں ہو گا تو گویا آپ کا دین بھی گیا اور دنیا بھی گئی۔

﴿خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا﴾ ''ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے''

﴿وَاَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ ''اور ان کے لیے بڑی ہی پاک عورتیں ہوں گی''

﴿وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور (سب سے بڑھ کر) اللہ کی خوشنودی ہو گی۔''

﴿وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۱۵﴾﴾ ''اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۱۶ ﴿اَلَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا﴾ ''جو یہ کہتے رہتے ہیں پروردگار! ہم ایمان لے آئے''

﴿فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا﴾ ''پس ہمارے گناہوں کو بخش دے''

﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾﴾ ''اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔''

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الصوم' باب حق الجسم فی الصوم۔ وصحیح مسلم' کتاب الصیام' باب النھی عن صوم الدھر......

آگے ان کی مدح میں الفاظ استعمال ہو رہے ہیں کہ جو یہ دعائیں کرتے ہیں ان کے یہ اوصاف ہیں۔ اس میں گویا تلقین ہے کہ اگر اللہ سے یہ دعا کرنا چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں جہنم کے عذاب سے بچا لے تو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرو۔

آیت ۱۷ ﴿اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ﴾ ''صبر کرنے والے اور راست باز''

راست بازی میں راست گوئی بھی شامل ہے اور راست کرداری بھی۔ یعنی آپ کا عمل بھی صحیح اور درست ہو اور قول بھی صحیح اور درست ہو۔

﴿وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ﴾ ''اور فرماں بردار اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے''

﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝﴾ ''اور اوقاتِ سحر میں مغفرت چاہنے والے۔''

وہ جو سحر کا وقت ہے (small hours of the morning) اُس وقت اللہ کے حضور استغفار کرنے والے۔ ایک تو پنج وقتہ نمازیں ہیں، اور ایک خاص وقت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ہر رات جب رات کا آخری ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سمائے دنیا تک نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے: ((هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطٰى؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهٗ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهٗ؟))(۱) ''ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے؟ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ اسے معاف کر دیا جائے؟'' گویا: ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں!

آیت ۱۸ ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ﴾ ''اللہ خود گواہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے''

سب سے بڑی گواہی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے، جو کتب سماویہ سے بھی ظاہر ہے اور مظاہر فطرت سے بھی۔

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ''اور سارے فرشتے (گواہ ہیں)''

﴿وَاُولُوا الْعِلْمِ﴾ ''اور اہل علم بھی (اس پر گواہ ہیں)''

اولوا العلم وہی لوگ ہیں جنہیں قرآن کہیں اولوا الالباب قرار دیتا ہے اور کہیں ان کے لیے ''الَّذِيْنَ يَعْقِلُوْنَ'' جیسے الفاظ آتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آیاتِ آفاقی کے حوالے سے اللہ کو پہچان لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں کہ وہی معبودِ برحق ہے۔ سورۃ البقرۃ کے بیسویں رکوع کی پہلی آیت ہم نے پڑھی تھی جسے میں ''آیتُ الآیات'' قرار دیتا ہوں۔ اس میں بہت سے مظاہر فطرت بیان کر کے فرمایا گیا: ﴿لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝﴾ ''(ان میں) یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں''۔ تو یہ جو ''قَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ'' ہیں، جو

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل...... اس مضمون کی متعدد احادیث مختلف الفاظ میں صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ (مرتب)

اولوالالباب ہیں' اولوالعلم ہیں' وہ بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

﴿ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ﴾ ''وہ عدل وقسط کا قائم کرنے والا ہے۔''

یہ اس آیت مبارکہ کے اہم ترین الفاظ ہیں۔ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ عدل قائم کرتا ہے اور عدل کرے گا' البتہ اہل سنت کے نزدیک یہ کہنا سوءِ ادب ہے کہ اللہ پر عدل کرنا واجب ہے۔ اللہ پر کسی شے کا وجوب نہیں ہے۔ اللہ کو عدل پسند ہے اور وہ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝﴾ (الحجرات) اور اللہ خود بھی عدل فرمائے گا۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ زبردست ہے' کمال حکمت والا ہے''۔

آیت ۱۹ ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ ''یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔''

اللہ کا پسندیدہ اور اللہ کے ہاں منظور شدہ دین ایک ہی ہے اور وہ ''اسلام'' ہے۔ سورۃ البقرۃ اور سورۂ آلِ عمران کی نسبتِ زوجیت کے حوالے سے یہ بات سمجھ لیجیے کہ سورۃ البقرۃ میں ایمان پر زیادہ زور ہے اور سورۂ آلِ عمران میں اسلام پر۔ سورۃ البقرۃ کے آغاز میں بھی ایمانیات کا تذکرہ ہے' درمیان میں آیت البر میں بھی ایمانیات کا بیان ہے اور آخری آیات میں بھی ایمانیات کا ذکر ہے: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ جبکہ اس سورۂ مبارکہ میں اسلام کو emphasize کیا گیا ہے۔ یہاں فرمایا: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ آگے جا کر آیت آئے گی: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ ''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول کرے گا وہ اس کی جانب سے اللہ کے ہاں منظور نہیں کیا جائے گا''۔

﴿وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ﴾ ''اور اہلِ کتاب نے اختلاف نہیں کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا مگر باہمی ضدم ضدا کے سبب سے۔''

یہ گویا سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۳ (آیت الاختلاف) کا خلاصہ ہے۔ دین اسلام تو حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آ رہا ہے۔ جن لوگوں نے اس میں اختلاف کیا' پگڈنڈیاں نکالیں اور غلط راستوں پر مڑ گئے' اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا' ان کا اصلی روگ وہی ضدم ضدا کی روش اور غالب آنے کی اُمنگ (The urge to dominate) تھی۔

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝﴾ ''اور جو کوئی اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے تو (وہ یاد رکھے کہ) اللہ بہت جلد حساب چکا دینے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کو حساب لیتے دیر نہیں لگے گی' وہ بڑی تیزی کے ساتھ حساب لے لے گا۔

آیت ۲۰ ﴿فَاِنْ حَآجُّوْكَ﴾ ''پھر (اے نبی ﷺ) اگر وہ آپ سے حجت بازی کریں''

دلیل بازی اور مناظرے کی روش اختیار کریں۔

﴿فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ﴾ ''تو آپ کہہ دیں کہ میں نے تو اپنا چہرہ اللہ کے

سامنے جھکا دیا ہے اور انہوں نے بھی جو میرا اتباع کر رہے ہیں۔"

آپؐ ان سے دوٹوک انداز میں یہ آخری بات کہہ دیں کہ ہم نے تو اللہ کے آگے سرِ اطاعت خم کر دیا ہے۔ ہم نے ایک راستہ اختیار کر لیا ہے۔ تم جدھر جانا چاہتے ہو جاؤ' جس پگڈنڈی پر مڑنا چاہتے ہو مڑ جاؤ' جس کھائی میں گرنا چاہتے ہو گر جاؤ۔ ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝٦﴾ (الکافرون) "اب تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔"

﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ﴾ "اور (اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے اُن سے بھی کہ جنہیں کتاب دی گئی تھی (یعنی یہود اور نصاریٰ) اور اُمیّین سے بھی کہ کیا تم بھی اسی طرح اسلام لاتے ہو؟"

کیا تم بھی سرِ تسلیم خم کرتے ہو یا نہیں؟ تابع ہوتے ہو یا نہیں؟ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتے ہو یا نہیں؟

﴿فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ﴾ "پس اگر وہ بھی اسی طرح اسلام لے آئیں تو ہدایت پر ہو جائیں گے۔"

﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ﴾ "اور اگر وہ منہ موڑ لیں تو (اے نبی ﷺ!) آپ پر ذمہ داری صرف پہنچا دینے کی ہے۔"

آپؐ نے ہمارا پیغام ان تک پہنچا دیا' ہماری دعوت اُن تک پہنچا دی' ہماری آیات انہیں پڑھ کر سنا دیں' اب قبول کرنا یا نہ کرنا ان کا اپنا اختیار (choice) ہے۔ آپؐ پر ذمہ داری نہیں ہے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے۔ سورۃ البقرۃ میں ہم یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝١١٩﴾ "اور آپؐ سے سوال نہیں کیا جائے گا جہنمیوں کے بارے میں۔"

﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝٢٠﴾ "اور اللہ اپنے بندوں کے حال کو دیکھ رہا ہے۔"

وہ اُن سے حساب کتاب کر لے گا اور ان سے نمٹ لے گا۔ آپؐ کے ذمہ جو فرض ہے آپ اُس کو ادا کرتے رہیے۔

آیات ۲۱ تا ۳۲

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٢١ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝٢٢ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْھُمْ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝٢٣ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَّغَرَّھُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝٢٤ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٢٥ قُلِ اللّٰهُمَّ

مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ
تَشَاۗءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۶ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي
الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْـحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْـحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۲۷ لَا
يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ
فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۲۸ قُلْ اِنْ
تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۹ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ښ وَّمَا عَمِلَتْ
مِنْ سُوْۗءٍ ڔ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ
بِالْعِبَادِ ۝۳۰ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ع
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲

آیت ۲۱ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّـبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا کفر کرتے ہیں اور انبیاءٗ کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں‘‘

﴿وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ﴾ ’’اور ان لوگوں کو قتل کرتے رہے ہیں (یا قتل کرتے ہیں) جو انسانوں میں سے عدل و قسط کا حکم دیتے ہیں‘‘

اس لیے کہ انصاف کی بات تو بالعموم کسی کو پسند نہیں ہوتی۔ ’’اَلْحَقُّ مُرٌّ‘‘ (حق بات کڑوی ہوتی ہے)۔ بہت سے مواقع پر کسی حق گو انسان کو حق گوئی کی پاداش میں اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ یہاں پھر عدل و قسط کا معاملہ آیا ہے۔ اللہ خود ’’ قَاۗىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ‘‘ ہے اور اللہ کے محبوب بندے وہی ہیں جو عدل کا حکم دیں‘ انصاف کا ڈنکا بجانے کی کوشش کریں۔ تو فرمایا کہ جو ایسے لوگوں کو قتل کریں......

﴿فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۱﴾ ’’تو (اے نبی ﷺ) انہیں بشارت سنا دیجیے دردناک عذاب کی۔‘‘

لفظ ’’بشارت‘‘ یہاں طنز کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

آیت ۲۲ ﴿اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت ہو گئے۔‘‘

جیسے قریش کو یہ زعم تھا کہ ہم خُدّامِ کعبہ ہیں اور ہمارے پاس جو یہ لوگ حج کرنے آتے ہیں ہم ان کو کھانا کھلاتے ہیں‘ پانی پلاتے ہیں‘ ہماری ان خدمات کے عوض ہمیں بخش دیا جائے گا۔ فرمایا وہ سارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ اگر تو صحیح صحیح پورے دین کو اختیار کرو گے تو ٹھیک ہے‘ ورنہ چاہے خیرات اور بھلائی کے بڑے سے بڑے کام کیے ہوں‘ لوگوں کی فلاح و بہبود کے ادارے قائم کر دیے ہوں‘ اللہ کی نگاہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

﴿وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ﴿۲۲﴾﴾ ”اور ان کا پھر کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“

آیت ۲۳ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ﴾ ”کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کی حالت پر جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا؟“

اُوۡتُوۡا مجہول کا صیغہ ہے اور یاد رہے کہ قرآن مجید میں جہاں مذمت کا پہلو ہوتا ہے وہاں عام طور پر مجہول کا صیغہ آتا ہے۔

﴿یُدۡعَوۡنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ﴾ ”اب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف کہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے“

﴿ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ وَہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ﴿۲۳﴾﴾ ”پھر ان میں سے ایک گروہ پیٹھ پھیر لیتا ہے اعراض کرتے ہوئے۔“

یعنی کتاب کو مانتے بھی ہیں لیکن اس کے فیصلے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

آیت ۲۴ ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ۪﴾ ”یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو جہنم کی آگ چھو ہی نہیں سکتی مگر گنتی کے چند دن۔“

یہ مضمون سورۃ البقرۃ میں بھی آ چکا ہے۔ ان کی ڈھٹائی کا اصل سبب ان کے مَن گھڑت عقائد ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم کتاب پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر عمل کیوں نہیں کر رہے؟ اس میں تو لکھا ہے کہ سود حرام ہے اور تم سود خوری پر کمربستہ ہو' اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام کیوں نہیں جانتے؟ تو اس کے جواب میں وہ اپنا یہ من گھڑت عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ ”ہمیں تو جہنم کی آگ چھو ہی نہیں سکتی مگر گنتی کے چند دن“۔ جب یہ عقیدہ ہے تو پھر انسان کاہے کو دنیا کا نقصان برداشت کرے ع ”بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست“۔ پھر تو حلال سے' حرام سے' جائز سے' ناجائز سے' جیسے بھی عیش دنیا حاصل کیا جا سکتا ہو حاصل کرنا چاہیے۔ یہ عقیدہ درحقیقت ایمان بالآخرۃ کی نفی کر دیتا ہے۔

﴿وَغَرَّہُمۡ فِیۡ دِیۡنِہِمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ﴿۲۴﴾﴾ ”اور انہیں دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے ان کے دین کے بارے میں ان چیزوں نے جو یہ گھڑتے رہے ہیں۔“

اس طرح کے جو عقائد و نظریات انہوں نے گھڑ لیے ہیں ان کے باعث یہ دین کے معاملے میں گمراہی کا شکار ہو گئے ہیں۔ اللہ نے تو ایسی کوئی ضمانت نہیں دی تھی۔ تورات لاؤ' انجیل لاؤ' کہیں ایسی ضمانت نہیں ہے۔ یہ تو تمہارا مَن گھڑت عقیدہ ہے اور اسی کی وجہ سے اب تم دین کے اندر بددین یا بے دین ہو گئے ہو۔

آیت ۲۵ ﴿فَکَیۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰہُمۡ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ۟﴾ ”تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے اُس دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں!“

اِس وقت تو یہ بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں' زبان درازیاں کر رہے ہیں۔ لیکن جب ہم انہیں ایک ایسے

دن میں جمع کریں گے جس کے آنے میں ذرا شک نہیں‘ تو اس دن ان کا کیا حال ہوگا!

﴿وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ ”اور ہر جان کو پورا پورا دے دیا جائے گا جو کچھ اس نے کمائی کی ہوگی“

﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴿٢٥﴾﴾ ”اور ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔“

اس کے بعد اب پھر ایک بہت عظیم دعا آ رہی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں بہت سی دعائیں ہیں۔ یہ بھی ایک عظیم دعا ہے‘ جس کی باقاعدہ تلقین کر کے کہا گیا ہے کہ یوں کہا کرو۔

آیت ۲۶ ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ ”کہو اے اللہ! تمام بادشاہت کے مالک!“ کُل ملک تیرے اختیار میں ہے۔

﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ﴾ ”تو حکومت اور اختیار دیتا ہے جس کو چاہتا ہے“

﴿وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾ ”اور تو سلطنت چھین لیتا ہے جس سے چاہتا ہے“

﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ ”اور تو عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے“

﴿وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ ”اور تو ذلیل کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔“

﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ ”تیرے ہی ہاتھ میں سب خیر ہے۔“

اس کے دونوں معنی ہیں۔ ایک یہ کہ کُل خیر و خوبی تیرے ہاتھ میں ہے اور دوسرے یہ کہ تیرے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہے۔ بسا اوقات انسان جسے اپنے لیے شر سمجھ بیٹھتا ہے وہ بھی اس کے لیے خیر ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۶) میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ ”اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو پسند کرو درآنحالیکہ وہی تمہارے لیے بُری ہو۔“

﴿اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴿٢٦﴾﴾ ”یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

آیت ۲۷ ﴿تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ ”تو رات کو لے آتا ہے دن میں پرو کر“

﴿وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ ”اور پھر دن کو نکال لاتا ہے رات میں سے پرو کر۔“

﴿وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ ”اور تو نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے“

﴿وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ ”اور تو نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے۔“

اس کی بہترین مثال مرغی اور انڈا ہے۔ انڈے میں جان نہیں ہے لیکن اسی میں سے زندہ چوزہ برآمد ہوتا ہے اور مرغی سے انڈا برآمد ہوتا ہے۔

﴿وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴿٢٧﴾﴾ ”اور تو دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حد حساب۔“

آیت ۲۸ ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ”اہلِ ایمان نہ بنائیں

کافروں کو اپنے دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر۔''

''اولیاء'' ایسے قلبی دوست ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے رازدار بھی بن جائیں اور ایک دوسرے کے پشت پناہ بھی ہوں۔ یہ تعلق کفار کے ساتھ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان کے ساتھ اچھا رویہ' ظاہری مدارات اور تہذیب وشائستگی سے بات چیت تو اور بات ہے' لیکن دلی محبت' قلبی رشتہ' جذباتی تعلق' باہمی نصرت و تعاون اور ایک دوسرے کے پشت پناہ ہونے کا رشتہ قائم کر لینے کی اجازت نہیں ہے۔ کفار کے ساتھ اس طرح کے تعلقات اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہیں۔

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ﴾ ''اور جو کوئی بھی یہ حرکت کرے گا تو پھر اللہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا''

اگر اللہ کے دشمنوں کے ساتھ تمہاری دوستی ہے تو ظاہر ہے پھر تمہارا اللہ کے ساتھ کوئی رشتہ و تعلق نہیں رہا ہے۔

﴿اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ﴾ ''سوائے یہ کہ تم ان سے بچنے کے لیے اپنا بچاؤ کرنا چاہو۔''

بعض اوقات ایسے حالات ہوتے ہیں کہ کھلے مقابلے کا ابھی موقع نہیں ہوتا تو آپ دشمن کو طرح دیتے ہیں اور اس طرح گویا وقت حاصل کرتے ہیں (you are buying time) تو اس دوران اگر ظاہری خاطر مدارات کا معاملہ بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے' لیکن مستقل طور پر کفار سے قلبی محبت قائم کر لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ قرآن کے انہی الفاظ کو ہمارے ہاں اہل تشیع نے تقیہ کی بنیاد بنا لیا ہے۔ لیکن انہوں نے اسے اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ وہ جھوٹ بولنا اور اپنے عقائد کو چھپا لینا بھی روا سمجھتے ہیں اور اس کے لیے دلیل یہاں سے لاتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بالکل دوسری شکل ہے اور یہ صرف ظاہری مدارات کی حد تک ہے۔ جیسے کہ ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ اگرچہ تمہارے خلاف یہود کے دلوں میں حسد کی آگ بھری ہوئی ہے لیکن ﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا﴾ (آیت ۱۰۹) ابھی ذرا درگزر کرتے رہو اور چشم پوشی سے کام لو۔ ابھی فوری طور پر ان کے ساتھ مقابلہ شروع کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس حد تک مصلحت بینی تو صحیح ہے' لیکن یہ نہیں کہ جھوٹ بولا جائے' معاذ اللہ!

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ﴾ ''اور اللہ تمہیں ڈراتا ہے اپنے آپ سے۔''

اللہ سے ڈرو۔ یعنی کسی اور سے خواہ مخواہ ڈر کر صرف خاطر مدارات کر لینا بھی صحیح نہیں ہے۔ کسی وقت مصلحت کا تقاضا ہو تو ایسا کر لو' لیکن تمہارے دل میں خوف صرف اللہ کا رہنا چاہیے۔

﴿وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾﴾ ''اور اللہ ہی کی طرف (تمہیں) لوٹ کر جانا ہے۔''

آیت ۲۹ ﴿قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ﴾ ''کہہ دیجیے (اے نبی ﷺ!) کہ اگر تم چھپاؤ جو کچھ کہ تمہارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کرو اللہ اسے جانتا ہے۔''

تم اپنے سینوں میں مخفی باتیں ایک دوسرے سے تو چھپا سکتے ہو' اللہ تعالیٰ سے نہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ﴾ ''اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

خواہ تم اسے ظاہر کرو خواہ چھپاؤ اللہ تم سے اس کا محاسبہ کر لے گا۔"

﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ "اور وہ جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔"

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾﴾ "اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

آیت ۳۰ ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا﴾ "(اُس دن کا تصور کرو) جس دن ہر جان اپنے سامنے موجود پائے گی ہر نیکی جو اُس نے کی ہوگی"

﴿وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ﴾ "اور ہر برائی جو اُس نے کمائی ہوگی۔"

اس کا نقشہ سورۃ الزلزال میں بایں الفاظ کھینچا گیا ہے: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾﴾ "تو جس نے ایک ذرے کے ہم وزن نیکی کی ہوگی وہ اس کو (بچشم خود) دیکھ لے گا۔ اور جس نے ایک ذرے کے ہم وزن برائی کی ہوگی وہ اُس کو (بچشم خود) دیکھ لے گا"۔

﴿تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا﴾ "اور (ہر جان) یہ چاہے گی کہ کاش اس کے اور اُس (کے نامۂ اعمال) کے درمیان ایک زمانۂ دراز حائل ہوتا۔"

اُس وقت ہر انسان یہ چاہے گا کہ کاش میرے اور میرے اعمال نامے کے درمیان بڑا فاصلہ آ جائے اور میری نگاہ بھی اس پر نہ پڑے۔

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾ "اور اللہ ڈرا رہا ہے تمہیں اپنے آپ سے۔"

یعنی تقویٰ اختیار کرنا ہے تو اس کا کرو، ڈرنا ہے تو اس سے ڈرو، خوف کھانا ہے تو اس سے کھاؤ!

﴿وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾﴾ "اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں بہت شفیق ہے۔"

یہ تنبیہات (warnings) وہ تمہیں بار بار اسی لیے دے رہا ہے تاکہ تمہاری عاقبت خراب نہ ہو۔

آیت ۳۱ ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ "(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو"

یہ آیت بہت معروف ہے اور مسلمانوں کو بہت پسند بھی ہے۔ ہمارے ہاں مواعظ و خطابات میں یہ بہت کثرت سے بیان ہوتی ہے۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، میرا اتباع کرو! اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

﴿يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ "اللہ تم سے محبت کرے گا"

﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ "اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔"

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾﴾ "اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔"

آیت ۳۲ ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ "کہہ دیجیے اطاعت کرو اللہ کی اور رسولؐ کی۔"

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''پھر اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو (یاد رکھیں کہ) اللہ کو ایسے کافر پسند نہیں ہیں۔''

یہ دو آیتیں اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں رسول اللہ ﷺ کے لیے دو الفاظ آئے ہیں ''اطاعت'' اور ''اتباع''۔ اطاعت اگر نہیں ہے تو یہ کفر ہے۔ چنانچہ اطاعت تو لازم ہے اور وہ بھی دلی آمادگی سے' مارے باندھے کی اطاعت نہیں۔ لیکن اطاعت کس چیز میں ہوتی ہے؟ جو حکم دیا گیا ہے کہ یہ کرو وہ آپ کو کرنا ہے۔ اتباع اس سے بلند تر شے ہے۔ انسان خود تلاش کرے کہ آنحضور ﷺ کے اعمال کیا تھے اور ان پر عمل پیرا ہو جائے' خواہ آپ ﷺ نے ان کا حکم نہ دیا ہو۔ گویا اتباع کا دائرہ اطاعت سے وسیع تر ہے۔ انسان کو جس کسی سے محبت ہوتی ہے وہ اُس سے ہر طرح سے ایک مناسبت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے لباس جیسا لباس پہننا پسند کرتا ہے' جو چیزیں اس کو کھانے میں پسند ہیں وہی چیزیں خود بھی کھانا پسند کرتا ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا حکم نہیں دیا گیا لیکن ان کا التزام پسندیدہ ہے۔ ایک صحابیؓ کا واقعہ آتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے کرتے کے بٹن نہیں لگے ہوئے تھے اور آپؐ کا گریبان کھلا تھا۔ اس کے بعد ان صحابیؓ نے پھر ساری عمر اپنے کرتے کے بٹن نہیں لگائے۔ حالانکہ حضور ﷺ نے تو انہیں اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ صحابیؓ نہیں دور دراز سے آئے ہوں گے اور ایک ہی مرتبہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے ہوں گے' لیکن انہوں نے اُس وقت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو جس شان میں دیکھا اس کو پھر اپنے اوپر لازم کر لیا۔

اتباع کے ضمن میں یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ اگرچہ دین کے کچھ تقاضے ایسے ہیں کہ انہیں جس درجے میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے پورا فرمایا اس درجے میں پورا کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے' لیکن پھر بھی اس کی کوشش کرتے رہنا اتباع کا تقاضا ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے کوئی مکان نہیں بنایا' کوئی جائیداد نہیں بنائی' جیسے ہی وحی کا آغاز ہوا' اس کے بعد آپؐ نے کوئی دُنیوی کام نہیں کیا' کوئی تجارت نہیں کی۔ آپ ﷺ نے اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ اور اپنی توانائی کی ایک ایک رمق اللہ کے دین کی دعوت اور اس کی اقامت میں لگا دی۔ سب کے لیے تو اس مقام تک پہنچنا یقیناً مشکل ہے' لیکن بہرحال بندۂ مؤمن کا آئیڈیل یہ رہے اور وہ اسی کی طرف چلنے کی کوشش کرتا رہے' اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اور زیادہ سے زیادہ وسائل فارغ کرے اور اس کام کے اندر لگائے تو ''اتباع'' کا کم سے کم تقاضا پورا ہو گا۔ البتہ جہاں تک ''اطاعت'' کا تعلق ہے اس میں کوتاہی قابلِ قبول نہیں۔ جہاں حکم دے دیا گیا کہ یہ حلال ہے' یہ حرام ہے' یہ فرض ہے' یہ واجب ہے' وہاں حکم عدولی کی گنجائش نہیں۔ اگر اطاعت ہی سے انکار ہے تو اسے قرآن کفر قرار دے رہا ہے۔

اتباع کا معاملہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کا اتباع کرنے والا اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ یہاں ارشاد فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو' میری پیروی کرو۔ دیکھو' میرے شب و روز کیا ہیں؟ میری توانائیاں کن کاموں پر لگ رہی ہیں؟ دنیا کے اندر میری دلچسپیاں کیا ہیں؟ ان معاملات میں تم میری پیروی کرو۔ اس کے نتیجے میں تم اللہ تعالیٰ کے ''محب'' سے بڑھ کر ''محبوب'' بن جاؤ گے اور اللہ

تمہارے گناہ بخش دے گا۔ وہ یقیناً غفور اور رحیم ہے۔ باقی اطاعت تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی بہر صورت کرنی ہے۔ اگر یہ اس اطاعت سے بھی منہ موڑیں تو اللہ تعالیٰ کو ایسے کافر پسند نہیں ہیں۔ کیونکہ اطاعتِ رسول ﷺ کا انکار تو کفر ہو گیا۔

یہاں سورۂ آل عمران کے نصفِ اوّل کا ثُلثِ اوّل مکمل ہو گیا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس سورۂ مبارکہ کی پہلی ۳۲ آیات تمہیدی اور عمومی نوعیت کی ہیں۔ ان میں دین کے بڑے گہرے اصول بیان ہوئے ہیں' نہایت جامع دعائیں تلقین کی گئی ہیں اور محکمات اور متشابہات کا فرق واضح کیا گیا ہے۔

آیات ۳۳ تا ۴۱

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع ۴

سورۂ آل عمران کے نصفِ اوّل کا دوسرا حصہ ۳۱ آیات پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں خطاب براہِ راست نصاریٰ سے ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ یہ جو تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنا لیا ہے اور تثلیث (Trinity) کا عقیدہ گھڑ لیا ہے یہ سب باطل ہے۔ عیسائیوں کے ہاں دو طرح کی تثلیث رائج رہی ہے —— i) خدا' مریم اور عیسیٰؑ —— اور ii) خدا' روح القدس اور عیسیٰؑ۔ یہاں پر واضح کر دیا گیا کہ یہ جو تثلیثیں تم نے ایجاد کر لی ہیں ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے' یہ تمہاری کج روی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت برگزیدہ پیغمبر تھے۔ ہاں اُن کی ولادت معجزانہ طریقے پر ہوئی ہے۔ لیکن ان سے متصلاً قبل حضرت یحییٰؑ کی ولادت بھی تو معجزانہ ہوئی تھی۔ اور پھر حضرت

آدم علیہ السلام کی ولادت بھی تو بہت بڑا معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو معجزانہ طور پر پیدا کیا اور ان سے نسل انسانی کا آغاز ہوا۔ چنانچہ اگر کسی کی معجزانہ ولادت الوہیت کی دلیل ہے تو کیا حضرت آدمؑ اور حضرت یحییٰؑ بھی الٰہ ہیں؟ تو یہ ساری بحث اسی موضوع پر ہو رہی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ نے چن لیا آدمؑ کو' نوحؑ کو' آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ عمران کو تمام جہان والوں پر۔''

اِصطفاء کے معنی منتخب کرنے یا چن لینے (selection) کے ہیں۔ زیر مطالعہ آیت سے متبادر ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی ''اِصطفاء'' ہوا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے ایک دلیل موجود ہے جو تخلیقِ آدم کے ضمن میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ پہلے ایک نوع (species) وجود میں آئی تھی اور اللہ نے اس نوع کے ایک فرد کو چن کر اس میں اپنی روح پھونکی تو وہ آدمؑ بن گئے۔ چنانچہ وہ بھی چنیدہ (selected) تھے۔ اِصطفاء کے ایک عام معنی بھی ہوتے ہیں' یعنی پسند کر لینا۔ ان معنوں میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو تمام جہان والوں پر ترجیح دے کر پسند کر لیا۔ تاریخ بنی اسرائیل میں ''عمران'' دو عظیم شخصیتوں کے نام ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران تھا اور حضرت مریم سلامؑ علیہا کے والد یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا کا نام بھی عمران تھا۔ یہاں پر غالباً حضرت موسیٰؑ کے والد مراد ہیں۔ لیکن آگے چونکہ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا تذکرہ آ رہا ہے' لہٰذا عین ممکن ہے کہ یہاں پر حضرت مریمؑ کے والد کی طرف اشارہ ہو۔

آیت ۳۴ ﴿ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ﴾ ''یہ ایک دوسرے کی اولاد سے ہیں۔''

حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوحؑ کی اولاد سے ہیں' اور پھر بنی اسماعیل' بنی اسرائیل اور آلِ عمران حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾﴾ ''اور اللہ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ۳۵ ﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا﴾ ''جب کہا عمران کی بیوی نے کہ اے میرے ربّ! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں تیری ہی نذر کرتی ہوں' ہر ذمہ داری سے چھڑا کر''

عمران کی بیوی یعنی حضرت مریمؑ کی والدہ بہت ہی نیک' متقی اور زاہدہ خاتون تھیں۔ جب ان کو حمل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض کیا کہ پروردگار! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے' جسے تو پیدا فرما رہا ہے' اسے میں تیری ہی نذر کرتی ہوں۔ ہم اس پر دُنیوی ذمہ داریوں کا کوئی بوجھ نہیں ڈالیں گے اور اس کو خالصتاً ہیکل کی خدمت کے لیے' دین کی خدمت کے لیے' تورات کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گے۔ ہم اپنا بھی کوئی بوجھ اس پر نہیں ڈالیں گے۔ انہیں یہ توقع تھی کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا فرمائے گا۔ مُحَرَّرًا کے معنی ہیں ''اسے آزاد کرتے

ہوئے''۔ یعنی ہماری طرف سے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی اور اسے ہم تیرے لیے خالص کر دیں گے۔

﴿فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ﴾ ''پس تو اس کو میری طرف سے قبول فرما!''

اے اللہ تو میری اس نذر کو شرفِ قبول عطا فرما۔

﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٥﴾﴾ ''یقیناً تو سب کچھ سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔''

آیت ۳۶ ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۭ﴾ ''تو جب اسے وضع حمل ہوا تو اس نے کہا اے میرے ربّ! یہ تو میں ایک لڑکی جن گئی ہوں۔''

یعنی میرے ہاں تو بیٹی پیدا ہو گئی ہے۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ بیٹا پیدا ہوگا تو میں اس کو وقف کر دوں گی۔ اُس وقت تک ہیکل کے خادموں میں کسی لڑکی کو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۭ﴾ ''اور اللہ بہتر جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا ہے۔''

اسے کیا پتا تھا کہ اس نے کیسی بیٹی جنی ہے!

﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ﴾ ''اور نہیں ہوگا کوئی بیٹا اس بیٹی جیسا!''

اس جملے کے دونوں معنی کیے گئے۔ اوّلاً: اگر یہ قول مانا جائے حضرت مریمؑ کی والدہ کا تو ترجمہ یوں ہوگا: ''اور لڑکا لڑکی کی مانند تو نہیں ہوتا''۔ اگر لڑکا ہوتا تو میں اُسے خدمت کے لیے وقف کر دیتی' یہ تو لڑکی ہو گئی ہے۔ ثانیاً: اگر اس قول کو اللہ کی طرف سے مانا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ کوئی بیٹا ایسا ہو ہی نہیں سکتا جیسی بیٹی تو نے جنم دی ہے۔ اور اب مریمؑ کی والدہ کا کلام شروع ہوا:

﴿وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ ''اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے''

﴿وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُھَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٣٦﴾﴾ ''اور (اے پروردگار!) میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطانِ مردود (کے حملوں) سے۔''

اے اللہ! تو اس لڑکی (مریمؑ) کو بھی اور اس کی آنے والی اولاد کو بھی شیطان کے شر سے اپنی حفاظت میں رکھیو!

آیت ۳۷ ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾ ''تو قبول فرما لیا اُس کو (یعنی حضرت مریمؑ کو) اس کے ربّ نے بڑی ہی عمدگی کے ساتھ''

شرفِ قبول عطا فرمایا بڑے ہی خوبصورت انداز میں۔

﴿وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَـنًا ۙ﴾ ''اور اس کو پروان چڑھایا بہت اعلیٰ طریقے پر''

﴿وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ﴾ ''اور اس کو زکریاؑ کی کفالت میں دے دیا۔''

حضرت زکریاؑ ان کے سرپرست مقرر ہوئے اور انہوں نے حضرت مریمؑ کی کفالت و تربیت کی ذمہ داری اٹھائی۔ حضرت زکریاؑ حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔ آپؑ وقت کے نبی تھے اور اسرائیلی اصطلاح میں ہیکل سلیمانی کے کاہنِ اعظم (Chief Priest) بھی تھے۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ﴾ ''جب کبھی بھی زکریاؑ ان کے پاس جاتے تھے محراب میں''

﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ﴾ ''توان کے پاس رزق پاتے۔''

''محراب'' سے مراد وہ گوشہ یا حُجرہ ہے جو حضرت مریمؑ کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ حضرت زکریاؑ اُن کی دیکھ بھال کے لیے اکثر ان کے حجرے میں جاتے تھے۔ آپؑ جب بھی حجرے میں جاتے تو دیکھتے کہ حضرت مریمؑ کے پاس کھانے پینے کی چیزیں اور بغیر موسم کے پھل موجود ہوتے۔ بعض لوگوں کی رائے اس حوالے سے یہ بھی ہے کہ یہاں رزق سے مراد مادی کھانا نہیں' بلکہ علم وحکمت ہے کہ جب حضرت زکریاؑ ان سے بات کرتے تھے تو حیران رہ جاتے تھے کہ اس لڑکی کو اس قدر حکمت اور اتنی معرفت کہاں سے حاصل ہوگئی ہے؟

﴿قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ﴾ ''وہ پوچھتے اے مریمؑ! تمہیں یہ چیزیں کہاں سے ملتی ہیں؟''

یہ انواع واقسام کے کھانے اور بے موسمی پھل تمہارے پاس کہاں سے آ جاتے ہیں؟ یا یہ علم وحکمت اور معرفت کی باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہوتی ہیں؟

﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''وہ کہتی تھیں کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔''

یہ سب اس کا فضل اور اس کا کرم ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۞﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب عطا کرتا ہے۔''

آیت ۳۸ ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ﴾ ''(حضرت زکریاؑ کو یہ مشاہدہ ہوا تو انہوں نے) اُسی وقت اپنے پروردگار سے ایک دعا کی۔''

﴿قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ﴾ ''انہوں نے کہا: اے میرے ربّ! تو مجھے بھی اپنی جناب سے کوئی پاکیزہ اولاد عطا فرما دے۔''

حضرت زکریا علیہ السلام بہت بوڑھے ہو چکے تھے' ان کی اہلیہ بھی بہت بوڑھی ہو چکی تھیں۔ وہ ساری عمر بانجھ رہی تھیں اور ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ یہ مضامین سورۂ مریم میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ مکی دور میں جبکہ مسلمان ہجرتِ حبشہ کے لیے گئے تھے' تو وہاں جا کر نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے سورۂ مریم کی آیات پڑھ کر سنائی تھیں۔ حضرت زکریاؑ ساری عمر بے اولاد رہے تھے' لیکن حضرت مریمؑ کے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد اولاد کی جو خواہش ان کے اندر دبی ہوئی تھی وہ چنگاری دفعتہً بھڑک اٹھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ! تو اس بچی کو یہ سب کچھ دے سکتا ہے تو اپنی قدرت سے مجھے بھی پاکیزہ اولاد عطا فرما دے!

﴿اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ۞﴾ ''یقیناً تو دعا کا سننے والا ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿فَنَادَتۡهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىۡ فِى الۡمِحۡرَابِ ۙ﴾ ''تو فرشتوں نے انہیں ندا دی جبکہ وہ اپنے حجرے میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے''

﴿اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحۡيٰى﴾ ''کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتا ہے یحییٰؑ کی''

﴿مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''جو تصدیق کرے گا اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی''

اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں' جن کے لیے آگے آیت ۴۵ میں ''بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ'' کا لفظ آرہا ہے۔

﴿وَسَيِّدًا وَّحَصُوۡرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۳۹﴾﴾ ''اور سردار ہوگا اور تجرد کی زندگی گزارے گا اور نبی ہوگا صالحین میں سے۔''

یہاں نوٹ کرلیجیے کہ آخری لفظ جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدح کے لیے آیا ہے وہ ''نبی'' ہے۔ اس بارے میں مزید وضاحت آگے آیت ۴۹ کے مطالعہ کے دوران آئے گی۔

آیت ۴۰ ﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ﴾ ''(زکریاؑ نے) کہا: پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہو جائے گا؟''

ابھی خود دعا کر رہے تھے' لیکن اللہ کی طرف سے بیٹے کی بشارت ملنے پر غالباً اس کی توثیق اور re-assurance چاہ رہے ہیں کہ میرے ہاں کیسے بیٹا ہو جائے گا؟

﴿وَقَدۡ بَلَغَنِىَ الۡكِبَرُ﴾ ''جبکہ میں انتہائی بوڑھا ہو چکا ہوں''

﴿وَامۡرَاَتِىۡ عَاقِرٌ ؕ﴾ ''اور میری بیوی بانجھ رہی ہے۔''

﴿قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفۡعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾﴾ ''(اللہ نے) فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

اسے اسباب کی احتیاج نہیں ہے۔ اسباب اس کے محتاج ہیں' اللہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔

آیت ۴۱ ﴿قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّىۡۤ اٰيَةً ؕ﴾ ''انہوں نے عرض کیا: پروردگار! میرے (اطمینان کے) لیے کوئی نشانی مقرر کر دیں۔''

مجھے معلوم ہو جائے کہ واقعی ایسا ہونا ہے اور یہ کلام جو میں سن رہا ہوں واقعتاً تیری طرف سے ہے۔

﴿قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ﴾ ''(اللہ نے) فرمایا: تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ اب تم تین دن تک لوگوں سے گفتگو نہیں کر سکو گے سوائے اشارے کنائے کے۔''

یعنی ان کی قوتِ گویائی سلب ہو گئی اور اب وہ تین دن تک کسی سے بات نہیں کر سکتے تھے۔

﴿وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ كَثِيۡرًا﴾ ''اور (اپنے دل میں) اپنے رب کو کثرت سے یاد کرتے رہو''

﴿وَّسَبِّحۡ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِبۡكَارِ ﴿۴۱﴾﴾ ''اور تسبیح کیا کرو شام کے وقت بھی اور صبح کے وقت بھی۔''

آیات ۴۲ تا ۵۴

وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰکِ وَطَہَّرَکِ وَاصۡطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۲﴾
یٰمَرۡیَمُ اقۡنُتِیۡ لِرَبِّکِ وَاسۡجُدِیۡ وَارۡکَعِیۡ مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ
اِلَیۡکَ ؕ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَہُمۡ اَیُّہُمۡ یَکۡفُلُ مَرۡیَمَ ۪ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ
یَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾ اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ ٭ۖ اسۡمُہُ الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی
ابۡنُ مَرۡیَمَ وَجِیۡہًا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ ﴿۴۵﴾ۙ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَکَہۡلًا
وَّمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ
یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۴۷﴾ وَیُعَلِّمُہُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ
وَالتَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ ﴿۴۸﴾ۚ وَرَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۙ اَنِّیۡۤ
اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَاُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَہَ
وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ اِنَّ
فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۹﴾ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَلِاُحِلَّ
لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ حُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ وَجِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰہَ
رَبِّیۡ وَرَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡہُمُ الۡکُفۡرَ قَالَ مَنۡ
اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ ۚ وَاشۡہَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۵۲﴾
رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿۵۳﴾ وَمَکَرُوۡا وَمَکَرَ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ
ع ۵ ۱۳ ۱۲ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ ﴿۵۴﴾ؒ

حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے اس قصے سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کو شدید ضعیفی کی عمر میں ایک بانجھ اور بوڑھی عورت سے حضرت یحییٰؑ جیسا بیٹا دے دیا۔ تو کیا یہ عام قانون کے مطابق ہے؟ ظاہر ہے یہ بھی تو معجزہ تھا۔ اسی طرح اس سے ذرا بڑھ کر ایک معجزہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش ہے کہ انہیں بغیر باپ کے پیدا فرما دیا۔ اب اس کا ذکر آ رہا ہے۔

آیت ۴۲ ﴿وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ کہا فرشتوں نے اے مریمؑ''

﴿اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰکِ وَطَہَّرَکِ وَاصۡطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۲﴾﴾ ''یقیناً اللہ نے تمہیں چن لیا ہے اور تمہیں خوب پاک کر دیا ہے اور تمہیں تمام جہان کی خواتین پر ترجیح دی ہے۔''

آیت ۴۲ ﴿یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ﴾ ''اے مریمؑ! اپنے رب کی فرماں برداری کرتی رہو''

﴿وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرتی رہو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔''

یعنی نماز با جماعت کے اندر شریک ہو جایا کرو۔

آیت ۴۴ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ﴾ ''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو (اے محمد ﷺ!) ہم آپ کو وحی کر رہے ہیں۔''

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ﴾ ''اور آپ تو ان کے پاس موجود نہیں تھے جبکہ وہ اپنے قلم پھینک رہے تھے (یہ طے کرنے کے لیے) کہ ان میں سے کون مریم کا کفیل ہوگا۔''

جب حضرت مریم سلام علیہا کو ان کی والدہ نے ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کیا تو ہیکل کے کاہنوں میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ یہ بچی میری تحویل میں ہو' اس کی تربیت اور پرورش کی سعادت مجھے حاصل ہو جائے جسے اللہ کے نام پر وقف کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے لیے وہ اپنے قلم پھینک کر کسی طرح قرعہ اندازی کر رہے تھے۔ اس میں اللہ نے حضرت زکریاؑ کا نام نکال دیا۔ یہاں اثنائے کلام میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ تو اُس وقت وہاں نہیں تھے جب وہ قرعہ اندازی سے یہ معاملہ طے کر رہے تھے۔

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''اور نہ آپ اُس وقت ان کے پاس موجود تھے جبکہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔''

آیت ۴۵ ﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ﴾ ''یاد کرو جبکہ فرشتوں نے کہا اے مریمؑ! یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی''

تمہیں اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہستی کی ولادت کی خوشخبری دے رہا ہے جو اُس کی جانب سے ایک خاص کلمہ ہوگا۔

﴿اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ﴾ ''اس کا نام ہوگا المسیح 'عیسیٰ' مریم کا بیٹا''

﴿وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۵﴾﴾ ''مرتبے والا ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ کے بہت ہی مقربین بارگاہ میں سے ہوگا۔''

آیت ۴۶ ﴿وَیُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا﴾ ''اور وہ لوگوں سے گفتگو کرے گا گود میں بھی اور پوری عمر کا ہو کر بھی''

کہولت چالیس برس کے بعد آتی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا رفعِ سماوی ۳۳ برس کی عمر میں ہو گیا تھا۔ گویا اس آیت کا تقاضا ابھی پورا نہیں ہوا ہے۔ اور اس سے اندازہ کر لیجیے کہ یہ بات کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ پوری عمر

کو پہنچ کر تو سبھی بولتے ہیں' یہاں اس کا اشارہ کیوں کیا گیا؟ اس لیے تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ حضرت مسیحؑ پر موت ابھی وارد نہیں ہوئی' بلکہ وہ واپس آئیں گے' دنیا میں دوبارہ اتریں گے' پھر ان کی کہولت کی عمر بھی ہوگی۔ وہ شادی بھی کریں گے' ان کی اولاد بھی ہوگی اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو پوری دنیا میں قائم کرے گا۔

﴿وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؀﴾ ''اور وہ (ہمارے) نیکوکار بندوں میں سے ہوگا۔''

آیت ۴۷ ﴿قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ﴾ ''(حضرت مریمؑ نے یہ بات سنی تو تعجب سے) بولی: اے اللہ! میرے اولاد کیسے ہو جائے گی جبکہ مجھے تو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا!''

﴿قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ﴾ ''فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ تخلیق فرماتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔''

وہ اپنے بنائے ہوئے قوانینِ فطرت کا پابند نہیں ہے۔ اگرچہ عام ولادت اسی طرح ہوتی ہے کہ اس میں باپ کا بھی حصہ ہوتا ہے اور ماں کا بھی' لیکن اللہ تعالیٰ ان اسباب اور وسائل و ذرائع کا محتاج نہیں ہے' وہ جیسے چاہے پیدا کرتا ہے۔

﴿اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؀﴾ ''وہ تو جب کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔''

آیت ۴۸ ﴿وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ؀﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اس کو سکھائے گا کتاب اور حکمت بھی اور تورات اور انجیل بھی۔''

یہاں پر چار چیزوں کا ذکر آیا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو تعلیم دی: کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل۔ ان چار چیزوں کے مابین جو تین ''و'' آئے ہیں ان میں سے دو واوِ عطف ہیں' جبکہ درمیانی ''و'' واوِ تفسیر ہے۔ اس طرح آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ''اللہ ان کو سکھائے گا کتاب اور حکمت یعنی تورات اور انجیل''۔ اس لیے کہ تورات میں صرف احکام تھے' حکمت نہیں تھی اور انجیل میں صرف حکمت ہے' احکام نہیں ہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کو سمجھ لینے سے یہ گتھی حل ہوتی ہے اور اسے سمجھے بغیر لوگوں کے ذہنوں میں اُلجھنیں رہتی ہیں۔

آیت ۴۹ ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ﴾ ''اور اُس کو رسول بنا کر بھیجے گا بنی اسرائیل کی طرف''

اب یہ جو دو بیک وقت آنے والی (contemporary) اصطلاحات ہیں ان کو نوٹ کر لیجیے۔ حضرت یحییٰؑ کے بارے میں تمام توصیفی کلمات کے بعد آخری بات یہ فرمائی: ﴿نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ؀﴾ ''نبی ہوں گے صالحین میں سے''۔ جبکہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا: ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ﴾ یعنی بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آئیں گے۔ نبی اور رسول میں یہ فرق نوٹ کر لیجیے کہ حضرت یحییٰؑ صرف نبی تھے اس لیے وہ قتل بھی کر دیے گئے' جبکہ حضرت عیسیٰؑ رسول تھے اور رسول قتل نہیں ہو سکتے' اس لیے انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

یہ بہت اہم مضمون ہے۔ مطالعہ قرآن حکیم کے دوران اس کے اور بھی حوالے آئیں گے۔

﴿اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ﴾ ''(چنانچہ حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کو دعوت دی) کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں''

ابھی تک گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ساری خوشخبریاں دی گئیں۔ اب یوں سمجھئے کہ قصہ مختصر' ان کی ولادت ہوئی' وہ پلے بڑھے' یہ ساری تاریخ بیچ میں سے حذف کر کے نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ اب حضرت مسیحؑ نے اپنی دعوت کا آغاز کر دیا۔ آپؑ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔

﴿اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ﴾ ''کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی مانند صورت بناتا ہوں''

﴿فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ﴾ ''پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ بن جاتا ہے اڑتا ہوا پرندہ اللہ کے حکم سے۔''

یہاں آپ نوٹ کرتے جایئے کہ ہر معجزے کے ذکر کے بعد ''بِاِذْنِ اللّٰهِ'' فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ میرا دعویٰ نہیں ہے' اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہے اللہ کے حکم سے ہے۔

﴿وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ﴾ ''اور میں شفا دے دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو بھی اور کوڑھی کو بھی' اور میں مردے کو زندہ کر دیتا ہوں اللہ کے حکم سے۔''

﴿وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ۭ﴾ ''اور میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔''

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۴۹﴾﴾ ''یقیناً ان تمام چیزوں میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔''

حضرت مسیحؑ نے اپنی رسالت کی صداقت اور دلیل کے طور پر یہ تمام معجزات پیش فرمائے۔

آیت ۵۰ ﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ ''اور میں تصدیق کرتے ہوئے آیا ہوں اس کی جو میرے سامنے موجود ہے تورات میں سے''

﴿وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ﴾ ''اور (اس لیے آیا ہوں) تاکہ میں حلال ٹھہرا دوں تم پر ان میں سے بعض چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔''

یہ اصل میں ''سبت'' کے حکم کے بارے میں اشارہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں بھی بعض مذہبی مزاج کے لوگوں میں بڑی سختی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دین کے احکام میں غلو کرتے چلے جاتے ہیں' اسی طرح سبت کے حکم میں یہودیوں نے اس حد تک غلو کر لیا تھا کہ اس روز کسی مریض کے لیے دعا کرنا کہ اللہ اسے شفا دے دے' یہ بھی جائز

نہیں سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ بھی دنیا کا کام ہے۔ چنانچہ وہ اس معاملے میں ایک انتہا تک پہنچ گئے تھے۔ حضرت مسیحؑ نے آ کر اس کی وضاحت کی کہ اس طرح کی چیزیں سبت کے تقاضوں میں شامل نہیں ہیں۔

﴿وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ﴾ ''اور میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں نشانی تمہارے رب کی طرف سے۔''

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۵۰﴾ ''پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۵۱ ﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ﴾ ''یقیناً اللہ ہی میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے پس اُسی کی بندگی کرو۔''

﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۵۱﴾ ''یہی سیدھا راستہ ہے۔''

یہی الفاظ سورۂ مریم (آیت ۳۶) میں بھی وارد ہوئے ہیں۔

آیت ۵۲ ﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ﴾ ''پس جب عیسیٰؑ نے ان کی طرف سے کفر کو بھانپ لیا''

﴿قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ﴾ ''تو انہوں نے پکار لگائی کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟''

یہاں پھر درمیانی عرصے کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کو دعوت دیتے ہوئے حضرت مسیحؑ کو کئی سال بیت چکے تھے۔ اس دعوت سے جب علماءِ یہود کی مسندوں کو خطرہ لاحق ہو گیا اور ان کی چودھراہٹیں خطرے میں پڑ گئیں تو انہوں نے حضرت مسیحؑ کی مخالفت شروع کر دی۔ اُس وقت تک یہودیوں پر ان کے علماء کا اثر ورسوخ بہت زیادہ تھا۔ جب آپؑ نے ان کی طرف سے کفر کی شدت کو محسوس کیا کہ اب یہ ضد اور مخالفت پر تُل گئے ہیں۔ تو آپؑ نے ایک پکار لگائی' ایک ندا دی' ایک دعوتِ عام دی کہ کون ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے مددگار ہیں؟ یعنی اب جو کشاکش ہونے والی ہے' جو تصادم ہونے والا ہے اس میں ایک ''حزبُ اللہ'' بنے گی اور ایک ''حزبُ الشیطان'' ہو گی۔ اب کون ہے جو میرا مددگار ہو اللہ کی راہ میں اس جدوجہد اور کشاکش میں؟ واضح رہے کہ دین کا کام کرنے کے لیے یہی اصل اساس ہے۔ اسی بنیاد پر کوئی شخص اٹھے کہ میں دین کا کام کرنا چاہتا ہوں' کون ہے کہ جو میرا ساتھ دے؟ یہ جماعت سازی کا ایک بالکل طبعی طریقہ ہوتا ہے۔ ایک داعی اٹھتا ہے اور اُس داعی پر اعتماد کرنے والے' اُس سے اتفاق کرنے والے لوگ اس کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ یہ لوگ ذاتی اعتبار سے اُس کے ساتھی نہیں ہوتے' اس کی حکومت اور سرداری قائم کرنے کے لیے نہیں' بلکہ اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبہ کے لیے اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ﴾ ''کہا حواریوں نے کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!''

''حواری'' کے اصل معنی دھوبی کے ہیں جو کپڑے کو دھو کر صاف کر دیتا ہے۔ یہ لفظ پھر آگے بڑھ کر اپنے اخلاق اور کردار کو صاف کرنے والوں کے لیے استعمال ہونے لگا۔ حضرت مسیحؑ کی تبلیغ زیادہ تر گلیلی جھیل کے کناروں پر ہوتی تھی' جو سمندر کی طرح بہت بڑی جھیل ہے۔ آپؑ کبھی وہاں کپڑے دھونے والے دھوبیوں میں تبلیغ

کرتے تھے اور کبھی مچھلیاں پکڑنے والے مچھیروں کو دعوت دیتے تھے۔ آپؑ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اے مچھلیوں کا شکار کرنے والو! آؤ' میں تمہیں انسانوں کا شکار کرنا سکھاؤں''۔ آپؑ نے دھوبیوں میں تبلیغ کی تو ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا کہ ہم آپ کی جدّوجُہد میں اللہ کے مددگار بننے کو تیار ہیں۔ یہ آپؑ کے اوّلین ساتھی تھے جو ''حواری'' کہلاتے تھے۔ اس طرح حواری کا لفظ ساتھی کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ﴾ ''ہم ایمان لائے اللہ پر۔''

﴿وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٥٢﴾﴾ ''اور آپؑ بھی گواہ رہیے گا کہ ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔''

آیت ۵۳ ﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ﴾ ''اے ربّ ہمارے! ہم ایمان لے آئے اُس پر جو تُو نے نازل فرمایا''

﴿وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ﴾ ''اور ہم اتباع کر رہے ہیں تیرے رسول کا''

﴿فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٣﴾﴾ ''پس تو ہمارا نام گواہوں میں لکھ لے۔''

یہی لفظ ''گواہ'' بعد میں عیسائیوں کے ایک خاص فرقے (Jehova's Witnesses) نے اپنے لیے مخصوص کر لیا۔ لفظ یہوہ (Jehova) عبرانی میں خدا کے لیے آتا ہے۔ یعنی یہ لوگ اپنے آپ کو ''خدا کے گواہ'' کہتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ (اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمّتِ وَسط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو''۔ تو یہ لفظ ''شاہد'' (گواہ) قدیم ہے اور اسلامی حکمت اور اسلام کی مصطلحات میں اس کی ایک حیثیت ہے۔

آیت ۵۴ ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ﴾ ''اب انہوں نے بھی چالیں چلیں اور اللہ نے بھی چال چلی۔''

یہود کے علماء اور فریسی حضرت مسیحؑ کے خلاف مختلف چالیں چل رہے تھے کہ کسی طرح یہ قانون کی گرفت میں آ جائیں اور ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے آنجنابؑ کو مرتد اور واجب القتل قرار دے دیا تھا' لیکن ملک پر سیاسی اقتدار چونکہ رومیوں کا تھا لہٰذا رومی گورنر کی توثیق (sanction) کے بغیر کسی کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی تھی۔ ملک کا بادشاہ اگرچہ ایک یہودی تھا لیکن اس کی حیثیت کٹھ پتلی بادشاہ کی تھی' جیسے انگریزی حکومت کے تحت مصر کے شاہ فاروق ہوتے تھے۔ یہود کی مذہبی عدالتیں موجود تھیں جہاں ان کے علماء' مفتی اور فریسی بیٹھ کر فیصلے کرتے تھے' اور اگر وہ سزائے موت کا فیصلہ دے دیتے تھے تو اس فیصلے کی تنفیذ (execution) رومی گورنر کے ذریعے ہوتی تھی۔ اس صورتِ حال میں علماءِ یہود کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے' اس لیے وہ حضرت مسیحؑ کو رومی قانون کی زد میں لانے کے لیے اپنی سی چالیں چل رہے تھے۔ وہ آنجنابؑ سے اس طرح کے الٹے سیدھے سوالات کرتے کہ آپؑ کے جوابات سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ یہ شخص رومی حکومت کا باغی ہے۔

یہود کی ان چالوں کا توڑ کرنے کے لیے اللہ نے اپنی چال چلی۔ اللہ کی چال کیا تھی؟ اس کی تفصیل قرآن یا حدیث میں نہیں ہے' بلکہ ''انجیل برنباس'' میں ہے جو پوپ کی لائبریری سے برآمد ہوئی تھی۔ چنانچہ انجیل

برنباس کے مطابق حضرت مسیحؑ کے حواریوں میں سے ایک حواری یہوداہ اسکریوتی کو یہود نے رشوت دے کر اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ مخبری کر کے آپؑ کو گرفتار کرائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی غدار حواری کی شکل حضرت مسیحؑ کی سی بدل دی۔ حضرت مسیحؑ اُس وقت ایک باغ میں روپوش تھے۔ آپؑ اس باغ کے اندر بنی ہوئی ایک کوٹھڑی میں رات کے وقت عبادت میں مشغول تھے، جبکہ آپؑ کے بارہ حواری باہر موجود تھے۔ اُس وقت وہ شخص وہاں سے چپکے سے سٹک گیا اور جا کر سپاہیوں کو لے آیا تا کہ آپؑ کو گرفتار کرا سکے۔ یہ رومی سپاہی تھے اور قندیلیں لے کر آئے تھے۔ اُس نے سپاہیوں سے کہا تھا کہ میں اندر جاؤں گا، جس شخص کو میں کہوں "اے ہمارے استاد" بس اسی کو پکڑ لینا، وہی مسیحؑ ہیں۔ ظاہر ہے رومیوں کو کیا پتا تھا کہ مسیحؑ کون ہیں؟ یہ شخص جیسے ہی کوٹھڑی کے اندر داخل ہوا اُسی وقت کوٹھڑی کی چھت پھٹی اور چار فرشتے نازل ہوئے، جو حضرت مسیحؑ کو لے کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی شکل تبدیل کر کے حضرت مسیحؑ والی شکل بنا دی۔ اب یہ گھبرا کر باہر نکلا تو دوسرے حواریوں نے اُس سے کہا "اے ہمارے استاد!" یہ سنتے ہی سپاہیوں نے اسے قابو کر لیا اور اصل میں یہی شخص سولی چڑھا ہے، نہ کہ حضرت مسیحؑ۔ یہ ساری تفاصیل انجیل برنباس میں موجود ہیں۔ یہ شہادت درحقیقت نصاریٰ ہی کے گھر سے ہمیں ملی ہے اور قرآن کا جو بیان ہے اس میں یہ پوری طرح فٹ بیٹھتی ہے کہ "انہوں نے اپنی سی چالیں چلیں اور اللہ نے اپنی چال چلی۔"

﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾﴾ "اور اللہ تعالیٰ بہترین چال چلنے والا ہے۔"

آیات ۵۵ تا ۶۳

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا
كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ
وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا
يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٧﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿٥٨﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ
اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٥٩﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ
الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاۗءَنَا
وَاَبْنَاۗءَكُمْ وَنِسَاۗءَنَا وَنِسَاۗءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى
الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ ع ۶

آیت ۵۵ ﴿اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ﴾ ''یاد کرو جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰؑ اب میں تمہیں لے جانے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں''

لفظ ''مُتَوَفِّیۡکَ'' کو قادیانیوں نے اپنے اس غلط عقیدے کے لیے بہت بڑی بنیاد بنایا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی وفات ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس لفظ کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ وَفٰی کے معنی ہیں پورا کرنا۔ اردو میں بھی کہا جاتا ہے وعدہ وفا کرو۔ اسی سے باب تفعیل میں وَفّٰی ـ یُوَفِّیۡ ـ تَوۡفِیَۃً کا مطلب ہے کسی کو پورا دینا۔ جیسا کہ اسی سورت کی آیت ۲۵ میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿فَکَیۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰہُمۡ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ۟ وَ وُفِّیَتۡ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۵﴾﴾ ''تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے اُس دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں! اور ہر جان کو پورا پورا بدلہ اس کے اعمال کا دے دیا جائے گا اور ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی''۔ باب تفعّل میں تَوَفّٰی یَتَوَفّٰی کا معنی ہوگا کسی کو پورا پورا لے لینا۔ اور یہ لفظ گویا بتمام وکمال منطبق ہوتا ہے حضرت مسیحؑ پر کہ جن کو اللہ تعالیٰ ان کے جسم اور جان سمیت دُنیا سے لے گیا۔ واضح رہے کہ ہم جب کہتے ہیں کہ کوئی شخص وفات پا گیا تو یہ استعارتاً کہتے ہیں۔ اس لیے کہ مرنے والے کا جسم تو یہیں رہ جاتا ہے' صرف جان جاتی ہے۔ پھر یہی لفظ قرآن مجید میں نیند کے لیے بھی آیا ہے: ﴿اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا وَ الَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِہَا ۚ﴾ (الزمر: ۴۲) ''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا اُس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے''۔ اس لیے کہ نیند میں بھی انسان سے خود شعوری نکل جاتی ہے' اگرچہ وہ زندہ ہوتا ہے۔ روح کا تعلق خود شعوری کے ساتھ ہے۔ پھر جب انسان مرتا ہے تو روح اور جان دونوں چلی جاتی ہیں اور پیچھے صرف جسم رہ جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان دونوں حالتوں (نیند اور موت) کے لیے تَوَفّٰی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور سب سے زیادہ مکمل تَوَفّٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کو ان کے جسم' جان اور روح تینوں سمیت' جوں کا توں' زندہ سلامت لے گیا۔ حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کا یہ عقیدہ مسلمانوں کا متفق علیہ عقیدہ ہے' اور جہاں تک لفظ ''تَوَفّٰی'' کے لغوی مفہوم کا تعلق ہے اُس میں قطعاً کوئی ایسا پیچیدہ نکتہ نہیں ہے جس سے کوئی شخص آپؑ کی موت کی دلیل پکڑ سکے۔ البتہ اس معاملے میں ان لوگوں کو بہکانا آسان ہے جنہیں عربی زبان کی گرامر سے واقفیت نہیں ہے۔ اس لیے کہ عام لوگ تو ایک ہی وفات کے بارے میں جانتے ہیں' جبکہ ازروئے قرآن تین قسم کی ''وفات'' ثابت ہوتی ہے' جیسے کہ اوپر وضاحت کی گئی ہے۔ اب آیت زیر مطالعہ کے متذکرہ بالا ٹکڑے کا ترجمہ پھر کر لیجیے: ''یاد کرو جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰؑ میں تمہیں لے جانے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں''۔

﴿وَ مُطَہِّرُکَ مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا﴾ ''اور تمہیں پاک کرنے والا ہوں ان لوگوں سے جنہوں نے (تمہارے ساتھ) کفر کیا ہے''

﴿وَجَاعِلُ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡکَ فَوۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۚ﴾ ’’اور غالب کرنے والا ہوں ان لوگوں کو جو تمہاری پیروی کریں گے قیامت تک ان لوگوں پر جو تمہارا انکار کر رہے ہیں۔‘‘

یہود جنہوں نے حضرت مسیحؑ کا انکار کیا تھا اُس وقت سے لے کر موجودہ زمانے تک حضرت مسیحؑ کے پیروکاروں سے مار کھاتے رہے ہیں۔ حضرت مسیحؑ ۳۰ء یا ۳۳ء میں آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے اور اس کے بعد سے یہود پر عیسائیوں کے ہاتھوں مسلسل عذاب کے کوڑے برستے رہے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کے چالیس برس بعد ۷۰ء میں ٹائٹس رومی کے ہاتھوں ہیکل سلیمانی مسمار ہوا اور یروشلم میں ایک لاکھ بیس ہزار یا ایک لاکھ تینتیس ہزار یہودی ایک دن میں قتل کیے گئے۔ اُس وقت سے لے کر اب تک دو ہزار برس ہونے کو ہیں ان کا کعبہ گرا پڑا ہے۔ اس کی صرف ایک دیوار (دیوارِ گریہ) باقی ہے جس پر جا کر یہ رو دھو لیتے ہیں۔

ہیکل سلیمانی اوّلاً بخت نصر نے چھٹی صدی قبل مسیح میں مسمار کیا تھا۔ اس حملے میں اس نے پورے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی‘ لاکھوں یہودی تہ تیغ کر دیے اور لاکھوں کو قیدی بنا کر وہ اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ اس دور کو انہوں نے اُسارت (Captivity) کا نام دیا ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں یہ لوگ دوبارہ فلسطین واپس آئے اور ’’معبد ثانی‘‘ تعمیر کیا‘ جو ۷۰ء میں پھر منہدم کر دیا گیا اور انہیں پھر فلسطین سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد یہ مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے۔ کچھ روس‘ کچھ ہندوستان‘ کچھ مصر اور کچھ یورپ چلے گئے۔ اس طرح یہ پوری دنیا میں پھیل گئے۔ یہ ان کا دورِ انتشار (Diaspora) کہلاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب عیسائیوں نے ایک معاہدے کے تحت یروشلم مسلمانوں کے حوالے کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کھلا شہر (open city) قرار دے دیا کہ یہاں مسلمان‘ عیسائی اور یہودی سب آ سکتے ہیں۔ اس طرح ان کی یروشلم میں آمد و رفت شروع ہو گئی۔ البتہ عیسائیوں نے اس معاہدے میں یہ شرط بھی لکھوائی تھی کہ یہودیوں کو یہاں آباد ہونے یا جائیداد خریدنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے خلافت عثمانیہ کے دور تک اس معاہدے پر عمل درآمد ہوتا رہا اور یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس کے لیے انہوں نے عثمانی خلفاء کو بڑی بڑی رشوتوں کی پیشکش کی‘ لیکن انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر انہوں نے عیسائیوں کے ساتھ مل کر خلافت عثمانیہ کو ختم کروا دیا۔ اسی دوران (۱۹۱۷ء میں) انہوں نے برطانوی وزیر بالفور (Balfor) کے ذریعے ’’بالفور ڈیکلریشن‘‘ منظور کرایا‘ جس میں ان کو یہ حق دیا گیا کہ وہ فلسطین میں آ کر جائیداد بھی خرید سکتے ہیں اور آباد بھی ہو سکتے ہیں۔ اس ڈیکلریشن کی منظوری کے ۳۱ برس بعد اسرائیل کی ریاست وجود میں آ گئی۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ یہودی دنیا بھر میں سیاست اور اقتدار پر چھائے ہوئے ہیں‘ تعداد میں ڈیڑھ کروڑ سے بھی کم ہونے کے باوجود اس وقت دنیا کی معیشت کا بڑا حصہ ان کے کنٹرول میں ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ سب کچھ عیسائیوں کی پشت پناہی کی وجہ سے ہے۔ اگر عیسائی ان کی مدد نہ کریں تو عرب ایک دن میں ان کے ٹکڑے اڑا کر رکھ دیں۔ اِس وقت پوری امریکی حکومت ان کی پشت پر ہے‘ بلکہ White Anglo Saxon

Protestants یعنی امریکہ اور برطانیہ تو گویا ان کے زر خرید ہیں۔ دوسرے عیسائی ممالک بھی ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ بہر حال اب بھی صورت حال یہ ہے کہ اوپر تو عیسائی ہی ہیں اور یہ معنوی طور پر سازشی انداز میں نیچے سے انہیں کنٹرول کر رہے ہیں۔

﴿ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ فِیۡمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''پھر میری طرف ہی تم سب کا لوٹنا ہوگا اور میں فیصلہ کر دوں گا تمہارے مابین ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کر رہے تھے۔''

آیت ۵۶ ﴿فَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَاُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ۫﴾ ''تو وہ لوگ جو کفر کی روش اختیار کریں گے میں انہیں عذاب دوں گا بہت سخت عذاب دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

﴿وَ مَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''اور نہیں ہوں گے ان کے لیے کوئی مددگار۔''

آیت ۵۷ ﴿وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے''

﴿فَیُوَفِّیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ ؕ﴾ ''تو وہ ان کو ان کا پورا اجر دے گا۔''

دیکھئے یہاں پھر وفیّ یُوَفِّی آیا ہے۔ یعنی پورا پورا دے دینا۔

﴿وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۷﴾﴾ ''اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیت ۵۸ ﴿ذٰلِکَ نَتۡلُوۡہُ عَلَیۡکَ مِنَ الۡاٰیٰتِ وَ الذِّکۡرِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۵۸﴾﴾ ''یہ ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں آیاتِ الٰہیہ اور پُرحکمت یاد دہانی میں سے۔''

یہاں بھی گویا پس منظر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جو اللہ کی آیات اور ذکر حکیم نبی اکرم ﷺ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں۔

آیت ۵۹ ﴿اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ﴾ ''بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ کی سی ہے۔''

﴿خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۵۹﴾﴾ ''اُس کو مٹی سے بنایا' پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔''

قرآن مجید کی یہ آیت ان لوگوں کے حق میں دلیل ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی خصوصی تخلیق (special creation) کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک حضرت آدمؑ کا چناؤ ارتقاء (evolution) کے نتیجے میں کسی نوع (species) کے وجود میں آنے کے بعد اس کے ایک فرد کی حیثیت سے نہیں ہوا' بلکہ آپؑ براہِ راست مٹی سے تخلیق کیے گئے۔ تخلیق آدمؑ کے ضمن میں یہ دونوں نظریے ملتے ہیں اور دونوں کے بارے میں دلائل بھی موجود ہیں۔ ابھی یہ کوئی طے شدہ حقائق نہیں ہیں۔ ہم غور و فکر کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید کے کس مقام پر کس نظریے کے لیے کوئی تائید یا توثیق ملتی ہے۔ یہاں فرمایا کہ ''اللہ کے نزدیک تو عیسیٰؑ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے آدمؑ کی۔ اسے مٹی سے بنایا اور کہا ہو جا تو وہ ہو گیا''۔ تو اب اگر آدمؑ کا معاملہ خصوصی تخلیق کا ہے کہ بغیر باپ کے

اور بغیر ماں کے پیدا ہو گئے تو کیا وہ ''الٰہ'' بن گئے؟ ان کا خالق تو اللہ ہے۔ اسی طرح حضرت عیسٰیؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو خدا کیسے بن گئے؟ ان کی والدہ کو حمل ہوا' نو مہینے ماں کے پیٹ میں رہے' پھر ان کی پیدائش ہوئی۔ تو تخلیق میں ان کا معاملہ اعجاز کے اعتبار سے حضرت آدمؑ سے تو کم ہی رہا ہے۔ اور اس سے کم تر معاملہ حضرت یحیٰیؑ کا ہے کہ انتہائی بڑھاپے کو پہنچے ہوئے حضرت زکریاؑ اور ان کی اہلیہ جو ساری عمر بانجھ رہیں' اللہ نے ان کو اولاد دے دی۔ تو یہ سارے معجزات ہیں' اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔ اس میں کسی کی الوہیت کی دلیل نہیں نکلتی۔

آیت ۶۰ ﴿اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ۝۶۰﴾ ''یہ حق ہے آپؐ کے ربّ کی طرف سے' تو ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں میں سے۔''

یعنی حضرت مسیحؑ کے بارے میں اصل حقیقت یہی ہے جو قرآن نے واضح کر دی ہے' باقی سب نصاریٰ کی افسانہ طرازی ہے۔ اور یہ جو فرمایا: ﴿فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ۝۶۰﴾ اس میں خطاب بظاہر رسول اللہ ﷺ سے ہے مگر روئے سخن مخاطبین سے ہے۔

آیت ۶۱ ﴿فَمَنۡ حَآجَّكَ فِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ) جو بھی اس معاملے میں آپؐ سے حجت بازی کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح علم آ چکا ہے''

آپؐ کے پاس تو ''العلم'' آ چکا ہے' آپؐ جو بات کہہ رہے ہیں علیٰ وجہ البصیرۃ کہہ رہے ہیں۔ اس ساری وضاحت کے بعد بھی اگر نصاریٰ آپؐ سے حجت بازی کریں اور بحث و مناظرہ سے کنارہ کش ہونے کو تیار نہ ہوں تو ان کو آخری چیلنج دے دیجیے کہ وہ آپؐ کے ساتھ ''مباہلہ'' کر لیں۔ نجران سے نصاریٰ کا ۷۰ افراد پر مشتمل جو وفد ابو حارثہ اور ابن علقمہ جیسے بڑے بڑے پادریوں کی سرکردگی میں مدینہ آیا تھا' اس سے دعوت و تبلیغ اور تذکیرو تفہیم کا معاملہ کئی دن تک چلتا رہا۔ یہاں دراصل اس وفد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ لوگ اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہیں ہوتے تو انہیں مباہلے کی دعوت دے دیجیے۔

﴿فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ﴾ ''پس آپ ان سے کہہ دیجیے کہ آؤ' ہم بلاتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلاؤ اپنے بیٹوں کو''

﴿وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمۡ﴾ ''اور ہم (بلا لیتے ہیں) اپنی عورتوں کو اور تم (بلاؤ) اپنی عورتوں کو''

﴿وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَكُمۡ﴾ ''اور ہم بھی آ جاتے ہیں اور تم بھی آ جاؤ!''

﴿ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِیۡنَ ۝۶۱﴾ ''پھر ہم سب مل کر دعا کریں اور لعنت کریں اللہ کی اُن پر کہ جو جھوٹے ہیں۔''

ہم سب جمع ہو کر اللہ سے گڑگڑا کر دعا کریں اور کہیں کہ اے اللہ! جو ہم میں سے جھوٹا ہو اُس پر لعنت کر دے۔ یہ مباہلہ ہے۔ اور مباہلے کی دعوت اس وقت دی جاتی ہے جبکہ احقاقِ حق ہو چکے' بات پوری طرح واضح کر دی جائے۔ آپ کو یقین ہو جائے کہ میرا مخاطب بات پوری طرح سمجھ گیا ہے اور اب صرف ضد پر اڑا ہوا

ہے۔ ایسی صورت حال میں یہ مباہلہ آخری تدبیر ہوتی ہے تاکہ حق کا حق ہونا ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ اگر تو مخالف کو اپنے موقف کی صداقت کا یقین ہوگا تو وہ مباہلہ کا چیلنج قبول کر لے گا' اور اگر اس کے دل میں چور ہے اور وہ جانتا ہے کہ حق بات تو یہی ہے جو واضح ہو چکی ہے تو پھر وہ مباہلہ سے راہِ فرار اختیار کرے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ مباہلہ کی دعوت سن کر وفد نجران نے مہلت مانگی کہ ہم مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ مجلس مشاورت میں ان کے بڑوں نے ہوش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے کہا: ''اے گروہِ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمد (ﷺ) نبی مرسل ہیں اور حضرت مسیحؑ کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسماعیل میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں۔ پس ایک نبی سے مباہلہ وملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہی نکل سکتا ہے کہ ان کا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذابِ الٰہی سے نہ بچے اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو جائیں' کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں۔ چنانچہ انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔

آیت ۶۲ ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ﴾ ''یقیناً یہی بالکل صحیح سرگزشت ہے۔''

﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ﴾ ''اور نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا۔''

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶۲﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہی زبردست اور کمالِ حکمت والا ہے۔''

آیت ۶۳ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝۶۳﴾ ''پھر اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے مفسدوں کو۔''

یہاں آ کر اس سورۂ مبارکہ کے نصف اول کا پہلا اور دوسرا حصہ مکمل ہو گیا' جو ۳۲+۳۱=۶۳ آیات پر مشتمل ہے۔

آیات ۶۴ تا ۷۱

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۶۴ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۵ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۶ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۶۷ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۸

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ع ۸ ۱۵

سورۂ آل عمران کے نصف اوّل کا تیسرا حصہ ۳۸ آیات (۶۴ تا ۱۰۱) پر مشتمل ہے اور یہ سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل کے تیسرے حصے (رکوع ۱۵ تا ۱۸) سے بہت مشابہ ہے۔ سورۃ البقرۃ کے اس حصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بیت اللہ کا ذکر ہے' اہلِ کتاب کو ایمان کی دعوت دی گئی ہے اور تحویلِ قبلہ کا حکم ہے۔ کم وبیش یہی مضامین اس سورت کے اس حصے میں ملتے ہیں۔

آیت ۶۴ ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ ''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان بالکل برابر ہے''

یہاں ''اہل کتاب'' کے صیغۂ خطاب میں یہود و نصاریٰ دونوں کو جمع کر لیا گیا ہے' جبکہ سورۃ البقرۃ میں ''يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ'' کے صیغۂ خطاب میں زیادہ تر گفتگو یہود سے تھی۔ گزشتہ آیات میں ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ تھا اور اس حوالے سے گویا صرف نصرانیوں سے خطاب تھا' اب زیر مطالعہ آیات میں اہلِ کتاب دونوں کے دونوں مخاطب ہیں کہ ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین یکساں مشترک اور متفق علیہ ہے۔ وہ کیا ہے؟

﴿اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ ''کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں''

﴿وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا﴾ ''اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں''

﴿وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب ٹھہرائے۔''

یہود و نصاریٰ نے اپنے اَحبار و رُہبان کا یہ اختیار تسلیم کر لیا تھا کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دے دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام ٹھہرا دیں۔ یہ گویا ان کو ربّ مان لینے کے مترادف تھا۔ جیسا کہ سورۃ التوبۃ میں فرمایا گیا: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ......﴾ (آیت ۳۱) ''انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو رب بنا لیا اللہ کے سوا......'' مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو پہلے عیسائی تھے) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قرآن اہل کتاب کے بارے میں کہتا ہے: ''انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اللہ کے سوا اپنا ربّ بنا لیا''۔ حالانکہ ہم نے تو انہیں رب کا درجہ نہیں دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَمَا اِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ اِذَا اَحَلُّوْا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوْهُ وَاِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ

شَيْئًا حَرَّمُوْهُ)) (۱)

''وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے' لیکن جب وہ ان کے لیے کسی شے کو حلال قرار دیتے تو وہ اسے حلال مان لیتے اور جب وہ کسی شے کو حرام قرار دیتے تو وہ اسے حرام مان لیتے۔''

ظاہر ہے حلت وحرمت کا اختیار صرف اللہ کا ہے' جو کوئی اس حق کو اختیار کرتا ہے وہ گویا رب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ چنانچہ آج شریعت کے خلاف جہاں کہیں بھی قانون سازی کی جارہی ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے ان لوگوں کی جانب سے خدائی کا دعویٰ ہے جو ان قانون ساز اداروں میں بیٹھے ہوئے ہیں' اور جو وہاں پہنچنے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں اور اس کے لیے کروڑوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اگر تو پہلے سے یہ طے ہو جائے کہ کوئی قانون سازی کتاب وسنت کے منافی نہیں ہو سکتی تو پھر آپ جائیے اور وہاں جا کر قرآن وسنت کے دائرے کے اندر اندر قانون سازی کیجیے۔ لیکن اگر یہ تحدید نہیں ہے اور محض اکثریت کی بنیاد پر قانون سازی ہو رہی ہے تو یہ شرک ہے۔

بہر حال اس آیت میں یہود ونصاریٰ کو واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک عقیدہ ہے۔ اس طرح انہیں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ موازنہ کریں کہ اس قدرِ مشترک کے معیار پر اسلام پورا اترتا ہے یا یہودیت اور نصرانیت؟

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾﴾ ''پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو (اے مسلمانو!) تم کہو آپ لوگ گواہ رہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں۔''

ہم نے تو اللہ کی اطاعت قبول کر لی ہے اور ہم متذکرہ بالا تینوں باتوں پر قائم رہیں گے۔ آپ کو اگر یہ پسند نہیں تو آپ کی مرضی!

آیت ۶۵ ﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ﴾ ''اے کتاب والو! تم ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل نہیں نازل کی گئیں مگر اُس کے بعد؟''

یہ بات تم بھی جانتے اور مانتے ہو کہ تورات بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی اور انجیل بھی۔ یعنی یہودیت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کی پیداوار ہے اور نصرانیت بھی۔ چنانچہ تم لوگوں کو اس میں شک نہیں ہونا چاہیے کہ ابراہیمؑ مسلمان تھے' اللہ کے فرماں بردار تھے' اور وہ یہودی یا نصرانی نہیں تھے!

﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٥﴾﴾ ''تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

آیت ۶۶ ﴿هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ ''دیکھو تم لوگ اب تک جو بھی بحث مباحثہ کرتے رہے ہو وہ ان چیزوں کے بارے میں ہے جن کا تمہیں کچھ علم ہے''

﴿فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ﴾ ''تو اب تم ایسی چیزوں کے ضمن میں حجت بازی کیوں کرتے ہو جن کے بارے میں تمہارے پاس کچھ بھی علم نہیں؟''

---

(۱) سنن الترمذی' کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ' باب ومن سورۃ التوبۃ

ان چیزوں کے بارے میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں‘ کوئی علمی بنیاد نہیں۔

﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۶﴾ ”اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

آیت ۶۷ ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا﴾ ”(تمہیں بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ) ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی“

﴿وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ؕ﴾ ”بلکہ وہ تو بالکل یکسو ہو کر اللہ کے فرماں بردار تھے۔“

﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝۶۷﴾ ”اور نہ وہ مشرکوں میں سے تھے۔“

نزولِ قرآن کے وقت عربوں کے تینوں اہم گروہ‘ یعنی مشرکین عرب‘ یہودی اور نصرانی‘ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب کرتے تھے۔ مشرکینِ عرب حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے ہونے کی نسبت سے کہتے تھے کہ ہمارا رشتہ ابراہیمؑ سے ہے۔ اسی طرح یہودی اور نصرانی بھی ملتِ ابراہیمیؑ ہونے کے دعوے دار تھے۔ لیکن قرآن نے دوٹوک انداز میں فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے‘ نہ نصرانی تھے اور نہ ہی مشرکین میں سے تھے‘ بلکہ وہ مسلمان تھے۔

آیت ۶۸ ﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ﴾ ”یقیناً ابراہیمؑ سے سب سے زیادہ قربت رکھنے والے لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے اُن کی پیروی کی“

﴿وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ﴾ ”اور اب یہ نبی (حضرت محمد ﷺ) اور جو اُن پر ایمان لائے (اس نسبت کے زیادہ حقدار ہیں)۔“

﴿وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۶۸﴾ ”اور اللہ ان مومنوں کا ساتھی ہے۔“

وہ اہلِ ایمان کا حامی و مددگار ہے‘ پشت پناہ ہے‘ حمایتی ہے۔

آیت ۶۹ ﴿وَدَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَكُمْ ؕ﴾ ”اہل کتاب کا ایک گروہ آرزومند ہے کہ (اے مسلمانو!) تمہیں کسی طرح گمراہ کر دیں۔“

﴿وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝۶۹﴾ ”اور وہ نہیں گمراہ کر سکیں گے مگر اپنے آپ کو‘ لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔“

آیت ۷۰ ﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝۷۰﴾ ”اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہو جبکہ تم خود گواہ ہو؟“

تم قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ کی حقانیت کے قائل ہو‘ ان کو پہچان چکے ہو‘ دل میں جان چکے ہو!

آیت ۷۱ ﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۷۱﴾ ”اے اہلِ کتاب! تم کیوں حق کے اوپر باطل کا ملمع چڑھاتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو جانتے بوجھتے؟“

سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع میں یہ مضمون بایں الفاظ آیا تھا: ﴿وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوا الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۲﴾﴾ ”اور نہ گڈمڈ کرو حق کے ساتھ باطل کو اور نہ چھپاؤ حق کو درانحالیکہ تم جانتے ہو۔“

”یٰۤـاَهۡلَ الۡـكِتٰبِ“ کے صیغۂ خطاب کے ساتھ ان آیات میں اُسی طرح کا داعیانہ انداز ہے جو سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع میں ہے۔

آیات ۷۲ تا ۸۰

وَقَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ وَاكۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۚ ۝ وَلَا تُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّا لِمَنۡ تَبِعَ دِيۡنَكُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنۡ يُّؤۡتٰٓى اَحَدٌ مِّثۡلَ مَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ اَوۡ يُحَآجُّوۡكُمۡ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۚ ۝ يَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۝ وَمِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِقِنۡطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِدِيۡنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَيۡهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝ بَلٰى مَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَاَيۡمَانِهِمۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنۡظُرُ اِلَيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيۡهِمۡ ۖ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝ وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الۡكِتٰبِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّؤۡتِيَهُ اللّٰهُ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوۡلَ لِلنَّاسِ كُوۡنُوۡا عِبَادًا لِّىۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰـكِنۡ كُوۡنُوۡا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ الۡكِتٰبَ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَدۡرُسُوۡنَ ۙ ۝ وَلَا يَاۡمُرَكُمۡ اَنۡ تَتَّخِذُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرۡبَابًا ؕ اَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡكُفۡرِ بَعۡدَ اِذۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝ ع ۸ / ۱۶

آیت ۷۲ ﴿وَقَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ وَاكۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ﴾ ”اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ ان اہل ایمان پر جو چیز نازل کی گئی ہے اس پر ایمان لاؤ صبح کے وقت اور اس کا انکار کر دو دن کے آخر میں“

﴿لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۷۲﴾﴾ ”شاید (اس تدبیر سے) ان میں سے بھی کچھ پھر جائیں۔“

یہاں یہود کی ایک بہت بڑی سازش کا ذکر ہو رہا ہے جو اُن کے ایک گروہ نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی

دعوت کو ناکام بنانے کے لیے مسلمانوں کے خلاف تیار کی تھی۔ اس سازش کا پس منظر یہ تھا کہ دنیا کے سامنے یہ بات آ چکی تھی کہ جو کوئی ایک مرتبہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا تھا وہ واپس نہیں آتا تھا' چاہے اسے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا جاتا' بھوکا پیاسا رکھا جاتا' حتیٰ کہ جان سے مار دیا جاتا۔ اس طرح عوام الناس کے دلوں پر دھاک بیٹھ گئی تھی کہ اسلام کے اندر کوئی ایسی کشش' ایسی حقانیت اور ایسی مٹھاس ہے کہ آدمی ایک مرتبہ اسے قبول کر لینے کے بعد بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہو جاتا ہے' لیکن اس نظریے سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہوتا۔ اسلام کی اس ساکھ کو توڑنے کا طریقہ انہوں نے یہ سوچا کہ صبح کے وقت اعلان کرو کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ سارا دن محمد (ﷺ) کی صحبت میں رہو اور شام کو کہہ دو کہ ہم نے دیکھ لیا' یہاں کچھ بھی نہیں ہے' یہ دُور کے ڈھول سہانے والا معاملہ ہے' ہم تو اپنے عقیدے پر واپس جا رہے ہیں' ہمیں یہاں سے کچھ نہیں ملا۔ ممکن ہے اس سے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ یہ سمجھ جائیں کہ انہوں نے سازش کی ہے' لیکن یقیناً کچھ لوگ یہ بھی ضرور سمجھیں گے کہ بھئی یہ بڑے متقی لوگ تھے' متلاشیانِ حق تھے' بڑے جذبے اور بڑی شان کے ساتھ انہوں نے کلمہ پڑھا تھا اور ایمان قبول کیا تھا' پھر سارا دن رسول اللہ ﷺ کی محفل میں بھی بیٹھے رہے ہیں' آخر انہوں نے کچھ نہ کچھ تو دیکھا ہی ہو گا جو واپس پلٹ گئے ہیں۔ اس انداز سے عام لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنے کے لیے انہوں نے یہ منافقانہ سازش تیار کی۔ اسلام میں قتل مرتد کی سزا کا تعلق اسی سے جڑتا ہے۔ اسلامی ریاست میں اس طرح کی سازشوں کا راستہ روکنے کے لیے یہ سزا تجویز کی گئی ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد پھر کفر میں جائے گا تو قتل کر دیا جائے گا' کیونکہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی (ideological) ریاست ہے' ایمان اور اسلام ہی تو اس کی بنیادیں ہیں۔ چنانچہ اس کی بنیادوں کو کمزور کرنے اور اس کی جڑوں کو کھودنے والی جو چیز بھی ہو سکتی ہے اس کا سدِّباب پوری قوت سے کرنا چاہیے۔

آیت ۷۳ ﴿وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ﴾ ''اور دیکھو کسی کی بات نہ ماننا مگر اُسی کی جو تمہارے دین کی پیروی کرے۔''

یعنی اس سازشی گروہ کو یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر ہم جا کر چند گھنٹے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس گزاریں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم میں سے واقعی کسی کو انشراحِ صدر ہو جائے اور وہ دل سے ایمان لے آئے۔ لہٰذا وہ آپس میں طے کر کے گئے کہ دیکھو' ان پر ایمان نہیں لانا ہے' صرف ایمان کا اعلان کرنا ہے۔ قرآن مجید میں یہ شعوری نفاق کی مثال ہے۔ یعنی جو وقت انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان کرنے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ گزارا اس میں وہ قانوناً تو مسلمان تھے' اس دوران ان میں سے اگر کوئی مر جاتا تو اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی جاتی' لیکن خود انہیں معلوم تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ یہ شعوری نفاق ہے' جبکہ غیر شعوری نفاق یہ ہے کہ اندر ایمان ختم ہو چکا ہوتا ہے مگر انسان سمجھتا ہے کہ میں تو مؤمن ہوں' حالانکہ اس کا کردار اور عمل منافقانہ ہے اور اس کے اندر سے ایمان کی پونجی ختم ہو چکی ہے' جیسے دیمک کسی شہتیر کو چٹ کر جاتی ہے لیکن اس کے اوپر ایک پردہ (veneer) بہرحال برقرار رہتا ہے۔ شعوری نفاق اور غیر شعوری نفاق کے اس فرق کو سمجھ لینا چاہیے۔

﴿قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ﴾ ”(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اصل ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے“۔

آگے یہود کے سازشی ٹولے کے گزشتہ قول کا تسلسل ہے کہ دیکھو ایمان مت لانا!

﴿اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ﴾ ”مبادا کسی کو وہ شے دے دی جائے جو تمہیں دی گئی تھی“

یعنی یہ رسالت و نبوت اور مذہبی پیشوائی تو ہماری میراث تھی‘ ہم اگر ان پر ایمان لے آئیں گے تو وہ چیز ہم سے ان کو منتقل ہو جائے گی۔ لہٰذا ماننا تو ہرگز نہیں ہے‘ لیکن یہ کام ہمیں محض ان کی ہوا اکھیڑنے کے لیے کرنا ہے۔

﴿اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ﴾ ”یا وہ تمہارے خلاف حجت قائم کریں تمہارے پروردگار کے حضور۔“

﴿قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ﴾ ”کہہ دیجیے کہ فضل تو کُل کا کُل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

﴿يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ﴾ ”وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے دو ہزار برس تک تمہیں امتِ مسلمہ کے منصب پر فائز رکھا‘ اب تم اس منصب کے نااہل ثابت ہو چکے ہو‘ لہٰذا اب تمہیں معزول کر دیا گیا ہے‘ اور تمہاری جگہ ایک نئی اُمت (اُمتِ محمد ﷺ) کو اس مقام پر فائز کر دیا گیا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ”اور اللہ بہت وسعت والا اور جاننے والا ہے۔“

آیت ۷۴ ﴿يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ﴾ ”وہ مختص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتا ہے۔“

﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾ ”اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔“

اگلی آیت میں حکمتِ دعوت کے اعتبار سے بہت اہم نکتہ بیان ہوا ہے کہ بُرے سے بُرے گروہ کے اندر بھی کہیں نہ کہیں کوئی اچھے افراد لازماً موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے افراد کا تذکرہ بھی کرتا رہے تاکہ ان کے دلوں کے اندر نرمی پیدا ہو۔ اسی طرح فرد کا معاملہ ہے کہ بُرے سے بُرے آدمی کے اندر کوئی اچھائی بھی موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر آپ کسی کو حق کی دعوت دے رہے ہیں تو اس میں جو اچھائی ہے اس کا اعتراف کیجیے‘ تاکہ اسے معلوم ہو کہ آپ اس کے خیر خواہ ہیں‘ آپ اس کی اچھائی کو پسند کرتے ہیں اور صرف اس کی غلطی کی اصلاح چاہتے ہیں۔ اس طرح اس کے دل میں کشادگی پیدا ہوگی اور وہ آپ کی بات سننے پر آمادہ ہوگا۔ فرمایا:

آیت ۷۵ ﴿وَمِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ﴾ ”اور اہلِ کتاب میں سے ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس امانت رکھوا دو ڈھیروں مال تو وہ تمہیں پورا پورا واپس لوٹا دیں گے۔“

یعنی ان میں امانت دار لوگ بھی موجود ہیں۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ﴾ ''اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھوا دو تو وہ تمہیں واپس نہیں کریں گے''

﴿اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا﴾ ''مگر جب تک کہ تم اس کے سر پر کھڑے رہو۔''

اگر تم ایسے شخص کے سر پر سوار ہو جاؤ اور اس کو ادائیگی پر مجبور کر دو تب تو وہ تمہاری امانت تمہیں واپس کردے گا' ورنہ نہیں۔ اہل کتاب میں سے اکثر کا کردار تو ایسا ہی ہے' لیکن ان میں سے جو تھوڑے بہت دیانت دار تھے ان کی اچھائی کا ذکر بھی کر دیا گیا۔ بالفعل اس قسم کے کردار کے حامل لوگ اُس وقت عیسائیوں میں تو موجود تھے' جبکہ یہودیوں میں نہ ہونے کے برابر تھے' لیکن اس جملے میں ''اہل کتاب'' کے عنوان سے ان کا ذکر مشترک طور پر کر دیا گیا۔ البتہ آگے خاص طور پر یہود کا تذکرہ ہے کہ ان میں بد دیانتی' بے ایمانی اور خیانت کیوں آ گئی ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان اُمیّین کے معاملے میں ہم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔''

یہودیوں کا یہ عقیدہ تورات میں نہیں ہے' لیکن ان کی اصل مذہبی کتاب کا درجہ تورات کی بجائے ''تالمود'' کو حاصل ہے۔ یوں سمجھئے کہ تورات تو ان کے لیے ''اُمّ الکتاب'' ہے' جبکہ ان کی ساری شریعت' قوانین وضوابط اور عبادات کی ساری تفاصیل تالمود میں ہیں۔ اور تالمود میں یہ بات موجود ہے کہ ایک یہودی کے لیے دوسرے یہودی سے جھوٹ بولنا حرام ہے' لیکن کسی غیر یہودی سے جھوٹ بولنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اسی طرح ایک یہودی کے لیے کسی یہودی کا مال ہڑپ کرنا حرام اور ناجائز ہے' لیکن کسی غیر یہودی کا مال جس طرح چاہو' دھوکہ' فریب اور بد دیانتی سے ہڑپ کر و' سب جائز ہے' اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ ان کے نزدیک انسانیت کا شرف صرف یہودیوں کو حاصل ہے جبکہ غیر یہودی ان کے نزدیک انسان ہی نہیں۔ غیر یہودیوں کو وہ انسان نما حیوان (Goyims & Gentiles) سمجھتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ غیر یہودیوں سے ہر قسم کا فائدہ اٹھا لینا ان کا حق ہے' جیسا کہ گھوڑے کو تانگے اور بیل کو ہل کے اندر جوت لینا اس کے مالک کا حق ہے۔ یہودیوں کے اس فلسفے پر امریکہ میں ایک مووی بھی بنائی گئی ہے: "The Other Side of Israel" یہ دستاویزی فلم وہاں کے عیسائیوں نے بنائی ہے اور اس میں انہوں نے یہودیوں کی اپنی کتابوں کے حوالے سے ان کے نظریات کو واضح کیا ہے اور یہودیت کا اصل چہرہ دنیا کو دکھایا ہے۔ (اب اسی عنوان سے کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔)

﴿وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''اور وہ جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں (کہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی)۔''

آیت ۷۶ ﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ ''کیوں نہیں! جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے اپنے عہد کو پورا کرے گا اور تقویٰ کی روش اختیار کرے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ کو اہلِ تقویٰ پسند ہیں۔''

آیت ۷۷ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو فروخت کرتے ہیں حقیر سی قیمت پر''

یعنی جب وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ہماری بات میں کچھ شک کر رہے ہیں تو اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے آخرت میں''

﴿وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ﴾ ''اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا''

﴿وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ ''اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا قیامت کے دن''

﴿وَلَا یُزَكِّیْهِمْ﴾ ''اور نہ ان کو پاک کرے گا''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۷﴾﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

یہ مضمون بھی تقریباً پورا سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۴) میں آ چکا ہے۔

آیت ۷۸ ﴿وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ ''اور ان میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی زبان کو توڑتا مروڑتا ہے کتاب کو پڑھتے ہوئے' تاکہ تم سمجھو کہ (جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں) وہ کتاب میں سے ہے' حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا۔''

علماءِ یہود الفاظ کو ذرا سا اِدھر سے اُدھر مروڑ کر عبارت میں اپنی مرضی کے معنی پیدا کر لیتے تھے۔ ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ یہود سے کہا گیا ''حِطَّةٌ'' کہو تو وہ ''حِنْطَةٌ'' کہنے لگے۔ یعنی بجائے یہ دعا کرنے کے کہ ''اے اللہ ہمارے گناہ جھاڑ دے'' انہوں نے کہنا شروع کر دیا ''ہمیں گیہوں دے''۔ اسی طرح جب انہیں تلقین کی گئی کہ تم کہو: ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا'' (ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی) تو انہوں نے کہا: ''سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا'' (النساء: ۴۶) (ہم نے سنا اور ہم نے نہیں مانا)۔ بالکل ایسا ہی معاملہ وہ تورات کو پڑھتے ہوئے بھی کرتے تھے۔ اور فتویٰ پوچھنے والے سائل کو اس کی مرضی کا فتویٰ دے کر اس سے رقم بٹور لیتے۔

﴿وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے جبکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔''

ہم یہ مضمون سورۃ البقرۃ (آیت ۷۹) میں بھی پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾﴾ ''اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں جانتے بوجھتے۔''

آیت ۷۹ ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ ''کسی انسان کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب' حکمت اور نبوت عطا فرمائے''

﴿ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے

بندے بن جاؤ اللہ کو چھوڑ کر''

یہ اب نصرانیوں کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف عیسیٰؑ ابن مریم کو بھیجا' انہیں کتاب دی' حکمت دی' نبوت دی' معجزات دیے۔ تو اب یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت عیسیٰؑ ان سے کہتے کہ تم اللہ کے سوا مجھے اپنا معبود بنالو!

﴿وَلٰـكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾﴾ ''بلکہ (وہ تو یہی دعوت دے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ اس وجہ سے کہ تم لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور تم خود بھی اس کو پڑھتے ہو۔''

کتابِ الٰہی کی تعلیم و تعلّم کا یہی تقاضا ہے۔ دین کا سیکھنا' سکھانا' قرآن کا پڑھنا پڑھانا اور حدیث و فقہ کا درس و تدریس اس لیے ہونا چاہیے کہ لوگوں کو اللہ والے بنایا جائے' نہ یہ کہ اپنے بندے بنا کر اور ان سے نذرانے وصول کر کے ان کا استحصال کیا جائے۔

آیت ۸۰ ﴿وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ﴾ ''اور نہ کبھی وہ تمہیں اس بات کا حکم دے گا کہ تم فرشتوں کو اور انبیاء کو رب بنالو۔''

مشرکین مکہ نے فرشتوں کو ربّ بنایا اور ان کے نام پر لات' منات اور عزیٰ جیسی مورتیاں بنالیں' جبکہ نصاریٰ نے اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا رب بنالیا۔

﴿اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾﴾ ''تو کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا اس کے بعد کہ تم مسلم ہو چکے ہو؟''

اللہ کا وہ بندہ جسے اللہ نے کتاب' حکمت اور نبوت عطا کی ہو' کیا تمہیں کفر کا حکم دے سکتا ہے جبکہ تم فرمانبرداری اختیار کر چکے ہو؟

آیات ۸۱ تا ۹۱

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْھًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ

غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ
قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ
ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ
كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع ۱۷

آیت ۸۱ ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ﴾ ”اور یاد کرو جبکہ اللہ نے تمام انبیاء سے ایک عہد لیا تھا کہ“ ﴿لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ﴾ ”جو کچھ بھی میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں‘ پھر تمہارے پاس آئے کوئی اور رسول جو تصدیق کرتا ہوا اُس کی جو تمہارے پاس (پہلے سے) موجود ہے تو تمہیں لازماً اُس پر ایمان لانا ہوگا اور اُس کی مدد کرنی ہوگی۔“

انبیاء و رُسل کا یہ سلسلہ ایسے ہی چل رہا تھا کہ ہر نبی نے آئندہ آنے والے نبی کی پیشین گوئی کی اور اپنی اُمت کو اُس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی۔ اس لحاظ سے یہ آیت بھی ختم نبوت کے بارے میں بہت بڑی دلیل ہے۔ یعنی حضور ﷺ سے پہلے تو ہر نبی سے یہ عہد لیا گیا لیکن آپؐ سے ایسا کوئی عہد نہیں لیا گیا‘ اور نہ ہی آپؐ نے اپنی اُمت کو کسی بعد میں آنے والے نبی کی خبر دے کر اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی‘ بلکہ اس کے برعکس قرآن میں صراحت کے ساتھ آنحضور ﷺ کو خاتم النبیینؐ فرمایا گیا ہے اور متعدد احادیث میں آپ ﷺ نے بھی واضح فرما دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بشارت دے کر گئے تھے اور دیگر انبیاء کی کتابوں میں بھی ایسی بشارتیں موجود ہیں۔ انجیل برنباس کا تو کوئی صفحہ خالی نہیں ہے جس میں آنحضور ﷺ کی آمد کی بشارت نہ ہو‘ لیکن باقی انجیلوں میں سے یہ بشارتیں نکال دی گئی ہیں۔

﴿قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ﴾ ”اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا ہے اور اس پر میری ڈالی ہوئی ذمہ داری قبول کر لی ہے؟“

﴿قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ﴾ ”انہوں نے کہا ہاں ہم نے اقرار کیا۔“

انبیاء و رسلؑ سے یہ عہد عالم ارواح میں لیا گیا۔ جس طرح تمام ارواحِ انسانیہ سے ”عہدِ الست“ لیا گیا تھا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ﴾ (الاعراف: ۱۷۲) ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں!“ اسی طرح جنہیں نبوت سے سرفراز ہونا تھا ان کی ارواح سے اللہ تعالیٰ نے یہ اضافی عہد لیا کہ میں تمہیں

نبی بنا کر بھیجوں گا‘ تم اپنی اُمت کو یہ ہدایت کر کے جانا کہ تمہارے بعد جو نبی بھی آئے اُس پر ایمان لانا اور اس کی مدد اور نصرت کرنا۔

﴿قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۱﴾ ’’اللہ تعالیٰ نے کہا اچھا اب تم بھی گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔‘‘

آیت ۸۲ ﴿فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۸۲﴾ ’’تو جس نے بھی منہ موڑ لیا اس کے بعد تو یقیناً وہی لوگ سرکش (اور نا ہنجار) ہیں۔‘‘

آیت ۸۳ ﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ﴾ ’’تو کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں؟‘‘

﴿وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝۸۳﴾ ’’جبکہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہے‘ چاہے خوشی سے اور چاہے مجبوراً‘ اور اُسی کی طرف ان سب کو لوٹا دیا جائے گا۔‘‘

آیت ۸۴ ﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا﴾ ’’کہیے ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل کیا گیا ہم پر‘‘

یاد رہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۶ میں تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾ ’’اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراہیمؑ‘ اسماعیلؑ‘ اسحاقؑ‘ یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر‘‘

﴿وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠﴾ ’’اور جو بھی موسیٰؑ‘ عیسیٰؑ اور تمام انبیاءؑ کو دیا گیا ان کے ربّ کی طرف سے۔‘‘

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۸۴﴾ ’’ہم ان میں سے کسی ایک کے مابین بھی کوئی تفریق نہیں کرتے‘ اور ہم تو اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔‘‘

آیت ۸۵ ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ﴾ ’’اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو وہ اس کی جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا۔‘‘

﴿وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۸۵﴾ ’’اور پھر آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو کر رہے گا۔‘‘

آیت ۸۶ ﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ﴾ ’’کیسے ہدایت دے گا اللہ ان لوگوں کو جو ایمان کے بعد کافر ہو گئے؟‘‘

یعنی ان کے دل ایمان لے آئے تھے‘ ان پر حقیقت منکشف ہو گئی تھی‘ لیکن دُنیوی مصلحتیں آڑے آ گئیں اور زبان سے انکار کر دیا۔ جیسے سورۃ النمل میں ہم پڑھیں گے: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ﴾ (آیت ۱۴) ’’انہوں نے ظلم اور تکبر کے مارے ان معجزات کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل ان کے قائل

ہو چکے تھے''۔

﴿وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ﴾ ''اورانہوں نے گواہی دی کہ یہ رسول حق ہیں''

اہلِ کتاب جب آپس میں باتیں کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ واقعتاً نبی آخرالزمان (ﷺ) ہیں اور ہماری کتابوں میں بیان کردہ پیشنگوئیوں کا مصداق ہیں۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ علقمہ کے دو بیٹے ابوحارثہ اور کرز جب نجران سے مدینہ منورہ چلے آرہے تھے تو راستے میں کرز کے گھوڑے کو کہیں ٹھوکر لگی تو اس نے کہا: ''تَعِسَ الْاَبْعَدُ'' (ہلاک ہوجائے وہ دور والا یعنی جس کی طرف ہم جارہے ہیں)۔ اس کا اشارہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا۔ اس پر اس کے بڑے بھائی ابوحارثہ نے کہا ''بَلْ تَعِسَتْ اُمُّكَ'' (بلکہ تیری ماں ہلاک ہوجائے!) اس نے کہا میرے بھائی! تمہیں میری بات اس قدر بری کیوں لگی؟ ابوحارثہ نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً وہ وہی نبی اُمی ہیں جس کے ہم منتظر تھے۔ کرز نے کہا: جب آپ یہ سب جانتے ہیں تو ان پر ایمان کیوں نہیں لے آتے؟ ابوحارثہ کہنے لگا: ان بادشاہوں نے ہمیں بڑا مقام و مرتبہ عطا کررکھا ہے' اگر ہم ایمان لے آئے تو وہ ہم سے یہ سب کچھ چھین لیں گے۔ یہ لوگ سلطنتِ روما کے تحت تھے اور انہیں مصر کی حکومت کی طرف سے بڑی مراعات حاصل تھیں' انہیں مال و دولت اور عزت و وجاہت حاصل تھی۔ ابھی یہ لوگ محمدِ عربی ﷺ سے ملاقات کے لیے جارہے تھے تو یہ حال تھا' اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں کئی روز گزارنے کے بعد مباہلہ سے راہِ فرار اختیار کرکے واپس جاتے ہوئے انہیں کس قدر یقین حاصل ہوگیا ہوگا کہ یہی وہ نبی آخرالزمان ﷺ ہیں جن کے وہ منتظر تھے۔ اس آیت میں ان کی اسی کیفیت کا ذکر ہے کہ ان کے دل گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول برحق (ﷺ) ہیں۔

﴿وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ﴾ ''اور ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں بھی آچکی ہیں۔''

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۶﴾ ''اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیت ۸۷ ﴿اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۸۷﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔''

آیت ۸۸ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ﴾ ''اسی (لعنت) میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

﴿لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝۸۸﴾ ''ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کو کوئی مہلت ملے گی۔''

یہ الفاظ بھی سورۃ البقرۃ (آیات ۱۶۱۔۱۶۲) میں آچکے ہیں۔

آیت ۸۹ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ﴾ ''سوائے ان کے جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں''

یعنی سچے دل سے ایمان لا کر عمل صالح کی روش پر گامزن ہوجائیں۔

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ’’تو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا‘ رحم فرمانے والا ہے۔‘‘

توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہے۔

آیت ۹۰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا﴾ ’’بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد‘ پھر وہ اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے‘‘

یعنی حق کو پہچان لینے کے بعد‘ چاہے زبان سے مانا ہو یا نہ مانا ہو‘ پھر اگر وہ کفر کرتے ہیں یا زبان سے ماننے کے بعد مرتد ہو جاتے ہیں‘ اور پھر وہ اپنے کفر میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

﴿لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ﴾ ’’ان کی توبہ کبھی قبول نہیں ہو گی۔‘‘

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ﴾ ’’اور وہ تو یقیناً گمراہوں میں سے ہیں۔‘‘

آیت ۹۱ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے اسی حال میں کہ وہ کافر تھے‘‘

﴿فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ﴾ ’’تو ان میں سے کسی سے زمین کی مقدار کے برابر سونا بھی فدیے میں قبول نہیں کیا جائے گا اگر وہ پیش کر سکے۔‘‘

ظاہر ہے کہ یہ محال ہے‘ ناممکن ہے‘ لیکن یہ بات سمجھانے کے لیے کہ وہاں پر کوئی فدیہ نہیں ہے فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی زمین کے حجم کے برابر سونا دے کر بھی چھوٹنا چاہے گا تو نہیں چھوٹ سکے گا۔ یہ وہی بات ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۴۸ اور آیت ۱۲۳ میں فرمائی گئی کہ اُس دن کسی سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے دردناک عذاب ہے‘‘

﴿وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ ’’اور نہیں ہوں گے ان کے لیے کوئی مدد کرنے والے۔‘‘

آیات ۹۲ تا ۱۰۱

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ كُلُّ
الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَاۗءِيْلُ عَلٰي نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ
التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْھَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ
الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا
وَّھُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ڬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَي
النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ

الْعٰلَمِیْنَ۝ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا
تَعْمَلُوْنَ۝ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا
وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا
مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ۝ وَ كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى
عَلَیْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَ فِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَ مَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِیْمٍ۝ ع

آیت ۹۲ ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ﴾ ”تم ہرگز نہیں پہنچ سکتے نیکی کے مقام کو جب تک کہ خرچ نہ کرو اس میں سے جو تمہیں پسند ہے۔“

آیۂ البر (البقرۃ: ۱۷۷) کے ضمن میں اس آیت کا حوالہ بھی آیا تھا کہ نیکی کے مظاہر میں سب سے بڑی اور سب سے مقدم شے انسانی ہمدردی ہے اور انسانی ہمدردی میں اپناوہ مال خرچ کرنا مطلوب ہے جوخود اپنے آپ کو محبوب ہو۔ ایسا مال جو ردّی ہو‘ دل سے اُتر گیا ہو‘ بوسیدہ ہوگیا ہو‘ اگر وہ کسی کو دے کر سمجھا جائے کہ ہم نے حاتم طائی کی قبر پر لات ماردی ہے تو یہ بجائے خود حماقت ہے۔

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ۝﴾ ”اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے۔“

آیت ۹۳ ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ ”کھانے کی ساری چیزیں (جو شریعتِ محمدیؐ میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں“

﴿اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ﴾ ”سوائے اُن چیزوں کے جنہیں اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) نے حرام ٹھہرالیا تھا اپنی جان پر‘ اس سے پہلے کہ تورات نازل ہو۔“

یہودی شریعتِ محمدیؐ پر اعتراض کرتے تھے کہ اس میں بعض ایسی چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں جو شریعتِ موسویؑ میں حرام تھیں۔ مثلاً ان کے ہاں اونٹ کا گوشت حرام تھا‘ لیکن شریعتِ محمدیؐ میں یہ حرام نہیں ہے۔ اگر یہ بھی آسمانی شریعت ہے تو یہ تغیر کیسے ہوگیا؟ یہاں اس کی حقیقت بتائی جارہی ہے کہ تورات کے نزول سے قبل حضرت یعقوب علیہ السلام نے طبعی کراہت یا کسی مرض کے باعث بعض چیزیں اپنے لیے ممنوع قرار دے لی تھیں جن میں اونٹ کا گوشت بھی شامل تھا۔ جیسے نبی اکرم ﷺ نے اپنی دو ازواج کی دلجوئی کی خاطر شہد نہ کھانے کی قسم کھا لی تھی‘ جس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ﴾ (التحریم: ۱) ”اے نبی (ﷺ!) آپ کیوں حرام ٹھہرا رہے ہیں (اپنے اوپر) وہ شے جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے؟ آپ چاہتے ہیں اپنی بیویوں کی رضا جوئی!“ حضرت یعقوبؑ کی اولاد نے بعد میں ان چیزوں کو حرام سمجھ لیا‘ چنانچہ یہ چیزان کے ہاں رواج کے طور پر حرام چلی آرہی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان چیزوں

کی حرمت تورات میں نازل نہیں ہوئی۔ کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جو اسلام نے حلال کی ہیں وہ بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں' سوائے اُن چیزوں کے کہ جنہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی ذاتی ناپسند کے باعث اپنے اوپر حرام ٹھہرالیا تھا' اور یہ بات تورات کے نزول سے بہت پہلے کی ہے۔ اس لیے کہ حضرت یعقوبؑ میں اور نزولِ تورات میں چار پانچ سو سال کا فصل ہے۔

﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٣﴾ ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے لاؤ تورات اور اس کو پڑھو اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے ہو۔''

تورات کے اندر تو کہیں بھی اونٹ کے گوشت کی حرمت مذکور نہیں ہے۔

آیت ۹۴ ﴿ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٩٤﴾ ﴾ ''پس جو لوگ اس کے بعد بھی اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے رہیں تو یہی لوگ ظالم ہیں۔''

آیت ۹۵ ﴿ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ ﴾ ''کہہ دیجیے اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے''

﴿ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ ﴾ ''پس پیروی کرو ملّتِ ابراہیم کی جو یکسو تھے (یا یکسو ہو کر!)''

''حَنِیْفًا'' ابراہیم کا حال ہے۔ اگر اسے ''اِتَّبِعُوْا'' کا حال (بمعنی حَنِیْفِیْنَ) مانا جائے تو دوسرا ترجمہ یوں ہوگا کہ یکسو ہو کر' بعد کی تمام تقسیمات سے بلند تر ہو کر' ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کرو!

﴿ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٥﴾ ﴾ ''اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔''

آیت ۹۶ ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ ﴾ ''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا (اللہ کی عبادت کے لیے) وہی ہے جو مکّہ میں ہے''

''بَکَّۃ'' اور ''مَکَّۃ'' درحقیقت ایک ہی لفظ کے لیے دو تلفظ (pronunciations) ہیں۔

﴿ مُبٰرَكًا وَّھُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٦﴾ ﴾ ''برکت والا ہے اور ہدایت کا مرکز ہے تمام جہان والوں کے لیے۔''

آیت ۹۷ ﴿ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ڬ ﴾ ''اس میں بڑی واضح نشانیاں ہیں' جیسے مقامِ ابراہیمؑ۔''

سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل کے آخری چار رکوعوں (۱۵' ۱۶' ۱۷' ۱۸) میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا ذکر ہے' پھر باقی گفتگو ہے۔ یہاں سورۂ آل عمران کے نصفِ اوّل کے تیسرے حصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا تذکرہ آخر میں آیا ہے۔ گویا مضامین وہی ہیں' ترتیب بدل گئی ہے۔

﴿ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ ﴾ ''اور جو بھی اس میں داخل ہو جاتا ہے امن میں آ جاتا ہے۔''

جاہلیت کے بدترین دور میں بھی بیت اللہ امن کا گہوارہ تھا۔ پورے عرب کے اندر خونریزی ہوتی تھی' لیکن حرمِ کعبہ میں اگر کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ لیتا تھا تو اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔ حرم کی یہ روایات ہمیشہ سے رہی ہیں اور آج تک یہ اللہ کے فضل و کرم سے دار الامن ہے کہ وہاں پر امن ہی امن ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ﴾ ''اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ وہ حج کریں اُس کے گھر کا' جو بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے سفر کی۔''

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹۷﴾ ''اور جس نے کفر کیا تو (وہ جان لے کہ) اللہ بے نیاز ہے تمام جہان والوں سے۔''

نوٹ کیجیے کہ یہاں لفظ ''کَفَرَ'' آیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کوئی استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا وہ گویا کفر کرتا ہے۔

اگلی آیات میں اہل کتاب کو بڑے تیکھے اور جھنجوڑنے کے انداز میں مخاطب کیا جا رہا ہے' جیسے کسی پر نگاہیں گاڑ کر اس سے بات کی جائے۔

آیت ۹۸ ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ﴾ ''کہہ دیجیے اے اہلِ کتاب! تم کیوں اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہو؟''

﴿وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۸﴾ ''جبکہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۹۹ ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ﴾ ''کہہ دیجیے اے کتاب والو! تم کیوں روکتے ہو اللہ کے راستے سے اُس کو جو ایمان لے آتا ہے''

﴿تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ ''تم اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہو''

تم چاہتے ہو کہ جو اہل ایمان ہیں وہ بھی ٹیڑھے راستے پر چلیں۔ چنانچہ تم سازشیں کرتے ہو کہ صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ تاکہ اہلِ ایمان کے دلوں میں بھی وسوسے اور دغدغے پیدا ہو جائیں۔

﴿وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ﴾ ''حالانکہ تم خود گواہ ہو!''

تم راہِ راست کو پہچانتے ہو اور جو کچھ کر رہے ہو جانتے بوجھتے کر رہے ہو۔

﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۹﴾ ''اور اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو تم کر رہے ہو۔''

لیکن ان تمام سازشوں کے جواب میں اہل ایمان سے فرمایا گیا ہے:

آیت ۱۰۰ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝۱۰۰﴾ ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان اہل کتاب کے کسی گروہ کی بات مان لو گے تو یہ تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی حالت میں لوٹا کر لے جائیں گے۔''

آیت ۱۰۱ ﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ﴾ ''اور (ذرا سوچو تو سہی) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم پھر کفر کرنے لگو جبکہ تمہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے اندر اُس کا رسول موجود ہے۔''

تمہارے درمیان جناب محمد رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس تمہاری راہنمائی کے لیے موجود ہیں اور تمہیں اللہ

تعالیٰ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مدینہ میں علماءِ یہود کا کتنا اثر تھا۔ اوس اور خزرج کے لوگ ان سے مرعوب تھے کیونکہ یہ اَن پڑھ لوگ تھے‘ ان کے پاس کوئی کتاب‘ کوئی شریعت اور کوئی قانون نہیں تھا‘ جبکہ یہود صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت تھے‘ ان کے ہاں علماء تھے۔ لہٰذا اوس اور خزرج کے جو لوگ اسلام لے آئے تھے ان کے بارے میں اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں یہود کی ریشہ دوانیوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس قسم کے خطرے سے بچنے کی تدبیر بھی بتا دی گئی:

﴿وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾﴾ ’’اور جو کوئی اللہ سے چمٹ جائے اُس کو تو ہدایت ہو گئی صراطِ مستقیم کی طرف۔‘‘

جو کوئی اللہ کی پناہ میں آ جائے‘ اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لے اُسے تو ضرور صراطِ مستقیم کی ہدایت ملے گی اور وہ ضلالت و گمراہی کے خطرات سے محفوظ ہو جائے گا۔ جیسے شیر خوار بچے کو کوئی خطرہ محسوس ہو تو وہ دوڑ کر آئے گا اور اپنی ماں کے ساتھ چمٹ جائے گا۔ اب وہ یہ سمجھے گا کہ میں مضبوط قلعہ میں آ گیا ہوں‘ اب مجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ نہیں جانتا کہ ماں بے چاری تمام خطرات سے اس کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ اسے کیا پتا کہ کب کوئی درندہ صفت انسان اسے ماں کی گود سے کھینچ کر اُچھالے اور کسی بلم یا نیزے کی اَنی میں پرو دے۔ بہرحال بچہ تو یہی سمجھتا ہے کہ اب میں ماں کی گود میں آ گیا ہوں تو محفوظ پناہ میں آ گیا ہوں۔ بہرحال اللہ کا دامن واقعتاً محفوظ پناہ گاہ ہے‘ اور جو کوئی اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے وہ گمراہی کی ٹھوکروں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جادۂ مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! آمِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ!!

آیات ۱۰۲ تا ۱۰۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰٓىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع ۱۱

اب سورۂ آل عمران کا نصفِ ثانی شروع ہو رہا ہے‘ جس کا پہلا حصہ دو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ آپ نے یہ مشابہت بھی نوٹ کر لی ہوگی کہ سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل میں بھی ایک مرتبہ ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ سے خطاب تھا: ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا وَاسۡمَعُوۡا ؕ﴾ اسی طرح سورۂ آل عمران کے نصفِ اوّل میں بھی ایک آیت آ چکی ہے: ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوۡا فَرِیۡقًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ یَرُدُّوۡکُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ کٰفِرِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ لیکن مسلمانوں سے اصل خطاب گیارہویں رکوع سے شروع ہو رہا ہے اور یہاں پر اصل میں اُمت کو ایک سہ نکاتی لائحہ عمل دیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اُمت اب قیامت تک قائم رہنے والی ہے۔ قیامت تک اس نے ہر طرح کے نشیب و فراز سے گزرنا ہے۔ اس میں زوال بھی آئے گا اور اللہ تعالیٰ اولوالعزم اور باہمت لوگوں کو بھی پیدا کرے گا‘ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ مجددینِ اُمت ہر صدی کے اندر اٹھتے رہے۔ لیکن جب بھی تجدید دین کا کوئی کام ہو‘ دین کو از سرِ نو تر و تازہ کرنے کی کوشش ہو‘ دین کو قائم کرنے کی جدوجہد ہو تو اُس کا ایک لائحہ عمل ہوگا۔ وہ لائحہ عمل سورۂ آل عمران کی ان تین آیات (۱۰۲‘۱۰۳‘۱۰۴) میں نہایت جامعیت کے ساتھ بتا دیا گیا ہے۔ یہ حسنِ اتفاق ہے کہ ایسی ہی تین جامع آیات سورۃ العصر کی بھی ہیں۔ ان آیات کے مضامین پر میری ایک کتاب بھی موجود ہے ”اُمتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل“ اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس لائحہ عمل کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی کام کرنا ہے تو سب سے پہلے افراد کی شخصیت سازی‘ کردار سازی کرنا ہوگی۔ چنانچہ فرمایا:

آیت ۱۰۲ ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾ ”اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اُس کے تقویٰ کا حق ہے“

﴿وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ ”اور تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر فرمانبرداری کی حالت میں۔“

قرآن مجید میں تقویٰ کی تلقین کے لیے یہ سب سے گاڑھی آیت ہے۔ اس پر صحابہؓ گھبرا گئے کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کے تقویٰ کا حق کون ادا کر سکتا ہے؟ پھر جب سورۃ التغابن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ﴾ (آیت ۱۶) ”اپنی امکانی حد تک اللہ کا تقویٰ اختیار کرو“ تب ان کی جان میں جان آئی۔ تقویٰ کے حکم کے ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ”مت مرنا مگر حالت فرمانبرداری میں“۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی پتا نہیں کس لمحے موت آ جائے‘ لہٰذا تمہارا کوئی لمحہ نافرمانی میں نہ گزرنے پائے‘ مبادا موت کا ہاتھ اُسی وقت آ کر تمہیں دبوچ لے۔ واضح رہے کہ اگر پہلے اس طرح کی شخصیتیں نہ بنی ہوں تو اجتماعی اصلاح کا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے پہلے مرحلے کے طور پر یہاں افراد کی کردار سازی پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ایک اجتماعیت اختیار کرو۔

آیت ۱۰۳ ﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۪﴾ ”اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو مل جل

کراور تفرقے میں نہ پڑو۔''

یاد رہے کہ اس سے پہلے آیت ۱۰۱ ان الفاظ پر ختم ہوئی ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۰۱﴾ ''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے چمٹ جائے (اللہ کی حفاظت میں آ جائے) اُس کو تو ہدایت ہو گئی صراطِ مستقیم کی طرف''۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ﴾ ''اور اللہ سے چمٹ جاؤ!'' اب غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اللہ کی حفاظت میں کیسے آیا جائے؟ اور یہ کہ اللہ سے چمٹنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت ان الفاظ میں ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ﴾ کہ اللہ کی رسی سے چمٹ جاؤ' اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور یہ اللہ کی رسّی کون سی ہے؟ متعدد احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ''قرآن'' ہے۔ یعنی اللہ کے قرب کے لیے ضروری ہے کہ ایک طرف انسان میں تقویٰ پیدا ہو' اور دوسری طرف قرآن کے نظریات اور قرآن کی حکمت کا فہم۔ ظاہر ہے انسانوں میں اجتماعیت جانوروں کے گلوں کی طرح نہیں ہو سکتی کہ بھیڑ بکریوں کا ایک بڑا ریوڑ ہے اور ایک چرواہا ایک لکڑی لے کر سب کو ہانک رہا ہے۔ انسانوں کو جمع کرنا ہے تو ان کے ذہن ایک جیسے بنانے ہوں گے' ان کی سوچ ایک بنانی ہوگی۔ انسان حیوانِ عاقل ہے' شعور رکھتا ہے۔ چنانچہ مختلف انسانوں کی اجتماعیت تبھی ممکن ہے جب ان کی سوچ ایک ہو' ان کے نظریات اور مقاصد ایک ہوں۔ اس کے لیے وہ چیز چاہیے جو اُن میں یک رنگیٔ خیال' یک رنگیٔ نظر اور مقاصد کی ہم آہنگی پیدا کر دے' اور وہ چیز قرآن ہے' جو ''حبلُ اللہ'' ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں قرآن حکیم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ((وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ))(۱) ''اور وہ اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((كِتَابُ اللّٰهِ، حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ))(۲) ''اللہ کی کتاب (کو تھامے رکھنا)' یہی وہ مضبوط رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے''۔ ایک اور موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَبْشِرُوْا اَبْشِرُوْا ...... فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ سَبَبٌ، طَرَفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ))(۳) ''خوش ہو جاؤ' خوشیاں مناؤ...... یہ قرآن ایک واسطہ ہے' جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ہے''۔ چنانچہ قرآن تقرب الی اللہ کا وسیلہ بھی ہے' اور مسلمانوں کو آپس میں جوڑ کر رکھنے کا ذریعہ بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری (تنظیم اسلامی کی) دعوت و تحریک کی فکر کا منبع و سرچشمہ اور مبنیٰ و مدار قرآن ہے' بلکہ ہماری دعوت کا تو عنوان ہی ''دعوت رجوع الی القرآن'' ہے۔ میں نے اپنی پوری زندگی الحمدللہ اسی کام میں کھپائی ہے اور اسی کے ذریعہ سے انجمن ہائے خدام القرآن اور قرآن اکیڈمیز کا سلسلہ قائم ہوا۔ ان اکیڈمیز میں ''ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس'' برسہا برس سے جاری ہے۔ اس کورس میں جدید

---

(۱) سنن الترمذی' ابواب فضائل القرآن عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء فی فضل القرآن۔

(۲) سنن الترمذی' ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ' باب مناقب اھل بیت النبی ﷺ۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ' کتاب فضائل القرآن' باب فی التمسك بالقرآن۔

تعلیم یافتہ لوگ داخلہ لیتے ہیں' جو ایم اے/ایم ایس سی ہوتے ہیں' بعض پی ایچ ڈی کر چکے ہوتے ہیں' ڈاکٹر اور انجینئر بھی آتے ہیں۔ اس کورس میں ایک سال لگا کر یہ لوگ بنیادی طور پر عربی سیکھتے ہیں تاکہ قرآن کو سمجھ سکیں۔ ظاہر ہے جب قرآن مجید کے ساتھ آپ کی وابستگی ہوگی تو تبھی آپ دین کے درست رُخ پر آگے چل سکیں گے۔ تو ان آیات میں دوسرا نکتہ یہ بتایا گیا کہ اللہ کی رسی کو مل جل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً﴾ "اور ذرا یاد کرو اللہ کا جو انعام تم پر ہوا جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے"

﴿فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ﴾ "تو اللہ نے تمہارے دلوں کے اندر اُلفت پیدا کر دی"

﴿فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ﴾ "پس تم اللہ کے فضل و کرم سے بھائی بھائی بن گئے۔"

یہاں اوّلین مخاطب انصار ہیں۔ ان کے جو دو قبیلے تھے اوس اور خزرج وہ آپس میں لڑتے آ رہے تھے۔ سو برس سے خاندانی دشمنیاں چلی آ رہی تھیں اور قتل کے بعد قتل کا سلسلہ جاری تھا۔ لیکن جب اسلام آ گیا' اللہ کی کتاب آ گئی' محمد رسول اللہ ﷺ آ گئے اور دلوں میں ایمان آ گیا تو اب وہ شیر و شکر ہو گئے' ان کے جھگڑے ختم ہو گئے۔ اسی طرح اسلام کی وجہ سے پورے عرب کے اندر غارت گری کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اللہ نے اسے دار الامن بنا دیا۔

﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ "اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے" (بس اس میں گرنے ہی والے تھے)

﴿فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ﴾ "تو اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔"

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾﴾ "اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات واضح کر رہا ہے تاکہ تم راہ پاؤ (اور صحیح راہ پر قائم رہو)۔"

گزشتہ دو آیات میں اُمتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل کے دو نکتے بیان ہوئے ہیں' یعنی سب سے پہلے افراد کے کردار کی تعمیر کرنا' انہیں تقویٰ اور فرمانبرداری جیسے اوصاف سے متصف کرنا — اور پھر ان کو ایک جمعیت' تنظیم یا جماعت کی صورت میں قرآن کے معنوی محور کے گرد منظم کرنا' جو حبل اللہ ہے۔ بقول علامہ اقبال:

ع اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست! (اس کو مضبوطی سے تھامو کہ یہی حبل اللہ ہے!) ایسی جماعت سازی کا فطری طریقہ ہم اسی سورت کی آیت ۵۲ کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ داعی بن کر کھڑا ہو اور ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ کی آواز لگائے کہ میں تو اللہ کے راستے پر چل رہا ہوں' اب کون ہے جو میرے ساتھ اس راستے پر آتا ہے اور اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنتا ہے؟ ایسی جمعیت جب وجود میں آئے گی تو وہ کیا کرے گی؟ اس ضمن میں راہنمائی اگلی آیت میں فراہم کی گئی ہے:

آیت ۱۰۴ ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ ﴾ ''اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے' نیکی کا حکم دیتی رہے اور بدی سے روکتی رہے۔''

اس آیت میں اس جماعت کے کرنے کے تین کام بتائے گئے ہیں' جن میں اوّلین دعوت الی الخیر ہے' اور اس ضمن میں یہ نکتہ واضح رہے کہ سب سے بڑا خیر خود یہ قرآن ہے۔

یہاں لفظ '' مِنْكُمْ '' بڑا معنی خیز ہے کہ تم میں سے ایک ایسی اُمت وجود میں آنی چاہیے۔ گویا ایک تو بڑی اُمت ہے اُمتِ مسلمہ' وہ تو کروڑوں نفوس پر مشتمل ہے' ان میں سے اکثر خوابِ غفلت میں مدہوش ہیں' اپنے منصب کو بھولے ہوئے ہیں اور دین سے دور ہیں۔ لہٰذا اس اُمت کے اندر ایک چھوٹی اُمت یعنی ایک جماعت وجود میں آئے جو '' جاگو اور جگاؤ '' کا فریضہ سرانجام دے۔ یعنی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے جاگنے کی توفیق دے دی ہے' وہ اب اوروں کو جگائیں' ایک منظم جماعت بنائیں اور غلبہ دین کی تحریک کے لیے طاقت فراہم کریں۔

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾﴾ ''اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

یعنی وہ بڑی اُمت جو کروڑوں افراد پر مشتمل ہے وہ اگر یہ کام نہیں کرتی اور اس کے باوجود فلاح اور نجات کی اُمید رکھتی ہے تو یہ ایک اُمیدِ موہوم ہے۔ فلاح پانے والے صرف یہ لوگ ہوں گے جو یہ تین کام کریں گے: (i) دعوت الی الخیر (ii) امر بالمعروف (iii) نہی عن المنکر۔ میں نے '' منہجِ انقلاب نبویؐ '' کے مراحل و مدارج کے ضمن میں بھی یہ بات واضح کی ہے کہ اسلامی انقلاب کے لیے آخری اقدام بھی '' نہی عن المنکر بالید '' کی صورت میں ہوگا۔ اس کی سند اس حدیث سے ملتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے نہی عن المنکر کے تین مراتب بیان فرمائے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ' فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ' فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ' وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ))(۱)

''تم میں سے جو کوئی کسی منکر کو دیکھے اس کا فرض ہے کہ اسے زور بازو سے روک دے۔ پس اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے روکے۔ پھر اگر اس کی بھی ہمت نہیں ہے تو دل میں برائی سے نفرت ضرور رکھے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

اگر دل میں نفرت بھی ختم ہوگئی ہے تو سمجھ لو کہ متاعِ ایمان رخصت ہوگئی ہے۔ بقولِ اقبال: ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا!

لیکن اگر دل میں نفرت موجود ہے تو پھر اگلا قدم بھی اٹھاؤ۔ یعنی زبان سے کہنا شروع کرو کہ بھائی یہ چیز غلط ہے' اللہ نے اس کو حرام ٹھہرایا ہے' یہ کام مت کرو۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک منظم جماعت بنانے کی کوشش کرتے رہو۔ افرادی قوت کو مجتمع کرو اور جب خاطر خواہ حد تک طاقت جمع ہو جائے تو پھر کھڑے ہو جاؤ کہ اب ہم یہ غلط کام

(۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان

نہیں ہونے دیں گے۔ یہ ہے ''نہی عن المنکر بالید'' کی ممکنہ صورت یعنی طاقت کے ساتھ برائی کو روکنے کا ایک طریقہ۔ اور یہ ہوگا انقلاب کی جدوجہد کا آخری مرحلہ۔

تو ان تین آیات کے اندر اسلامی انقلاب کا پورا لائحہ عمل موجود ہے' بلکہ اسی میں منہجِ انقلابِ نبویؐ کا جو آخری اقدامی عمل ہے وہ بھی پوشیدہ ہے۔

آیت ۱۰۵ ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ﴾ ''اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور انہوں نے اختلاف پیدا کر لیے اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح تعلیمات آ گئی تھیں۔''

﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾﴾ ''اور ان ہی لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

آیت ۱۰۶ ﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ﴾ ''(قیامت کے دن) جس دن بعض چہرے بڑے روشن اور تابناک ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔''

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ﴾ ''تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے پوچھا جائے گا)''

﴿اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ ''کیا تم اپنے ایمان کے بعد کفر میں لوٹ گئے تھے؟''

ہدایت کے آنے کے بعد تم لوگ تفرقے میں پڑ گئے تھے اور تم نے حبل اللہ کو چھوڑ دیا تھا؟

﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾﴾ ''تو اب عذاب کا مزہ چکھو اُس کفر کے باعث جو تم کرتے رہے تھے۔''

آیت ۱۰۷ ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور جن کے چہرے روشن اور تابناک ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔''

﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ ''وہ اسی میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

آیت ۱۰۸ ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ﴾ ''یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں حق کے ساتھ۔''

﴿وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تو جہان والوں کے لیے ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔''

لوگ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں' خود غلط راستے پر پڑتے ہیں اور پھر اس کی سزا انہیں دنیا اور آخرت میں بھگتنی پڑتی ہے۔

آیت ۱۰۹ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں

ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔''

﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۱۰۹﴾ ''اور بالآخر سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔''

قرآن حکیم میں اہم مباحث کے بعد اکثر اس طرح کی آیات آتی ہیں۔ یہ گویا concluding remarks ہوتے ہیں۔

آیات ۱۱۰ تا ۱۲۰

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۱۰
لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۱۱۱ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ
الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ
عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ
بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۱۱۲ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ
اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝۱۱۳ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۱۴ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ
يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۱۱۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ
اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱۶ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ
هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۱۱۷ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ
دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ
صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۱۸ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا
يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ
الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۱۹ اِنْ تَمْسَسْكُمْ
حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ
شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۱۲۰ ع ۱۲/۱۱

آیت ۱۱۰ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ''تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے''

یہاں اُمتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی یہ پوری اُمتِ مسلمہ اس مقصد کے لیے بنائی گئی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے آج اُمتِ مسلمہ اپنا مقصدِ حیات بھول چکی ہے۔ اس صورت حال میں ضروری ہے کہ امت میں سے جو لوگ جاگ جائیں وہ دوسروں کو جگا کر ''اُمت کے اندر ایک اُمت'' (Ummah within Ummah) بنانے اور مذکورہ بالا تین کام سرانجام دینے کی کوشش کریں۔

قبل ازیں ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں اُمتِ مسلمہ کا فرضِ منصبی بایں الفاظ پڑھ چکے ہیں: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ﴾ ''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وسط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو''۔ سورۂ آل عمران کی آیت زیر مطالعہ اسی کے ہم وزن اور ہم پلّہ آیت ہے۔ فرمایا: ''تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے''۔ دنیا کی دیگر قومیں اپنے لیے زندہ رہتی ہیں۔ ان کے پیشِ نظر اپنی ترقی، اپنی بہتری، اپنی بہبود اور دنیا میں اپنی عزت و عظمت ہوتی ہے، لیکن تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کی راہنمائی کے لیے مبعوث کیا گیا ہے: ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے!

گویا ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانے اور جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرنا ہے۔ تو اے مسلمانو! تمہیں جینا ہے لوگوں کے لیے، جبکہ لوگ جیتے ہیں اپنے لیے۔

﴿تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ''تم حکم کرتے ہو نیکی کا''

﴿وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''اور تم روکتے ہو بدی سے''

﴿وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ﴾ ''اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔''

ظاہر ہے نبی اکرم ﷺ کے دور میں تو پوری اُمتِ مسلمہ کی یہ کیفیت تھی۔ چنانچہ امت میں سے ایک جماعت وجود میں لانے کا حکم (آیت ۱۰۴) اُس وقت کے لیے ہے جب اُمت اپنے مقصدِ وجود کو بھول گئی ہو۔ یعنی ایسے حالات میں جن کو ہوش آ جائے وہ دوسروں کو جگائیں اور اس طرح ایک جمعیت فراہم کریں۔

﴿وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ﴾ ''اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا۔''

﴿مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ''ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں''

اس سے مراد یہود و نصاریٰ کے وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو اُس وقت تک ایمان لا چکے تھے، اور وہ بھی جن کے اندر بِالقُوّہ (potentially) ایمان موجود تھا اور اللہ کو معلوم تھا کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد ایمان لے آئیں گے۔

﴿وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ''لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔''

ایسا ہی معاملہ آج اُمت مسلمہ کا بھی ہو چکا ہے۔ آج اُمت کی اکثریت کا جو حال ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

آیت ۱۱۱ ﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ﴾ ''(اے مسلمانو!) یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے سوائے تھوڑی سی کوفت کے۔''

یہ تمہارے خلاف تھوڑی بہت زبان درازی ضرور کرتے رہیں گے اور اس طرح تمہارے لیے کوفت کا سبب بنتے رہیں گے' لیکن بالفعل تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔

﴿وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ﴾ ''اور اگر یہ تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھا دیں گے۔''

اب ان میں تمہارے مقابلے کی جرأت نہیں ہے' یہ بزدل ہیں' تمہارے مقابلے میں آئیں گے بھی تو ٹھہر نہیں پائیں گے۔

﴿ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ ''پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔''

یہ ایسے بے بس ہوں گے کہ ان کو کہیں سے مدد بھی نہیں مل سکے گی۔

آیت ۱۱۲ ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا﴾ ''ان کے اوپر ذِلت تھوپ دی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جائیں''

﴿اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ ''سوائے یہ کہ (انہیں کسی وقت) اللہ کا کوئی سہارا حاصل ہو جائے یا لوگوں کی طرف سے کوئی سہارا مل جائے''

جیسے آج پوری عیسائی دنیا یہودیوں کا سہارا بنی ہوئی ہے۔ اسرائیل اپنے بل پر نہیں' بلکہ عیسائی دنیا کی پشت پناہی کی وجہ سے قائم ہے۔ خلیج کی جنگ میں اتحادی افواج کے کمانڈر انچیف نے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ ساری جنگ ہم نے اسرائیل کے تحفظ کے لیے لڑی ہے۔ گویا اس قدر خونریزی سے صرف اسرائیل کا تحفظ پیش نظر تھا۔

﴿وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے''

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ﴾ ''اور ان کے اوپر کم ہمتی مسلط کر دی گئی۔''

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ ''یہ اس لیے ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے رہے''

﴿وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ﴾ ''اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے۔''

﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ ''اور یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور حدود سے تجاوز کرتے رہے۔''

یاد رہے کہ یہ آیت تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ سورۃ البقرۃ میں بھی گزر چکی ہے۔ (آیت ۶۱)

آیت ۱۱۳ ﴿لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ﴾ ''یہ سب کے سب برابر نہیں ہیں۔''

ان میں اچھے بھی ہیں' برے بھی ہیں۔

﴿مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝١١٣﴾ ''اہلِ کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو (سیدھے راستے پر) قائم ہیں' رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خاص طور پر عیسائی راہبوں کی ایک کثیر تعداد اِس کردار کی حامل تھی۔ ان ہی میں سے ایک بحیرہ راہب بھی تھا جس نے آنحضور ﷺ کو بچپن میں ہی پہچان لیا تھا۔ دوسری طرف یہود میں اُس وقت صرف اِکا دُکا لوگ اس طرح کے باقی تھے' جبکہ مجموعی طور پر ان میں یہ کردار ختم ہو چکا تھا۔

آیت ۱۱۴ ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''وہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یومِ آخر پر''

﴿وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں''

﴿وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ﴾ ''اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

﴿وَاُولٰۗئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١١٤﴾ ''اور یقیناً یہ لوگ صالحین میں سے ہیں۔''

آیت ۱۱۵ ﴿وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ﴾ ''جو خیر بھی یہ کریں گے تو اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝١١٥﴾ ''اور اللہ ایسے متقی لوگوں سے خوب واقف ہے۔''

آیت ۱۱۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ﴾ ''(اس کے برعکس) جو لوگ کفر پر اَڑ گئے ان کے کام نہیں آسکیں گے نہ ان کے اموال نہ ان کی اولاد اللہ سے بچانے میں کچھ بھی۔''

﴿وَاُولٰۗئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ﴾ ''یہی لوگ جہنمی ہیں۔''

﴿ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ۝١١٦﴾ ''اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

آیت ۱۱۷ ﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ ھٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''دنیا کی اس زندگی میں یہ لوگ جو بھی خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے''

قریشِ مکہ اہلِ ایمان کے خلاف جو جنگی تیاریاں کر رہے تھے تو اس کے لیے وہ مال بھی خرچ کرتے تھے۔ ظاہر ہے اگر فوج تیار کرنی ہے تو اس کے لیے سواریاں بھی درکار ہوں گی اور سامانِ حرب وضرب کی ضرورت بھی ہو گی۔ اور اس سب کچھ کی فراہمی کے لیے مال خرچ کرنا ہو گا۔ یہ کفار و مشرکین کے اس انفاقِ مال کی طرف اشارہ ہے جو یہ لوگ دنیا کی زندگی میں یا تو اسلام کی مخالفت کے لیے یا اپنے جی کو جھوٹی تسلی دینے کے لیے خرچ

کرتے ہیں کہ ہم کچھ صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں۔ تو ان کے اس انفاق کی مثال ایسی ہے:

﴿كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ﴾ ''کہ جیسے ایک زوردار آندھی جس میں پالا ہو''

﴿اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ﴾ ''وہ کسی ایسی قوم کی کھیتی کو آ پڑے جس نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو' پھر وہ اس (کھیتی) کو تباہ و برباد اور تہس نہس کر کے رکھ دے۔''

یعنی ان کی یہ نیکیاں' یہ انفاق' یہ جدوجہد اور دوڑ دھوپ سب کا سب بالکل ضائع ہو جانے والا ہے۔

﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾﴾ ''اور ان پر اللہ نے کوئی ظلم نہیں کیا' بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم ڈھا رہے ہیں۔''

آیت ۱۱۸ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ﴾ ''اے اہل ایمان! اپنے سوا کسی کو اپنا راز دار نہ بناؤ''

یعنی جس شخص کے بارے میں اطمینان ہو کہ وہ صاحبِ ایمان ہے' مسلمان ہے' اس کے علاوہ کسی اور شخص کو اپنا بھیدی اور محرمِ راز نہ بناؤ۔ یہودی ایک عرصے سے مدینہ میں رہتے تھے اور اوس و خزرج کے لوگوں کی ان سے دوستیاں تھیں' پرانے تعلقات اور روابط تھے۔ اس کی وجہ سے بعض اوقات سادہ لوح مسلمان اپنی سادگی میں راز کی باتیں بھی انہیں بتا دیتے تھے۔ اس سے انہیں روکا گیا۔

﴿لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ﴾ ''وہ تمہارے لیے کسی خرابی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔''

﴿وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ﴾ ''انہیں پسند ہے وہ چیز جو تمہیں تکلیف اور مشقت میں ڈالے۔''

﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ﴾ ''ان کی دشمنی ان کے منہ سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔''

ان کا کلام ایسا زہر آلود ہوتا ہے کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی ٹپکی پڑتی ہے۔ یہ اپنی زبانوں سے آتش برساتے رہتے ہیں۔

﴿وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ﴾ ''اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔''

جو کچھ ان کی زبانوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ تو پھر بھی کم ہے' ان کے دلوں کے اندر دشمنی اور حسد کی جو آگ بھڑک رہی ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

﴿قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ ''ہم نے تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح کر دیا ہے اگر تم عقل سے کام لو''۔

یعنی اپنے طرزِ عمل پر غور کرو اور اس سے باز آ جاؤ!

آیت ۱۱۹ ﴿هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ﴾ ''یہ تم ہی ہو کہ ان کو دوست رکھتے ہو''

یہ تمہاری شرافت اور سادہ لوحی ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور پرانے تعلقات اور دوستیوں کو نبھانا

چاہتے ہو۔

﴿وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ﴾ ''لیکن (جان لو کہ) وہ تو تم سے محبت نہیں کرتے''

وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے۔

﴿وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ﴾ ''حالانکہ (تمہاری شان یہ ہے کہ) تم پوری کتاب کو مانتے ہو۔''

تم تورات کو بھی مانتے ہو، انجیل کو بھی مانتے ہو۔ سورۃ النساء میں تورات اور انجیل کے لیے نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ کے الفاظ آئے ہیں: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ......﴾ (آیت ۴۴) ''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا......'' چنانچہ تمام آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کی اس قدیم کتاب ''اُمُّ الکِتاب'' ہی کے حصے ہیں۔ اسی ''اُمُّ الکتاب'' میں سے پہلے تورات آئی، پھر انجیل آئی اور پھر یہ قرآن مجید آیا ہے، جو ہدایتِ کاملہ پر مشتمل ہے۔ تو اے مسلمانو! تم تو پوری کی پوری کتاب کو مانتے ہو۔

﴿وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ﴾ ''اور جب یہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی مؤمن ہیں۔''

﴿وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ﴾ ''اور جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں تو تم پر غصہ کی وجہ سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔''

جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی کوششیں کامیاب نہیں ہو رہیں اور اسلام کا معاملہ مسلسل آگے سے آگے بڑھتا جا رہا ہے تو وہ غصے میں پیچ و تاب کھاتے ہیں اور اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔

﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ﴾ ''ان سے کہو مر جاؤ اپنے اس غم و غصہ میں۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ١١٩﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ سینوں کے اندر مضمر ہے اس سے بھی واقف ہے۔''

آیت ۱۲۰ ﴿اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ﴾ ''(اے مسلمانو!) اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچ جائے تو وہ ان کو بری لگتی ہے۔''

اگر تمہیں کوئی کامیابی حاصل ہو جائے، کہیں فتح نصیب ہو جائے تو اس سے ان کو تکلیف پہنچتی ہے۔

﴿وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ﴾ ''اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں۔''

اگر تمہیں کوئی گزند پہنچ جائے، کہیں عارضی طور پر شکست ہو جائے، جیسے اُحد میں ہو گئی تھی، تو وہ بڑے خوش ہوتے ہیں، شادیانے بجاتے ہیں۔

﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَيْـــًٔا ۭ﴾ ''لیکن اگر تم صبر کرتے رہو اور تقویٰ کی روش اختیار کیے رہو تو ان کی یہ ساری چالیں تمہیں کوئی مستقل نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔''

سورۃ البقرۃ میں صبر اور صلوٰۃ سے مدد لینے کی تلقین کی گئی تھی، یہاں صلوٰۃ کی جگہ لفظ تقویٰ آ گیا ہے کہ اگر تم یہ کرتے رہو گے تو پھر بالآخر ان کی ساری سازشیں ناکام ہوں گی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾﴾ ''جو کچھ یہ کر رہے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ اُس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کے دائرے سے اور اس کی طے کردہ حد سے آگے نہیں نکل سکتے۔ ان کی ساری اُچھل کود اور سازشیں اسی حد کے اندر رہیں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ ضمانت دے رہا ہے کہ یہ لوگ تمہیں کوئی مستقل نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

آیات ۱۲۱ تا ۱۲۹

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ ۙ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

یہاں سے سورۂ آل عمران کے نصفِ ثانی کے دوسرے حصے کا آغاز ہو رہا ہے‘ جو چھ رکوعات پر محیط ہے۔ یہ چھ رکوع مسلسل غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور ان پر تبصرے پر مشتمل ہیں۔ غزوۂ اُحد شوال ۳ھ میں پیش آیا تھا۔ اس سے پہلے رمضان ۲ھ میں غزوۂ بدر پیش آ چکا تھا‘ جس کا تذکرہ ہم سورۃ الانفال میں پڑھیں گے۔ اس لیے کہ ترتیب مصحف نہ تو ترتیب زمانی کے اعتبار سے ہے اور نہ ہی ترتیبِ نزولی کے مطابق۔ غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت زبردست فتح عطا فرمائی تھی جبکہ کفارِ مکہ کو اس غزوہ میں بڑی زَک پہنچی تھی۔ ان کے ستر (۷۰) سربرآوردہ لوگ مارے گئے تھے‘ جن میں قریش کے تقریباً سارے بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے۔ بلکہ مکہ کا شاید ہی کوئی گھر بچا ہو جس کا کوئی فرد غزوۂ بدر میں نہ مارا گیا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ تمام اہلِ مکہ کے سینوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور ان کے انتقامی جذبات لاوے کی طرح کھول رہے تھے۔ چنانچہ ایک سال کے اندر اندر انہوں نے پوری تیاری کی اور تمام ساز و سامان جو وہ جمع کر سکتے تھے جمع کر لیا۔ ابوجہل غزوۂ بدر میں مارا جا چکا تھا اور اب قریش کے سب سے بڑے سردار ابوسفیان تھے۔ (ابوسفیان چونکہ بعد میں

ایمان لے آئے تھے اور صحابیت کے مرتبے سے سرفراز ہوئے تھے لہٰذا ہم ان کا نام احترام سے لیتے ہیں۔) ابوسفیان تین ہزار جنگجوؤں کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ اہل مکہ اپنی فتح یقینی بنانے کے لیے اس دفعہ اپنے بچوں اور خاص طور پر خواتین کو بھی ساتھ لے کر آئے تھے تاکہ ان کی غیرت اس احساس سے بیدار رہے کہ اگر کہیں میدان سے ان کے قدم اکھڑ گئے تو ان کی عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں چلی جائیں گی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ بھی لشکر کے ہمراہ تھی۔ (وہ بھی بعد میں فتح مکہ کے موقع پر ایمان لے آئی تھیں۔) غزوۂ بدر میں ہندہ کا باپ' بھائی اور چچا مسلمانوں کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہو چکے تھے' لہٰذا اُس کے سینے کے اندر بھی انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔

اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک مشاورت منعقد فرمائی کہ اب کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے' جبکہ تین ہزار کا لشکر مدینہ پر چڑھائی کرنے آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنا رجحان اس طرف تھا کہ اس صورت حال میں ہم اگر مدینہ میں محصور ہو کر مقابلہ کریں تو بہتر رہے گا۔ عجیب اتفاق ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن وہ لوگ جو بدر کے بعد ایمان لائے تھے اور وہ جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو پائے تھے ان میں سے خاص طور پر نوجوانوں کی طرف سے خصوصی جوش و خروش کا مظاہرہ ہو رہا تھا کہ ہمیں میدان میں نکل کر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے' ہمیں تو شہادت درکار ہے' ہمیں آخر موت سے کیا ڈر ہے؟ ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

رسول اللہ ﷺ نے اُن کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے فیصلہ فرما دیا کہ دشمن کا کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے گا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ایک ہزار کی نفری لے کر مدینہ سے جبل اُحد کی جانب کوچ فرمایا' لیکن راستے ہی میں عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو آدمیوں کے ساتھ یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ جب ہمارے مشورے پر عمل نہیں ہوتا اور ہماری بات نہیں مانی جاتی تو ہم خواہ مخواہ اپنی جانیں جوکھوں میں کیوں ڈالیں؟ تین سو منافقین کے چلے جانے کے بعد اسلامی لشکر میں صرف سات سو افراد باقی رہ گئے تھے' جن میں کمزور ایمان والے بھی تھے۔ چنانچہ دامنِ اُحد میں پہنچ کر مدینہ کے دو خاندانوں بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے قدم بھی تھوڑی دیر کے لیے ڈگمگائے اور انہوں نے واپس لوٹنا چاہا' لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حوصلہ دیا اور ان کے قدم جما دیے۔

اس کے بعد جنگ ہوئی تو اللہ کی طرف سے مدد آئی۔ اللہ نے لشکر اسلام کو فتح دے دی اور مشرکین کے قدم اکھڑ گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُحد پہاڑ کو اپنی پشت پر رکھا تھا اور اس کے دامن میں صف بندی کی تھی۔ سامنے دشمن کا لشکر تھا۔ پہاڑ میں ایک درّہ تھا اور حضور ﷺ کو اندیشہ تھا کہ اگر اس درّے سے دشمن نے حملہ کر دیا تو ہم دو طرف سے گویا چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ جائیں گے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اس درّہ پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی امارت میں پچاس تیر انداز تعینات فرما دیے تھے اور انہیں تاکید فرمائی تھی یہاں سے مت ہلنا۔ چاہے تم دیکھو کہ ہم سب مارے گئے ہیں اور ہمارا گوشت چیلیں اور کوے نوچ رہے ہیں تب بھی یہ جگہ مت چھوڑنا! لیکن جب مسلمانوں کو فتح ہو گئی تو درّے پر مامور حضرات میں اختلاف رائے ہو گیا۔ ان میں سے اکثر نے کہا کہ رسول

اللہ ﷺ نے ہمیں جو اتنی تاکید فرمائی تھی وہ تو شکست کی صورت میں تھی' اب تو فتح ہو گئی ہے' لہٰذا اب ہمیں بھی چل کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں باقی سب لوگوں کا ساتھ دینا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ وہاں کے لوکل کمانڈر تھے' وہ انہیں منع کرتے رہے کہ یہاں سے ہرگز مت ہٹو' رسول اللہ ﷺ کا حکم یاد رکھو۔ لیکن وہ تو حضور ﷺ کے حکم کی تاویل کر چکے تھے۔ چنانچہ ان میں سے ۳۵ افراد درّہ چھوڑ کر چلے گئے اور صرف ۱۵ باقی رہ گئے۔

خالد بن ولید (جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) مشرکین کی گھڑسوار فوج (cavalry) کے کمانڈر تھے۔ ان کی عقابی نگاہ نے دیکھ لیا کہ مسلمان لشکر کے عقب میں درہ خالی ہے۔ ان کی پیدل فوج (infantry) شکست کھا چکی تھی اور میدان میں بھگدڑ مچ چکی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے دو سو گھڑسواروں کے دستے کے ساتھ اُحد پہاڑ کا چکر کاٹ کر اس درے کے راستے مسلمانوں کی پشت سے ان پر حملہ آور ہو گئے۔ درّے میں مسلمانوں کے صرف پندرہ تیر انداز باقی تھے' ان کے لیے دو سو گھڑسواروں کی یلغار کو روکنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مزاحمت کرتے ہوئے سب کے سب شہید ہو گئے۔ اس اچانک حملے سے یکلخت جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ چنانچہ جنگ کے اس مرحلے میں ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی زخمی ہو گئے۔ خَود کی کڑیاں آپؐ کے رخسار میں گھس گئیں اور دو دندانِ مبارک بھی شہید ہو گئے۔ خون اتنا بہا کہ آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ اسی اثناء میں یہ بھی مشہور ہو گیا کہ حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ لیکن بعد میں جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو پکارا تو لوگ ہمت کر کے جمع ہوئے۔ تب آپ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس وقت پہاڑ پر چڑھ کر بچاؤ کر لیا جائے۔ چنانچہ آپ تمام مسلمانوں کو لے کر کوہِ اُحد پر چڑھ گئے۔ اس موقع پر ابوسفیان اور خالد بن ولید کے مابین اختلافِ رائے ہو گیا۔ خالد بن ولید کا کہنا تھا کہ ہمیں ان کے پیچھے پہاڑ پر چڑھنا چاہیے اور انہیں ختم کر کے ہی دم لینا چاہیے۔ لیکن ابوسفیان بڑے حقیقت پسند اور زیرک شخص تھے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں' مسلمان اونچائی پر ہیں' وہ اوپر سے پتھر پھینکیں گے اور تیر برسائیں گے تو ہمارے لیے شدید جانی نقصان کا اندیشہ ہے۔ ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا ہے' یہی بہت ہے۔ اس لیے اب ہمیں واپسی کی راہ لینی چاہیے۔ چنانچہ مشرکین وہاں سے واپس چلے گئے۔ ان آیات کے مطالعہ سے قبل غزوۂ احد کے سلسلۂ واقعات کا یہ اجمالی خاکہ ذہن میں رہنا چاہیے۔

آیت ۱۲۱ ﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یاد کیجیے جبکہ صبح کو آپؐ اپنے گھر سے نکلے تھے اور مسلمانوں کو جنگ کے مورچوں میں مامور کر رہے تھے۔''

یہ غزوۂ اُحد کی صبح حضور ﷺ کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے باہر تشریف لانے اور جنگ کے میدان میں پہنچ کر مسلمانوں کی صف بندی کرنے کا ذکر ہے کہ آپؐ ایک ایک مورچے پر خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مامور کر رہے تھے۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ١٢١﴾ ''جبکہ اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۲۲ ﴿اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ﴾ ''جبکہ تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ

ہو گئے تھے"

﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ﴾ "حالانکہ اللہ ان کا پشت پناہ تھا۔"

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾ "اور اللہ ہی پر توکّل کرنا چاہیے اہلِ ایمان کو۔"

جنگ کے آغاز سے پہلے انصار کے دو گھرانوں بنو حارثہ اور بنوسلمہ کے قدم وقتی طور پر ڈگمگا گئے تھے' بر بنائے طبع بشری ان کے حوصلے پست ہونے لگے تھے اور انہوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ثبات عطا فرمایا اور ان کے قدموں کو جما دیا۔ پھر ان کا ذکر قرآن میں کر دیا گیا۔ وہ لوگ اس پر فخر کیا کرتے تھے کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ﴿مِنْكُمْ﴾ اور ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ﴾ کے الفاظ میں کیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ تین سو منافقین جو میدانِ جنگ سے چلے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر تک نہیں کیا۔ گویا وہ اس لائق بھی نہیں تھے کہ ان کا براہِ راست ذکر کیا جاتا۔ البتہ ان آیات کے آخر میں ان کا ذکر بالواسطہ طور پر (indirectly) آئے گا۔

آیت ۱۲۳ ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ﴾ "اور اللہ نے تو تمہاری مدد بدر میں بھی کی تھی جبکہ تم بہت کمزور تھے۔"

غزوۂ بدر میں ایک ہزار مشرکین کے مقابلے میں اہل ایمان صرف تین سو تیرہ تھے' جبکہ ان سب کے پاس تلواریں بھی نہیں تھیں' بلکہ پورے لشکر میں کُل آٹھ تلواریں تھیں۔ کفارِ مکہ ایک سو گھوڑوں کا رسالہ لے کر آئے تھے اور ادھر صرف دو گھوڑے تھے۔ اُدھر سات سو اونٹ تھے اور اِدھر ستر اونٹ تھے۔ اس سب کچھ کے باوجود اللہ کی مدد سے مسلمان اُن پر غالب آ گئے۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾﴾ "تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم اللہ کا (صحیح معنی میں) شکر ادا کر سکو۔"

آیت ۱۲۴ ﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ "(اے نبی ﷺ!) جب آپ کہہ رہے تھے اہل ایمان سے کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا ربّ تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتوں سے جو آسمان سے اُترنے والے ہوں گے؟"

یعنی اے مسلمانو! اگر مقابلے میں تین ہزار کا لشکر آ گیا ہے تو کیا غم ہے۔ میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کو آسمان سے تین ہزار فرشتے بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی اس خوشخبری کو' جو ایک طرح سے گویا استدعا بھی تھی' فوری طور پر شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور اس کی منظوری کا اعلان فرما دیا۔

آیت ۱۲۵ ﴿بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا﴾ "کیوں نہیں (اے مسلمانو!) اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ کی روش پر رہو گے اور اگر وہ فوری طور پر تم پر حملہ آور ہو جائیں"

﴿يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾﴾ "تو تمہارا ربّ تمہاری مدد کرے گا

پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعے سے جو نشان زدہ گھوڑوں پر آئیں گے۔"

آیت ۱۲۶ ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ﴾ "اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا مگر تمہارے لیے بشارت"

﴿وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ﴾ "اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔"

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١٢٦﴾﴾ "ورنہ مدد تو ہوتی ہی اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔"

یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت کے طور پر تمہارے دلوں کے اطمینان کے لیے تمہیں بتا دیا گیا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجے بغیر بھی تمہاری مدد کر سکتا ہے، وہ "کُن فیکون" کی شان رکھتا ہے۔ تمہیں یہ بشارت تمہاری طبع بشری کے حوالے سے دی گئی ہے کہ اگر تین ہزار کی تعداد میں دشمن سامنے ہوا تو تمہاری مدد کو تین ہزار فرشتے اتر آئیں گے، اور اگر وہ فوری طور پر حملہ آور ہو گئے تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتے بھیج دے گا۔

آیت ۱۲۷ ﴿لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا﴾ "(اور یہ مدد وہ تمہیں اس لیے دے گا) تاکہ کافروں کا ایک بازو کاٹ دے"

﴿اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿١٢٧﴾﴾ "یا انہیں ذلیل کر دے کہ وہ خائب و خاسر ہو کر لوٹ جائیں۔"

ان آیات کے مطالعہ کے دوران یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات کا ذکر اور ان پر تبصرہ زمانی ترتیب سے نہیں ہے۔ جیسا کہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا اپنے گھر سے نکل کر میدانِ جنگ میں مورچہ بندی کا ذکر ہوا۔ پھر اس سے پہلے کے حالات کے بارے میں بتایا گیا کہ جب خبریں پہنچی ہوں گی کہ تین ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے آ رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کی خوشخبری دی ہو گی۔ اب اس جنگ کے دوران مسلمانوں سے جو کچھ خطائیں اور غلطیاں ہوئیں ان کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔ خود آنحضور ﷺ سے بھی خطا کا ایک معاملہ ہوا، اس پر بھی گرفت ہے، بلکہ سب سے پہلے اسی معاملے کو لیا جا رہا ہے۔ جب آپ ﷺ شدید زخمی ہو گئے اور آپؐ پر بے ہوشی طاری ہو گئی، پھر جب ہوش آیا تو آپ ﷺ کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے:

((كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ بِالدَّمِ وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ اِلَى اللّٰهِ))(۱)

"یہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگ دیا جبکہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلا رہا تھا!"

تلوار کا وار آنحضور ﷺ کے رُخسار کی ہڈی پر پڑا تھا اور اس سے آپؐ کے دو دانت بھی شہید ہو گئے تھے۔ زخم سے یکدم خون کا فوارہ چھوٹ پڑا جس سے آپ ﷺ کا پورا چہرۂ مبارک لہولہان ہو گیا اور خون زیادہ مقدار میں بہہ جانے کی وجہ سے آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ آپ ﷺ ہوش میں آئے تو زبانِ مبارک سے یہ الفاظ

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء۔ ومسند احمد: ۱۲۷۲۵۔ یہ حدیث صحیح مسلم اور سنن الترمذی میں بھی قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔

ادا ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ......﴾ اے نبی ﷺ اس معاملے میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے' آپ کا کام دعوت دینا اور تبلیغ کرنا ہے۔ لوگوں کی ہدایت اور ضلالت کے فیصلے ہم کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کا انداز دیکھئے کہ جس شخص کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ ہزیمت اٹھانا پڑی' یعنی خالد ابن ولید' اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ ہی کی زبانِ مبارک سے اسے ''سَیفٌ مِن سُیُوفِ اللّٰہ'' (اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار) کا خطاب دلوا دیا۔

آیت ۱۲۸ ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) اس معاملے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں''

﴿اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ﴾ ''اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے''

یہ اللہ کے اختیار میں ہے' وہ چاہے گا تو ان کو توبہ کی توفیق دے دے گا' وہ ایمان لے آئیں گے' یا اللہ چاہے گا تو انہیں عذاب دے گا۔

﴿فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۲۸﴾ ''اس لیے کہ وہ ظالم ہیں۔''

ان کے ظالم ہونے میں کوئی شبہ نہیں' لہٰذا وہ سزا کے حق دار تو ہو چکے ہیں۔ لیکن ہو سکتا ہے اللہ انہیں ہدایت دے دے۔ دیکھئے' یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ چند سال پہلے طائف میں رسول اللہ ﷺ سے جس طرح بدسلوکی کا مظاہرہ کیا گیا وہ آپ کی زندگی کا شدید ترین دن تھا۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ یہ مَلَکُ الجبال حاضر ہے۔ یہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ نے بھیجا ہے' آپ فرمائیں تو ان دونوں پہاڑوں کو ٹکرا دوں جن کے مابین وادی کے اندر یہ شہر طائف آباد ہے' تاکہ یہ سب پس جائیں' ان کا سرمہ بن جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں! کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں کو ہدایت دے دے۔ لیکن یہ وقت کچھ ایسا تھا کہ بربنائے طبع بشری زبان مبارک سے وہ جملہ نکل گیا اور اس پر یہ آیت نازل ہو گئی۔ ظاہر ہے: ؎

اَلْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی وَالرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلْ

''بندہ بندہ ہی رہتا ہے چاہے کتنا ہی بلند ہو جائے' اور ربّ' ربّ ہی ہے چاہے کتنا ہی نزول فرما لے!''

آیت ۱۲۹ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ ''اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔''

﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ﴾ ''وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۹﴾ ''اور اللہ غفور و رحیم ہے۔''

آیات ۱۳۰ تا ۱۴۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۳۰

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝۱۳۱ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۳۲
وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ
لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۳ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ
النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳۴ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا
اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا
وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۵ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۱۳۶ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي
الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۳۷ ھٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًى
وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۸ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹ اِنْ
يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُھَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ
وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۴۰
وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۴۱ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا
يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۴۲ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ
قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۱۴۳ ع ۱۴ ۵

آیت ۱۳۰ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠﴾ ''اے اہلِ ایمان! سود مت کھاؤ دگنا چوگنا بڑھتا ہوا''

یہاں پر سود مرکب (compound interest) کا ذکر آیا ہے جو بڑھتا چڑھتا رہتا ہے۔ واضح رہے کہ شراب اور جوئے کی طرح سود کی حرمت کے احکام بھی تدریجاً نازل ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے سورۃ الروم (مکی سورت) میں انفاق فی سبیل اللہ اور سود کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر سود کی قباحت اور شناعت کو واضح کر دیا گیا: ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝۳۹﴾ ''اور جو کچھ تم دیتے ہو سود پر تاکہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں تو اللہ کے ہاں اس میں کوئی بڑھوتری نہیں ہوتی' اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو (اور اس سے) اللہ کی رضا چاہتے ہو' تو یہی لوگ ہیں جو (اللہ کے ہاں اپنے مال کو) بڑھانے والے ہیں''۔ جیسے کہ شراب اور جوئے کی خرابی کو ابتدائی طور پر سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۹) میں بیان کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد آیت زیر مطالعہ میں دوسرے قدم کے طور پر مہاجنی سود (usury) سے روک دیا گیا۔ ہمارے ہاں آج کل بھی ایسے سود خور موجود ہیں جو بہت زیادہ شرح سود پر لوگوں کو قرض دیتے ہیں اور ان کا خون چوس جاتے ہیں۔ تو یہاں اس سود کی مذمت آئی ہے۔ واضح رہے کہ سود کے بارے میں آخری اور حتمی حکم ۹ ھ میں نازل ہوا' لیکن ترتیب مصحف میں وہ حکم سورۃ البقرۃ کے رکوع

۳۸ میں ہے۔ وہاں پر سود کو دوٹوک انداز میں حرام قرار دے دیا گیا اور سود خوری سے باز نہ آنے پر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا الٹی میٹم دے دیا گیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات کے درمیان سود خوری کی مذمت کیوں بیان ہوئی؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ درّے پر مامور پچاس تیر اندازوں میں سے جو پینتیس لوگ اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے تھے ان کے تحت الشعور میں مالِ غنیمت کی کوئی طلب تھی' جو نہیں ہونی چاہیے تھی۔ اس حوالے سے سود خوری کی مذمت بیان کی گئی کہ یہ بھی انسان کے اندر مال و دولت سے ایسی محبت پیدا کر دیتی ہے جس کی وجہ سے اس کے کردار میں بڑے بڑے خلا پیدا ہو سکتے ہیں۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

آیت ۱۳۱ ﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾﴾ ''اور اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

آیت ۱۳۲ ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾﴾ ''اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

آیت ۱۳۳ ﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ﴾ ''اور مسابقت کرو اپنے رب کی مغفرت کے حصول کے لیے اور اُس جنت کو حاصل کرنے کے لیے جس کا پھیلاؤ آسمانوں اور زمین جتنا ہے''

﴿اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾﴾ ''وہ تیار کی گئی ہے (اور سنواری گئی ہے) اہلِ تقویٰ کے لیے۔''

آیت ۱۳۴ ﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ﴾ ''وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں کشادگی میں بھی اور تنگی میں بھی''

یہاں بھی تقابل ملاحظہ کیجیے کہ سود کے مقابلے میں انفاق کا ذکر ہوا ہے۔

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ﴾ ''اور وہ اپنے غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرنے والے ہیں۔''

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ایسے محسنین کو پسند کرتا ہے۔''

یہ درجۂ احسان ہے' جو اسلام اور ایمان کے بعد کا درجہ ہے۔

آیت ۱۳۵ ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ﴾ ''اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی ان سے کسی بے حیائی کا ارتکاب ہو جائے یا اپنے اوپر کوئی اور ظلم کر بیٹھیں تو فوراً انہیں اللہ یاد آ جاتا ہے''

﴿فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ ﴾ ''پس وہ اُس سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔''

سورۃ النساء آیت ۱۷ میں اس حوالے سے خصوصی بشارت کا ذکر ہے کہ کسی مسلمان شخص سے اگر کوئی خطا ہو جائے اور وہ فوراً توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب ٹھہرا لیا ہے کہ وہ اس کی توبہ ضرور قبول فرمائے گا۔

﴿وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ ﴾ ''اور کون ہے جو معاف کر سکے گناہوں کو سوائے اللہ کے؟''

﴿وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۵﴾ ''اور وہ اپنے اس غلط فعل پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔''

یعنی ایسا نہیں کہ وہ گناہ پر گناہ کرتے چلے جا رہے ہیں کہ موت آنے پر توبہ کر لیں گے۔ اُس وقت کی توبہ توبہ نہیں ہے' بلکہ توبہ تو یہ ہے کہ ایک مسلمان سے اگر جذبات کی رو میں بہہ کر یا بھول چوک میں کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ ہوش آنے پر فوری اللہ کے حضور گڑگڑائے' عزمِ مصمم کرے کہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گا' اور پوری پشیمانی کے ساتھ صمیم قلب سے اللہ کی جناب میں توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ایسی توبہ کو قبول کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

آیت ۱۳۶ ﴿اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کا بدلہ ہے ان کے رب کی طرف سے مغفرت''

﴿وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۭ﴾ ''اور وہ باغات کہ جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

﴿وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝۱۳۶﴾ ''اور کیا ہی اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔''

آیت ۱۳۷ ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ﴾ ''تم سے پہلے بھی بہت سے حالات وواقعات گزر چکے ہیں''

﴿فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ ''تو زمین میں گھومو پھرو''

﴿فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ۝۱۳۷﴾ ''اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا!''

قریش کے تجارتی قافلے شام کی طرف جاتے تھے تو وہ ان علاقوں سے ہو کر گزرتے تھے جہاں کبھی قومِ ثمود اور قومِ لوط کی بستیاں آباد تھیں۔ اس حوالے سے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ان قوموں کی آبادیوں کے کھنڈرات سے عبرت حاصل کرو کہ ان کے ساتھ کیا کچھ ہوا۔

آیت ۱۳۸ ﴿هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًی وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝۱۳۸﴾ ''یہ وضاحت ہے لوگوں کے لیے اور ہدایت اور نصیحت ہے متقین کے حق میں۔''

آیت ۱۳۹ ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ ''اور نہ کمزور پڑو اور نہ غم کھاؤ''

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۱۳۹﴾ ''اور تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مؤمن ہوئے۔''

اپنے مضمون کے اعتبار سے یہ آیت بہت اہم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پختہ وعدہ ہے کہ تم ہی غالب و سربلند ہو گے'

آخری فتح تمہاری ہوگی‘ بشرطیکہ تم مؤمن ہوئے۔ یہ آیت ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے کہ آج دنیا میں جو ہم ذلیل ہیں‘ غالب وسربلند نہیں ہیں‘ تو نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ یہ کہ ہمارے اندر ایمان نہیں ہے‘ ہم حقیقی ایمان سے محروم ہیں۔ ہم جس ایمان کے مدعی ہیں وہ محض ایک موروثی عقیدہ ہے‘ یقین قلبی اور conviction والا ایمان نہیں ہے۔ بہرحال اس آیت کی رو سے یہ ممکن نہیں کہ اُمت کے اندر حقیقی ایمان موجود ہو اور پھر بھی وہ دنیا میں ذلیل وخوار ہو۔

آیت ۱۴۰ ﴿اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ﴾ ”اگر تمہیں اب چرکا لگا ہے تو تمہارے دشمن کو بھی ایسا ہی چرکا اس سے پہلے لگ چکا ہے۔“

غزوۂ اُحد میں ستر صحابہؓ شہید ہو گئے تھے۔ ان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی تھے۔ بلکہ انصار کا تو کوئی گھرانہ ایسا نہیں تھا جس کا کوئی فرد شہید نہ ہوا ہو۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان جب مدینہ واپس آئے تو ہر گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ اُس وقت تک میت پر بین کرنے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ عورتیں مرثیے کہہ رہی تھیں‘ بین کر رہی تھیں‘ ماتم کر رہی تھیں۔ صورت حال اس قدر رقت آمیز تھی کہ خود آنحضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکل گئے: لٰكِنَّ حَمۡزَةَ لَا بَوَاكِيَ لَهٗ![1] ”ہائے حمزہ کے لیے تو کوئی رونے والیاں بھی نہیں ہیں!“ ظاہر ہے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تو مہاجر تھے‘ مدینہ میں ان کی کوئی رشتہ دار خواتین نہیں تھیں۔ انصار کے گھرانوں کی تمام خواتین اپنے اپنے مقتولوں پر آنسو بہا رہی تھیں اور بین کر رہی تھیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے مذکورہ الفاظ سننے کے بعد انصار نے اپنے گھروں سے خواتین کو بھیجا کہ وہ جا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تعزیت کریں۔ بہرحال دکھ تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی بہت پہنچا تھا۔ آخر آپؐ کے سینے کے اندر ایک حساس دل تھا‘ پتھر کا کوئی ٹکڑا تو نہیں تھا۔ اس پس منظر میں یہاں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی دلجوئی کے لیے فرما رہا ہے کہ تم لوگ اس دکھ پر اتنے غمگین اور دل گرفتہ نہ ہو۔ اس وقت اگر تمہیں کوئی چرکا لگا ہے تو اس جیسا چرکا اس سے پہلے تمہارے دشمن کو بھی لگ چکا ہے۔ ایک سال پہلے ان کے بھی ستر افراد مارے گئے تھے۔

﴿وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ﴾ ”یہ تو دن ہیں جن کو ہم لوگوں میں الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں۔“

یہ زمانے کے نشیب وفراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ کسی قوم کو ہم ایک سی کیفیت میں نہیں رکھتے۔

﴿وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ ”اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ دیکھ لے کہ کون لوگ حقیقتاً مؤمن ہیں“

اگر امتحان اور آزمائش نہ آئے‘ تکلیف نہ آئے‘ قربانی نہ دینی پڑے‘ کوئی زک نہ پہنچے تو کیسے پتا چلے کہ حقیقی مؤمن کون ہے؟ امتحان وآزمائش ہی سے تو پتا چلتا ہے کہ کون اپنے دعوے میں سچا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) سنن ابن ماجه‘ كتاب الجنائز‘ باب ما جاء فى البكاء على الميت۔ ومسند احمد: ۵۵ و ۵۶۳۳۔ عن عبداللہ بن عمر رضى الله عنهما۔

آزمائش وابتلاء کے ذریعے ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کس نے اپنا سب کچھ لگا دیا؟ کس نے صبر کیا؟ کون ثابت قدم رہا اور کون الٹے پاؤں پھر گیا؟

﴿وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ﴾ ''اور وہ چاہتا ہے کہ تم میں سے کچھ کو مقامِ شہادت عطا کرے۔'' انہیں اپنی گواہی کے لیے قبول کر لے۔

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾﴾ ''اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ نے کفار کی مدد کی ہے اور ان کو پسند کیا ہے (معاذ اللہ!)

آیت ۱۴۱ ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾﴾ ''اور یہ اس لیے ہوا ہے کہ اللہ اہلِ ایمان کو بالکل پاک صاف کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔''

اس موقع پر دراصل مسلمانوں میں سے خاص طور پر ان لوگوں کی آزمائش مطلوب تھی جو ابھی تازہ تازہ ایمان لائے تھے' ان میں کچھ پختہ ایمان والے تھے' کچھ کمزور ایمان والے تھے اور کچھ منافق بھی تھے۔ اللہ نے چاہا کہ کمزور ایمان والے بھی پوری طرح پختہ ہو جائیں' اور اگر کوئی منافق ہے تو وہ اہل ایمان سے کٹ جائے' تاکہ بحیثیت مجموعی جماعتی قوت کو کوئی ضعف نہ پہنچے۔ چنانچہ اس جنگ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمہاری صفوں میں گڈمڈ ہو جانے والے لوگوں کی تمحیص کر دی ہے' یعنی ان سب کو چھانٹ کر الگ الگ کر دیا ہے۔ ظاہر ہے عبداللہ بن اُبی اور اس کے تین سو ساتھیوں کے نفاق کا پردہ اسی آزمائش سے چاک ہوا ہے' ورنہ ان کی اصلیت مسلمانوں پر کیسے ظاہر ہوتی؟ ''بحث و تمحیص'' کی ترکیب ہم اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ بحث کا معنی ہے کریدنا اور تمحیص بمعنی الگ الگ کرنا۔

آیت ۱۴۲ ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ ''کیا تم نے سمجھا تھا کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے''

﴿وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾﴾ ''حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں ہے کہ تم میں سے کون واقعتاً (اللہ کی راہ میں) جہاد کرنے والے ہیں اور کون صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔''

گویا ع ''ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں!'' ابھی تو تمہارے لیے اس راستے میں کڑی سے کڑی منزلیں آنے والی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ مضمون ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ نوٹ کیجیے کہ زیر مطالعہ آیت کا نمبر ۱۴۲ ہے' یعنی ہندسے وہی ہیں صرف ترتیب بدلی ہوئی ہے۔

آیت ۱۴۳ ﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠﴾ ''اور تم تو موت کی تمنا کر رہے تھے اس سے پہلے کہ اُس سے ملاقات ہوتی۔''

﴿فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾﴾ ''سو اب تم نے اسے دیکھ لیا ہے اپنی آنکھوں سے۔''

یہاں روئے سخن اُن لوگوں کی طرف ہے جو نئے نئے ایمان لائے تھے اور ان میں سے خاص طور پر

نوجوانوں نے کہا تھا کہ ہمیں تو شہادت چاہیے اور یہ کہ ہم کھلے میدان میں جا کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ ان کے جذبات پر تھوڑا سا تبصرہ ہو رہا ہے کہ اُس وقت تو جوشِ قتال اور ذوقِ شہادت کا اظہار ہو رہا تھا' اب تم نے موت دیکھ لی ہے نا! تو یہ ہے موت جسے انسان اتنی آسانی کے ساتھ قبول نہیں کرتا۔

آیات ۱۴۴ تا ۱۴۸

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى
اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۴ وَمَا
كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ
يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۵ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ
كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَھُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۴۶ وَمَا كَانَ قَوْلَھُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ
اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۴۷ فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۴۸ ع ۱۵

آیت ۱۴۴ ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ﴾ ''محمد (ﷺ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔''

غزوۂ اُحد کے دوران جب یہ افواہ اڑ گئی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے تو بعض لوگ بہت دل گرفتہ ہو گئے کہ اب ہم کس لیے جنگ کریں؟ یہ کیفیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی طاری ہو گئی۔ آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر تلوار پھینک دی اور دل برداشتہ ہو کر بیٹھ گئے کہ اب ہم نے جنگ کر کے کیا لینا ہے! یہاں اس طرزِ عمل پر گرفت ہو رہی ہے کہ تمہارا یہ رویہ غلط تھا۔ محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں' وہ معبود تو نہیں ہیں۔ تم ان کے لیے جہاد نہیں کر رہے' بلکہ تم اللہ کے لیے لڑ رہے ہو' اللہ کے دین کے غلبے کے لیے اپنے جان و مال قربان کر رہے ہو۔ محمد ﷺ تو اللہ کے رسول ہیں۔

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ﴾ ''ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔''

﴿اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ﴾ ''تو کیا اگر اُن کا انتقال ہو جائے یا وہ قتل کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟''

کیا اس صورت میں تم اُلٹے پاؤں راہِ حق سے پھر جاؤ گے؟ کیا یہی تمہارے دین اور ایمان کی حقیقت ہے؟

﴿وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ﴾ ''اور جو کوئی بھی اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا۔''

﴿وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾﴾ ''ہاں اللہ بدلہ دے گا شکر کرنے والوں کو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ جذباتی انسان تھے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر حوصلہ چھوڑ گئے۔ اس سے ملتی جلتی کیفیت آپؓ پر حضور ﷺ کے انتقال کے وقت بھی طاری ہو گئی تھی۔ حضور ﷺ کے انتقال کی خبر سن کر آپؓ تلوار سونت کر بیٹھ گئے تھے کہ جو کہے گا محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں اُس کا سر اُڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ''ثانی اسلام و غار و بدر و قبر'' اُس وقت مدینہ کے مضافات میں تھے۔ خبر سن کر آپؓ آئے اور سیدھے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر چادر تھی' آپؓ نے چادر ہٹائی اور جھک کر آنحضور ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور رو دیے۔ پھر کہا: اے اللہ کے رسولؐ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! اللہ تعالیٰ آپؐ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ یعنی اب دوبارہ آپؐ پر موت وارد نہیں ہو گی' اب تو آپؐ کو حیاتِ جاودانی حاصل ہو چکی ہے۔ اس کے بعد آپؓ باہر آئے اور لوگوں سے مخاطب ہوئے۔ آپؓ کو سامنے پا کر حضرت عمرؓ بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ ''جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے' اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا اُسے معلوم ہو کہ اللہ تو زندہ ہے' جسے موت نہیں آئے گی''۔ اس کے بعد آپؓ نے سورۂ آل عمران کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾﴾ ''محمد (ﷺ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول' گزر چکے ہیں۔ تو کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ قتل کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟ اور جو کوئی بھی اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا۔ ہاں اللہ بدلہ دے گا شکر کرنے والوں کو۔'' اُس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ آیت سن کر لوگوں کو ایسے محسوس ہوا جیسے یہ آیت اُسی وقت نازل ہوئی ہو۔ (۱)

آیت ۱۴۵ ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ''اور کسی جان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مر سکے مگر اللہ کے حکم سے''

﴿كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ﴾ ''(ہر ایک کی موت کا) وقت مقرر لکھا ہوا ہے۔''

اجلِ معیّن کے ساتھ ہر ایک کا وقت طے ہے۔ لہٰذا انسان کی بہترین محافظ خود اس کی موت ہے۔ چنانچہ کسی انسان کی موت کا جو وقت مقرر ہے اس سے پہلے کوئی اس کے لیے موت نہیں لا سکتا۔

﴿وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ﴾ ''جو کوئی دنیا کا اجر و ثواب چاہتا ہے' ہم اسے اس میں

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت اذا ادرج فی کفنه، و کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قول النبی ﷺ : لو کنت متخذا خلیلا۔

سے دے دیتے ہیں۔"

﴿وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ ﴾ "اور جو واقعتاً آخرت کا اجر چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیں گے۔"

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۰۰۔۲۰۲ میں احکامِ حج کے حوالے سے آچکا ہے۔

﴿وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ١٤٥﴾ "اور شکر کرنے والوں کو ہم بھرپور جزا دیں گے۔"

آیت ۱۴۶ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ ﴾ "کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی۔"

اے مسلمانو! تمہارے ساتھ جو یہ واقعہ پیش آیا ہے وہ کوئی پہلا واقعہ تو نہیں ہے۔ اللہ کے بہت سے نبی ایسے گزرے ہیں جن کی معیت میں بہت سارے اللہ والوں نے‘ اللہ کے ماننے اور چاہنے والوں نے‘ اللہ کے دیوانوں اور متوالوں نے‘ اللہ کے غلاموں اور عاشقوں نے اللہ کے دشمنوں سے جنگیں کی ہیں۔ "رِبِّی" اور "ربانی" کا لفظ آج بھی یہودیوں کے ہاں اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

﴿فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ "تو اللہ کی راہ میں جو بھی تکلیفیں ان پر آئیں اس پر انہوں نے ہمت نہیں ہاری"

﴿وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ ﴾ "اور نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ ہی (باطل کے آگے) سرنگوں ہوئے۔"

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ١٤٦﴾ "اور اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی صابروں سے محبت ہے۔"

تو اے مسلمانو! تم بھی ایسا ہی کردار اپناؤ اور دل گرفتہ نہ ہو۔

آیت ۱۴۷ ﴿وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا﴾ "اور اُن کا تو ہر مرحلے پر یہی قول ہوتا تھا کہ وہ دعا کرتے تھے کہ اے ربّ ہمارے! بخش دے ہمیں ہمارے گناہ اور اگر ہم سے اپنے کسی معاملے میں حد سے تجاوز ہو گیا ہو تو اسے معاف فرما دے"

﴿وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ١٤٧﴾ "اور ہمارے قدموں کو جما دے اور ہماری مدد فرما کافروں کے مقابلے میں۔"

حضرت طالوت کے ساتھیوں کی بھی یہی دعا تھی اور سورۃ البقرۃ کے اختتام پر آنے والی دعا کے الفاظ بھی یہی ہیں: ﴿فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾۔

آیت ۱۴۸ ﴿فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ ﴾ "تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ثواب بھی عطا فرمایا اور آخرت کے ثواب کا بھی بہت ہی عمدہ حصہ عطا کیا۔"

انہیں دنیا کی سربلندی اور فتوحات سے بھی نوازا اور آخرت کا بہترین اجر بھی عطا فرمایا۔
﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤٨﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی محسنین کو پسند کرتا ہے۔''

آیات ۱۴۹ تا ۱۵۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾
بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا
بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ
اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ
عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا
تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا
فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً
نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَاۗىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ
الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ
اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ
كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ
صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٥٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا
مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ
عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٥٥﴾ ع ٦/٧

آیت ۱۴۹ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾ ''اے اہلِ ایمان! اگر تم ان لوگوں کا کہنا مانو گے جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی ہے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل واپس لے جائیں گے''

﴿فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾﴾ ''پھر تم بالکل نامراد ہو کے رہ جاؤ گے۔''

آیت ۱۵۰ ﴿بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ﴾ ''حقیقت یہ ہے کہ تمہارا مولیٰ تو اللہ ہے۔''

تمہیں یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ تمہارا مولیٰ' مددگار' پشت پناہ' ساتھی اور حمایتی اللہ ہے۔

﴿وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِينَ ﴿۱۵۰﴾﴾ ''اور وہی ہے جو سب سے اچھا مددگار ہے۔''

آیت ۱۵۱ ﴿سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ ''ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے''

﴿بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ﴾ ''اس سبب سے کہ انہوں نے ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جن کے حق میں اُس نے کوئی سند نہیں اُتاری۔''

﴿وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾﴾ ''اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے' اور بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے ان ظالموں کے لیے۔''

اس آیت میں دراصل توجیہہ بیان ہو رہی ہے کہ غزوۂ اُحد میں واضح برتری حاصل کر لینے کے بعد مشرکین واپس کیوں چلے گئے تھے۔ خصوصاً ایسی صورت حال میں جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پہاڑ کے اوپر چڑھ کر پناہ لینا پڑی تھی۔ اُس وقت خالد بن ولید بضد تھے کہ ہمیں مسلمانوں کا تعاقب کرنا چاہیے اور انہیں ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہیے۔ لیکن ہوا یوں کہ اُس وقت ابوسفیان کے دل میں اللہ نے رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ لشکر کو لے کر وہاں سے چلے گئے۔ ورنہ مسلمانوں کے لیے اُس وقت صورتِ حال واقعتاً بہت مخدوش ہو چکی تھی۔

آیت ۱۵۲ ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ﴾ ''اور اللہ نے تو تم سے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا جبکہ تم ان کو تہ تیغ کر رہے تھے اللہ کے حکم سے۔''

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو جو زک پہنچی تھی' اس کی وجہ سے ان کے دل شدید زخمی تھے۔ اس ضمن میں اب یہ آیت ایک قولِ فیصل کے انداز میں آئی ہے کہ دیکھو مسلمانو! تم ہم سے کوئی شکایت نہیں کر سکتے' ہم نے تم سے تائید و نصرت کا جو وعدہ کیا تھا وہ اس وقت پورا ہو گیا تھا جب تم انہیں ہمارے حکم سے گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔ اس وقت تمہیں مکمل فتح حاصل ہو گئی تھی۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ ''یہاں تک کہ جب تم ڈھیلے پڑ گئے اور امر میں تم نے جھگڑا کیا''

فَشِلْتُمْ کا ترجمہ بعض مترجمین نے کچھ اور بھی کیا ہے' لیکن میرے نزدیک یہاں اس سے مراد نظم (ڈسپلن) کو ڈھیلا کرنا ہے۔ اسلامی نظمِ جماعت میں سمع و طاعت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے' لیکن ظاہر ہے کہ سمع و طاعت کے نظام میں صرف ایک امیر کی اطاعت ہی مقصود نہیں ہوتی' بلکہ اُوپر سے لے کر نیچے تک' سپہ سالار سے لے کر لوکل کمانڈر تک' درجہ بدرجہ نظامِ سمع و طاعت کی پابندی ضروری ہے۔ جیسے فوج کا ایک سپہ سالار ہے' پھر اس کے تحت میسرہ' میمنہ' قلب' ہراول دستہ' غرض ہر یونٹ کا ایک کمانڈر ہے۔ اب اگر ان کمانڈروں کے ماتحت لوگ ان کے

احکام سے سرتابی کریں گے تو ایسی فوج کا کیا انجام ہوگا؟ چنانچہ ایک جماعت کے اندر درجہ بدرجہ جو بھی نظام سمع و طاعت ہے اس جماعت کے ارکان کے لیے اُس کی پوری پوری پابندی ضروری ہے۔ اس لیے درے میں متعین تیراندازوں پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی فرض تھی اور آپ ﷺ کے مقرر کردہ امیر (کمانڈر) کی اطاعت بھی فرض تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ، وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ، وَمَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ، وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ)) (۱)

''جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی، اور جس نے میرے نامزد کردہ امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔''

یہاں پر یہ نکتہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ درہ چھوڑنے والے تیراندازوں نے اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ان کے خیال کے مطابق حضور ﷺ کا یہ حکم شکست کی صورت میں تھا کہ اگر ہم سب بھی اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں اور تم دیکھو کہ چیلیں اور کوے ہمارا گوشت کھا رہے ہیں تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا۔ چنانچہ جب فتح ہو گئی تو انہوں نے نیک نیتی سے یہ سمجھا کہ اب وہاں ان کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے جانتے بوجھتے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے مقامی امیر (لوکل کمانڈر) کے حکم کی بہرحال خلاف ورزی کی تھی، اور میرے نزدیک یہاں ''عَصَیْتُمْ'' سے یہی حکم عدولی مراد ہے۔

﴿وَعَصَیْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ﴾ ''اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تم نے وہ چیز دیکھ لی جو تمہیں محبوب ہے۔''

﴿عَصَیْتُمْ﴾ کے بارے میں اوپر وضاحت ہو چکی ہے کہ اس سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہیں، بلکہ لوکل کمانڈر کی نافرمانی ہے۔ ﴿مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ﴾ سے اکثر مفسرین نے مالِ غنیمت مراد لیا ہے، کہ درّے پر مامور حضرات مالِ غنیمت کی طلب میں اپنی جگہ چھوڑ آئے تھے، لیکن میرے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کا قانون تو غزوۂ بدر کے بعد سورۃ الانفال میں نازل ہو چکا تھا۔ اس قانون کی رو سے اگر کوئی شخص کچھ بھی جمع نہ کرتا تب بھی اسے اس کے حصے کا مالِ غنیمت مل جاتا۔ چنانچہ یہاں ﴿مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ﴾ سے مراد دراصل ''فتح'' ہے اور اس کے لیے ''القرآن یفسّر بعضہ بعضًا'' کی رُو سے سورۃ الصّف کی یہ آیت ہماری رہنمائی کرتی ہے: ﴿وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ﴾ (آیت ۱۳) ''اور ایک اور چیز جو تمہیں بہت پسند ہے۔ اللہ کی طرف سے مدد اور قریبی فتح۔'' ظاہر ہے

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالٰی: واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ......

بندۂ مؤمن کو دنیا میں فتح ونصرت محبوب تو ہوتی ہے‘ لیکن اسے اس کو اپنا مقصود نہیں بنانا چاہیے‘ بلکہ دنیا میں اس کا مقصود اللہ کی رضا جوئی اور اپنے فرض کی ادائیگی ہے۔ باقی کامیابی یا ناکامی کے بارے میں اسے یقین رکھنا چاہیے کہ اس کا فیصلہ اللہ کی مرضی اور اس کی حکمت کے تحت ہوتا ہے۔ اللہ کب فتح لانا چاہتا ہے وہ بہتر جانتا ہے۔

﴿مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا﴾ ”تم میں سے وہ بھی ہیں جو دنیا چاہتے ہیں“

یعنی وہ خواہش رکھتے ہیں کہ دنیا میں فتح ونصرت اور کامیابی حاصل ہو جائے‘ ہمارا بول بالا ہو جائے‘ ہماری حکومت قائم ہو جائے۔

﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ﴾ ”اور تم میں وہ بھی ہیں جو صرف آخرت کے طالب ہیں۔“

﴿ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ﴾ ”پھر اللہ نے تمہارا رُخ پھیر دیا اُن کی طرف سے تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔“

پہلے وہ بھاگ رہے تھے اور تم ان کا تعاقب کر رہے تھے‘ اب معاملہ الٹا ہو گیا۔ اب تم پسپا ہو گئے اور اپنی جانیں بچانے کے لیے اِدھر اُدھر جائے پناہ ڈھونڈنے لگے۔ تمہاری یہ پسپائی تمہارے لیے آزمائش تھی۔

﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ﴾ ”اور اللہ تمہیں معاف کر چکا ہے۔“

اس دوران تم میں سے جس کسی سے جو بھی خطا ہوئی اللہ نے اسے معاف فرما دیا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۵۲﴾ ”اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے حق میں بہت فضل والا ہے۔“

آیت ۱۵۳ ﴿اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ﴾ ”یاد کرو جب کہ تم (پہاڑ پر) چڑھے چلے جا رہے تھے (جان بچانے کے لیے) اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے“

﴿وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ﴾ ”اور رسول (ﷺ) تمہیں پکار رہے تھے تمہارے پیچھے سے“

غزوۂ اُحد میں خالد بن ولید کے اچانک حملے سے یک دم بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔ اس صورت حال میں بعض صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حفاظتی حصار میں لے لیا تھا۔ انہوں نے اپنے جسموں کو ڈھال بنا کر آنحضور ﷺ کی حفاظت کی۔ بہت سے لوگ اُس وقت سراسیمہ ہو کر اپنی جان بچانے کی خاطر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ انہیں پکار پکار کر واپس بلا رہے تھے۔

﴿فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ﴾ ”تو اللہ تعالیٰ تم پر غم کے بعد غم مسلسل ڈالتا رہا“

﴿لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ﴾ ”تاکہ (آئندہ کے لیے تمہیں یہ سبق ملے کہ) تم غمگین نہ ہوا کرو اُس موقع پر کہ جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اور نہ اُس تکلیف پر کہ جو تم پر آ پڑے۔“

یعنی ع ''رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج!'' آدمی کو اگر کبھی کبھار رنج و غم کا سامنا کرنا پڑے تو اس کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے' لیکن جب پے در پے رنج و غم اٹھانے پڑیں تو غم کی شدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ دامن اُحد میں مسلمانوں کو پے در پے تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ اس دوران سب سے بڑا رنج جو پیش آیا وہ حضور ﷺ کے انتقال کی خبر تھی' جس پر کسی کو اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ رہا کہ خود اس کو کیا زخم لگا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُس وقت مسلمانوں کو پے در پے رنج و غم سے دوچار کر کے ان کی تکلیف میں ایک طرح سے تخفیف کی کیفیت پیدا کر دی۔

﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کر رہے تھے۔''

آیت ۱۵۴ ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً﴾ ''پھر اس غم کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم پر اطمینان نازل فرمایا''

﴿نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ﴾ ''یعنی وہ نیند جو تم میں سے ایک گروہ پر طاری ہو گئی''

نیند انسان کے لیے اطمینانِ قلب کا مظہر ہوتی ہے نیند کی حالت میں انسان سب کچھ بھول جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر عین حالت جنگ میں نیند کی کیفیت پیدا کر دی جو اللہ کی رحمت خاص کا مظہر تھی۔

﴿وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ ''اور ایک گروہ ایسا تھا کہ جنہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی''

﴿يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ ''وہ اللہ کے بارے میں ناحق جہالت والے گمان کر رہے تھے۔''

عبداللہ بن اُبی اور اس کے تین سو ساتھی تو راستے ہی سے واپس ہو گئے تھے۔ اس کے بعد بھی اگر مسلمانوں کی جماعت میں کچھ منافقین باقی رہ گئے تھے تو ان کا حال یہ تھا کہ اُس وقت انہیں اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ ایسی کیفیت میں انہیں اونگھ کیسے آتی؟ ان کا حال تو یہ تھا کہ ان کے دلوں میں وسوسے آ رہے تھے کہ اللہ نے تو مدد کا وعدہ کیا تھا' لیکن وہ وعدہ پورا نہیں ہوا' اللہ کی بات سچی ثابت نہیں ہوئی۔ اس طرح ان کے دل و دماغ میں خلافِ حقیقت جاہلانہ گمان پیدا ہو رہے تھے۔

﴿يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ''وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے لیے بھی اختیار میں کوئی حصہ ہے یا نہیں؟''

یہ غالباً وہ لوگ تھے جنہوں نے مشورہ دیا تھا (جیسے حضور ﷺ کی اپنی رائے بھی تھی) کہ مدینے کے اندر محصور رہ کر جنگ کی جائے۔ جب ان کے مشورے پر عمل نہ ہوا تو وہ کہنے لگے کہ ان معاملات میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے یا ساری بات محمد (ﷺ) ہی کی چلے گی؟ یہ وہ مسئلہ ہے جو ہر جماعتی زندگی کے اندر بار بار سر اٹھاتا ہے۔ جماعت کے اندر دراصل ہر شخص چاہتا ہے کہ میری بات بھی مانی جائے' میری رائے کو بھی اہمیت دی جائے۔ آخر ہم اپنے امیر ہی کی رائے کیوں مانتے چلے جائیں؟ ہمارا بھی کچھ اختیار ہے یا نہیں؟

﴿قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ﴾ ''کہہ دیجیے کہ سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔''

﴿يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کر رہے۔''

ان کے دل میں کیا ہے؟ اب اللہ کھول کر بتا رہا ہے۔

﴿يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ﴾ ''یہ (اپنے دل میں) کہتے ہیں کہ اگر اختیار میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔''

کہ اگر ہماری رائے مانی جاتی' ہمارے مشورے پر عمل ہوتا تو ہمارے اتنے لوگ یہاں پر قتل نہ ہوتے۔

﴿قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ﴾ ''ان سے کہیے کہ اگر تم سب کے سب اپنے گھروں میں بھی ہوتے''

﴿لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ﴾ ''تب بھی جن لوگوں کا قتل ہونا مقدر تھا وہ اپنی قتل گاہوں تک پہنچ کر رہتے۔''

اللہ کی مشیت میں جن کے لیے طے تھا کہ انہیں شہادت کی خلعتِ فاخرہ پہنائی جائے گی وہ خود بخود اپنے گھروں سے نکل آتے اور کشاں کشاں ان جگہوں پر پہنچ جاتے جہاں انہوں نے خلعتِ شہادت زیب تن کرنی تھی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہوتے ہیں' تمہاری تدبیر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

﴿وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ﴾ ''اور یہ (معاملہ جو پیش آیا) اس لیے تھا کہ اللہ اسے آزمالے جو کچھ تمہارے سینوں میں تھا''

﴿وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ ''اور تاکہ وہ بالکل پاک اور خالص کر دے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سینوں کے اندر مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے۔''

آیت ۱۵۵ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ﴾ ''تم میں سے وہ لوگ جو میدانِ جنگ سے چلے گئے اُس دن جب دو گروہ ایک دوسرے کے مقابلے میں آئے''

یہ ایسے مخلص حضرات کا تذکرہ ہے جو اچانک حملے کے بعد جنگ کی شدت سے گھبرا کر اپنی جان بچانے کے لیے وقتی طور پر پیٹھ پھیر گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ کوہِ اُحد پر چڑھ گئے تھے اور کچھ اس سے ذرا آگے بڑھ کر میدان ہی سے باہر چلے گئے تھے۔ ان میں بعض کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام بھی آتا ہے۔ دراصل یہ بھگدڑ مچ جانے کے بعد ایسی اضطراری کیفیت تھی کہ اُس میں کسی سے بھی کسی ضعف اور کمزوری کا اظہار ہو جانا بالکل قرین قیاس بات ہے۔

﴿اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ﴾ ''اصل میں شیطان نے ان کے پاؤں پھسلا دیے تھے ان کے بعض افعال کی وجہ سے۔''

چھوٹی موٹی تقصیر یا کوتاہی کا ہو جانا تو مخلص مسلمانوں سے بھی بعید نہیں۔ ایسا معاملہ ہر کسی کو پیش آ سکتا ہے۔ معصوم تو صرف نبی ہوتے ہیں۔ بہرحال انسانی کمزوریوں کی وجہ سے شیطان کو موقع مل جاتا ہے کہ کسی وقت وہ اڑنگا لگا کر کسی شخص کو پھسلا دے، خواہ وہ کتنا ہی نیک اور کتنا ہی صاحبِ رُتبہ ہو۔

﴿ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ ﴾ ”اور اللہ انہیں معاف کر چکا ہے۔“

یہ الفاظ بہت اہم ہیں۔ بعض گمراہ فرقے اس بات کو اچھالتے ہوئے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرتے ہیں کہ وہ میدانِ جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ گئے تھے۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی معافی کا اعلان کر چکا ہے۔ چنانچہ ان الفاظ کی موجودگی میں کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس حوالے سے کسی صحابیؓ پر زبانِ طعن دراز کرے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۵۵ ﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور بردبار ہے۔“

آیات ۱۵۶ تا ۱۸۰

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ
كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۵۶ وَلَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ
اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۱۵۷ وَلَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۱۵۸ فَبِمَا رَحْمَةٍ
مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝۱۵۹ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ
بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۶۰ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا
غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۶۱ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ
كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۶۲ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ
بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶۳ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۶۴
اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۶۵ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۶۶ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ښ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ
بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ
وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾
فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ
اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا
يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ ع ۱۷ ۸
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ
جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا
ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا
يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ
حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا
اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ
اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ
اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ
عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ
لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع ۱۸ ۹

آیت ۱۵۶ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ’’اے اہل ایمان! تم اُن لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کیا‘‘

﴿وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا

قُتِلُوْا ۚ﴾ ”اور جنہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں جبکہ وہ زمین میں سفر پر نکلے ہوئے تھے یا کسی جہاد میں شریک تھے (اور وہاں ان کا انتقال ہو گیا) کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے۔“

ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر شخص کی موت کا وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے معین ہے۔ لہٰذا وہ اگر ان کی گود میں بھی بیٹھے ہوتے تب بھی موت انہیں آ لیتی۔ موت تو بہت مضبوط پہرے والے قلعوں میں بھی پہنچ جاتی ہے۔ تو انہیں اس طرح کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ تو کافروں کے انداز کی باتیں ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے اور جنگ میں نہ جاتے تو بچ جاتے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ))(۱) ”کاش کا لفظ شیطان کے عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے“۔ یعنی یہ کہنا کہ کاش ایسے ہو جاتا تو یوں ہو جاتا‘ اس کلمہ ہی سے شیطان کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ جو ہوا اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا ہونا منظور تھا‘ اس کی حکمتیں اسے معلوم ہیں‘ ہم اس کی حکمت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

﴿لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ﴾ ”(یہ بات اس لیے ان کی زبان پر آتی ہے) تاکہ اللہ اس کو اُن کے دلوں میں حسرت کا باعث بنا دے۔“

اس قسم کی باتوں سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں حسرت کی آگ جلا دیتا ہے۔ یہ بھی گویا ان کے کفر کی سزا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ﴾ ”اور دیکھو اللہ ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے۔“

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۶﴾﴾ ”اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔“

آیت ۱۵۷ ﴿وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ﴾ ”اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤ یا ویسے ہی تمہیں موت آ جائے“

﴿لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾﴾ ”تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مغفرت اور رحمت تمہیں ملے گی وہ کہیں بہتر ہے اُن چیزوں سے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔“

اگر تم دنیا میں دس پندرہ سال اور جی لیتے تو کیا کچھ جمع کر لیتے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شہادت کی موت دے دی‘ تمہارے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو گی!

آیت ۱۵۸ ﴿وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾﴾ ”اور چاہے تم مرو یا قتل ہو‘ بہرحال اللہ ہی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے۔“

چاہے تمہیں اپنے بستروں پر موت آئے اور چاہے تم میدانِ جنگ میں جامِ شہادت نوش کرو‘ ہر حال میں تمہیں اللہ کی جناب میں حاضر کر دیا جائے گا۔ تمہاری آخری منزل تو وہی ہے۔

آیت ۱۵۹ ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ﴾ ”(اے نبی ﷺ) یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان

---

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب القدر‘ باب فی الامر بالقوۃ وترک العجز والاستعانۃ باللّٰہ۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

کے حق میں بہت نرم ہیں۔''

اس سورۂ مبارکہ کی یہ آیت جماعتی نظم کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ جماعتی زندگی میں جو لوگ صاحبِ امر ہوں' جن کے پاس ذمہ داریاں ہوں انہیں یہ خیال رہنا چاہیے کہ ان کے یہ سب ساتھی آخر انسان ہیں' وہ جذبات اور احساسات بھی رکھتے ہیں' ان کی عزتِ نفس بھی ہے' اور یہ کہ وہ ملازم نہیں' بلکہ رضا کار (volunteers) ہیں اور دینی جذبے کے تحت اکٹھے ہوئے ہیں' لہٰذا اُمراء کو اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ ہمیشہ نرم رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ جماعتی زندگی کے اس پہلو کی اہمیت کو یہاں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے حوالے سے واضح کیا جا رہا ہے کہ اے نبیؐ یہ اللہ کی رحمت کا مظہر ہے کہ آپؐ ان کے حق میں بہت نرم ہیں۔

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠﴾ ''اور اگر آپؐ تُند خُو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپؐ کے اردگرد سے منتشر ہو جاتے۔''

کسی امیر' کمانڈر یا لیڈر کی تُند خُوئی اور سخت گیری کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال کا نقشہ علامہ اقبال نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

؎ کوئی کارواں سے ٹوٹا' کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی!

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ ''پس آپ ان سے درگزر کریں''

اے نبی ﷺ! اس جنگ میں آپؐ کے بعض ساتھیوں سے اگرچہ بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے آپ لوگوں کو بہت بڑا چرکا لگا ہے' لیکن اس کے باوجود بھی آپؐ اپنے ان ساتھیوں کے لیے اپنے دل میں میل مت آنے دیجیے۔ ان کی غلطی اور کوتاہی کو اللہ نے معاف کر دیا ہے تو آپؐ بھی انہیں معاف کر دیں' اور عام حالات میں بھی آپ انہیں معاف کرتے رہا کریں۔

﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ ''اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں''

ان سے جو بھی خطا ہو جائے اس پر ان کے لیے استغفار کیا کریں۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ﴾ ''اور معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیں۔''

ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کریں کہ آئندہ ان کی کوئی بات نہیں سنی' بلکہ ان کو بھی مشورے میں شامل رکھیے۔ واضح رہے کہ مشاورت کے عمل سے جماعت کے اندر باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اس سے لوگ اطمینان محسوس کرتے ہیں کہ ہمارا امیر ہم سے مشورہ کرتا ہے' ہماری بات کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ چنانچہ مشاورت کے عمل کا تسلسل اجتماعی زندگی کے لیے بہت ضروری ہے۔

﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ﴾ ''پھر جب آپؐ فیصلہ کر لیں تو اللہ پر توکّل کریں۔''

مشورے کے بعد جب آپؐ کا دل کسی رائے پر مطمئن ہو جائے اور اس رائے کے مطابق آپؐ فیصلہ کر لیں تو اس کے بعد کسی شخص کی بات کی پروا نہ کریں' بلکہ فقط اللہ کی ذات پر توکّل کریں۔ غزوۂ اُحد سے پہلے

جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تھا' تو اُس وقت اکثر لوگوں کی رائے وہی تھی جو آنحضور ﷺ کی رائے تھی' یعنی یہ کہ مدینہ میں محصور ہو کر جنگ کی جائے۔ لیکن کچھ لوگوں نے کہا ہم تو کھلے میدان میں جنگ کرنا چاہتے ہیں' ہمیں تو شہادت کی موت چاہیے۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کی رعایت کرتے ہوئے باہر نکلنے کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ تیار ہو کر حضرت عائشہؓ کے حجرے سے باہر تشریف لائے تو خلافِ معمول آپؐ نے زِرہ پہنی ہوئی تھی اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ اس سے لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ کچھ سخت معاملہ پیش آنے والا ہے۔ چنانچہ متعلقہ لوگوں نے کہا کہ حضور ﷺ ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں' جو آپ کی رائے ہے آپ اس کے مطابق فیصلہ کیجیے۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں' اب یہ فیصلہ برقرار رہے گا۔ نبی کو یہ زیبا نہیں کہ ہتھیار باندھنے کے بعد جنگ کیے بغیر انہیں اتار دے۔ چنانچہ یہ آیت گویا نبی اکرم ﷺ کے اس طرزِ عمل کی توثیق میں نازل ہوئی کہ جب آپؐ ایک فیصلہ کر لیں تو پھر اللہ پر توکّل کرتے ہوئے اس پر استقامت اختیار کریں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ توکّل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

آیت ۱۶۰ ﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ﴾ ''(اے مسلمانو! دیکھو) اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔''

﴿وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ﴾ ''اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے (تمہاری مدد سے دست کش ہو جائے) تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد؟''

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾﴾ ''اور اللہ ہی پر توکّل کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔''

آیت ۱۶۱ ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ﴾ ''اور کسی نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ خیانت کرے۔''

غَلَّ یَغُلُّ غُلُوْلًا کے معنی ہیں خیانت کرنا' جبکہ غَلَّ یَغِلُّ غِلًّا کے معنی دل میں کینہ ہونا کے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ آنحضور ﷺ پر منافقوں نے الزام لگایا تھا کہ آپؐ نے مالِ غنیمت میں کوئی خیانت کی ہے (معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ!) یہ اس الزام کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کسی نبیؑ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ خیانت کا ارتکاب کرے۔ البتہ مولانا اصلاحی صاحبؒ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس لفظ کو صرف مالی خیانت کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ ان کی رائے میں یہ دراصل منافقین کے ان الزامات کی تردید ہے جو انہوں نے اُحد کی شکست کے بعد رسول اللہ ﷺ پر لگائے تھے کہ ہم نے تو ان پر اعتماد کیا' ان کے ہاتھ پر بیعت کی' اپنے نیک و بد کا ان کو مالک بنایا' لیکن یہ ہمارے اس اعتماد سے بالکل غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہمارے جان و مال کو اپنے ذاتی حوصلوں اور اُمنگوں کے لیے تباہ کر رہے ہیں۔ ان کا منصوبہ پورے عرب کو زیر نگیں کرنے کا ہے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے ہماری جانوں کو تختۂ مشق بنا رکھا ہے۔ یہ صریحاً قوم کی بدخواہی اور اس کے ساتھ غداری و بے وفائی ہے' وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ قرآن نے منافقین کے ان الزامات کی تردید فرمائی کہ تمہارے یہ الزامات بالکل جھوٹ ہیں' کوئی نبی اپنی اُمت کے ساتھ کبھی بے وفائی اور بدعہدی نہیں کرتا۔ نبی جو قدم بھی اٹھاتا ہے رضائے الٰہی کی طلب میں اور اس کے احکام کے تحت اٹھاتا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ﴾ ''اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ اپنی خیانت کی ہوئی چیز سمیت حاضر ہوگا قیامت کے دن۔''

اللہ تعالیٰ کے قانونِ جزا وسزا سے ایک نبی سے بڑھ کر بھلا کون باخبر ہوگا؟

﴿ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۶۱﴾ ''پھر ہر جان کو پورا پورا دے دیا جائے گا جو کچھ اُس نے کمایا ہوگا اور اُن پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔''

آیت ۵۵ کے حوالے سے نوٹ کیجیے لفظ ''تُوَفّٰى'' یہاں بھی پورا پورا دیے جانے کے معنی میں آیا ہے۔

آیت ۱۶۲ ﴿اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''تو کیا بھلا وہ شخص جس نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اُس کی مانند ہو جائے گا جو اللہ کے غضب اور غصے کو کما کر لوٹا؟''

﴿وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ﴾ ''اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''

﴿وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۶۲﴾ ''اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے پہنچنے کی۔''

آیت ۱۶۳ ﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''ان کی درجہ بندیاں ہیں اللہ کے ہاں۔''

جیسے اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکوکاروں کے درجے ہیں اسی طرح وہاں بدکاروں کے بھی درجے ہیں۔ سب بدکار برابر نہیں اور سب نیکوکار برابر نہیں۔

﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶۳﴾ ''اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

اگلی آیت کا مضمون قبل ازیں سورۃ البقرۃ میں دو مرتبہ آ چکا ہے۔ پہلی مرتبہ سورۃ البقرۃ کے پندرہویں رکوع میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں یہ مضمون بایں الفاظ آیا ہے: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ﴾ (آیت ۱۲۹) پھر اٹھارہویں رکوع کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۵۱﴾ اب یہ مضمون تیسری مرتبہ یہاں آ رہا ہے:

آیت ۱۶۴ ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''درحقیقت اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے اہل ایمان پر''

﴿اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''جب اُن میں اٹھایا ایک رسول ان ہی میں سے''

یعنی ان کی اپنی قوم میں سے۔

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ﴾ ''جو تلاوت کر کے انہیں سناتا ہے اس کی آیات''

﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ ''اور انہیں پاک کرتا ہے''

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ﴾ ''اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب و حکمت کی۔''

یہ انقلابِ نبویؐ کے منہاج کے چار بنیادی عناصر ہیں، جنہیں قرآن اسی ترتیب سے بیان کرتا ہے:

تلاوتِ آیات' تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت ۔ یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں جو ترتیب تھی' (اس دعا میں ''تزکیہ'' کا ذکر آخر میں تھا) اللہ نے اس ترتیب کو تبدیل کیا ہے۔ اس نکتے پر سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۱ کے ذیل میں گفتگو ہو چکی ہے۔

﴿وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴿۱۶۴﴾﴾ ''اور اس سے پہلے (یعنی رسول ﷺ کی آمد سے قبل) تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔''

آیت ۱۶۵ ﴿اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ﴾ ''اور کیا جب تم پر ایک مصیبت آئی' جبکہ تم اس سے دگنی مصیبت اُن کو پہنچا چکے ہو تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی؟''

یعنی یہ کیوں ہو گیا؟ اللہ نے پہلے مدد کی تھی' اب کیوں نہیں کی؟

﴿قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے یہ تمہارے اپنے نفسوں (کی شرارت کی وجہ) سے ہوا ہے۔''

غلطی تم نے کی تھی' امیر کے حکم کی خلاف ورزی تم نے کی تھی' جس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴿۱۶۵﴾﴾ ''یقیناً اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

گویا اسی مضمون کو یہاں دہرا کر لایا گیا ہے جو پیچھے آیت ۱۵۲ میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تو اپنا وعدہ پورا کر چکا تھا اور تم دشمن پر غالب بھی آ چکے تھے' مگر تمہاری اپنی غلطی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اللہ چاہتا تو تمہیں کوئی سزا نہ دیتا' بغیر سزا دیے معاف کر دیتا' لیکن اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ تمہیں سزا دی جائے۔ اس لیے کہ ابھی تو تمہاری اس تحریک کو بڑے بڑے مراحل سے گزرنا ہے۔ اگر تم اسی طرح نظم کو توڑتے رہے اور احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے تو پھر تم ایک منظم جماعت کے بجائے ایک انبوہ اور ''ہجومِ مؤمنین'' بن کر رہ جاؤ گے' جبکہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے ایک انتہائی منظم جماعت (حزب اللہ) درکار ہے۔

آیت ۱۶۶ ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ''اور جو بھی مصیبت تم پر آئی ہے اُس دن جب دونوں لشکر آپس میں بھڑ گئے تھے وہ اللہ کے اِذن سے آئی ہے''

ظاہر ہے اللہ کے اذن کے بغیر تو یہ تکلیف نہیں آ سکتی تھی۔

﴿وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۶۶﴾﴾ ''اور یہ اس لیے تھی کہ اللہ ظاہر کر دے ایمان والوں کو۔''

تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے والے حقیقی مؤمنین کون ہیں۔

آیت ۱۶۷ ﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ښ﴾ ''اور تاکہ ان لوگوں کو بھی ظاہر کر دے جنہوں نے منافقت اختیار کی۔''

''لِيَعْلَمَ'' کا معنی ہے ''تاکہ جان لے'' — لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے لہٰذا ایسے مقامات پر عموماً یوں ترجمہ کیا جاتا ہے: ''تاکہ اللہ ظاہر کر دے''۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے واقعتاً ظاہر کر دیا کہ کون مؤمن ہے

اور کون منافق! عبداللہ بن اُبی جب اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا تو ان کا نفاق سب پر ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد اہل ایمان کے لیے ان پر اعتبار کرنے اور ان کی چکنی چپڑی باتیں کان لگا کر سننے کا جواز ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش کے ذریعے واضح کر دیا کہ: Who is who & what is what?۔

﴿وَقِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا قَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوِ ادۡفَعُوۡا ؕ﴾ ''اور ان (منافقوں) سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا (کم از کم اپنے شہر کا) دفاع کرو۔''

عبداللہ بن اُبی جب اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس جا رہا تھا تو اس وقت ان سے کچھ لوگوں نے کہا ہوگا کہ بیوقوفو! کہاں جا رہے ہو؟ اس وقت تو قریش کا لشکر سامنے ہے۔ اگر ایک ہزار میں سے تین سو آدمی نکل جائیں گے تو باقی لوگوں کے دلوں میں بھی کچھ نہ کچھ کمزوری پیدا ہوگی۔ اگر تم میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو کم از کم مدینہ کے دفاع کے لیے تو کمربستہ ہو جاؤ۔ اگر مدینہ پر حملہ ہوا تو کیا ہوگا؟ اگر یہاں پر یہ لشکر شکست کھا گیا تو کیا دشمن تمہاری بہو بیٹیوں کو اپنی باندیاں بنا کر نہیں لے جائیں گے؟

﴿قَالُوۡا لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعۡنٰكُمۡ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اگر ہم سمجھتے کہ جنگ ہونی ہے تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔''

یعنی یہ تو درحقیقت نورا کشتی ہو رہی ہے' یہ حقیقت میں جنگ ہے ہی نہیں۔ یہ جو مکہ سے محمد (ﷺ) کے ساتھی (مہاجرین) آئے ہیں اور اب یہ جو مکہ ہی سے لشکر ہم پر چڑھائی کر کے آیا ہے یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور ہمارا ان سے کوئی سروکار نہیں۔

﴿هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ ۚ﴾ ''یہ لوگ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے قریب تر تھے۔''

﴿يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ﴾ ''یہ اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ ۚ﴿۱۶۷﴾﴾ ''اور اللہ اس چیز کو خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا رہے ہیں۔''

آیت ۱۶۸ ﴿اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور اپنے (شہید ہو جانے والے) بھائیوں کی نسبت کہا کہ اگر وہ بھی ہمارے ساتھ آ گئے ہوتے تو قتل نہ ہوتے۔''

﴿قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۶۸﴾﴾ ''تو (اے نبی ﷺ) ان سے کہیے کہ اگر تم (اپنے اس قول میں) سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا کر دکھا دو۔''

کیا تم کوشش کر کے اپنے آپ سے موت کو ٹال لو گے؟ اور کیا تمہارے گھروں میں تمہیں موت نہیں آئے گی؟

آیت ۱۶۹ ﴿وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ﴾ ''اور ہرگز نہ سمجھنا ان لوگوں کو جو

اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں۔''

یہ مضمون قبل ازیں سورۃ البقرۃ میں بھی آ چکا ہے:﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ ''اور مت کہواُن کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں (وہ مردہ نہیں ہیں) بلکہ زندہ ہیں' لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔''

﴿بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴾ ''بلکہ وہ تو زندہ ہیں' اپنے ربّ کے پاس رزق پا رہے ہیں۔''

آیت ۱۷۰ ﴿فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰـھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ﴾ ''شاداں وفرحاں ہیں اُس پر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے''

﴿وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ﴾ ''اور بشارت حاصل کر رہے ہیں اُن لوگوں کے بارے میں جو ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں اور ابھی اُن سے نہیں ملے''

﴿اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾ ''کہ نہ اُن پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ حزن سے دو چار ہوں گے۔''

آیت ۱۷۱ ﴿یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ ﴾ ''وہ خوشیاں منا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی وجہ سے اور اس کے فضل کی بنا پر''

﴿وَّاَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ ''اور اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔''

اب آگے جو آیات آ رہی ہیں ان کے بارے میں تاریخ وسیرت کی کتابوں میں دو قسم کی روایات ملتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفار کی فوج کے واپس چلے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بعض ضروری امور نمٹائے اور شہداء کی تدفین کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو اچانک خیال آیا کہ کفار چلے تو گئے ہیں' لیکن ہو سکتا ہے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو کہ انہوں نے مسلمانوں کو بالکل ختم کیوں نہیں کر دیا اور اس احساس کی وجہ سے وہ کہیں دوبارہ پلٹ کر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو قریش کے تعاقب کے لیے تیار ہو جانے کا حکم دیا' تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم نے ہمت نہیں ہاردی۔ اُس وقت مسلمان شدید صدمے سے دو چار تھے' ان کے جسم زخموں سے چور چور تھے' لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضور ﷺ کے اس حکم پر لبیک کہا۔ چنانچہ حضور ﷺ جاں نثاروں کی ایک جماعت کے ساتھ کفار کے تعاقب میں حمراء الاسد تک گئے جو کہ مکہ کے راستہ پر مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ ادھر ابوسفیان کو واقعتاً اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا اور وہ مقام روحاء پر اپنی فوج کی ازسرِ نو تنظیم میں مصروف تھا تاکہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ آور ہو سکے۔ اُس نے مدینہ کی طرف جانے والے ایک تاجر کو مسلمانوں کے لیے یہ پیغام بھی دیا کہ میں بہت بڑا لشکر لے کر دوبارہ آ رہا ہوں۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کے عزم وحوصلہ میں کوئی کمی نہیں آئی ہے اور وہ ان کے تعاقب میں آ رہے ہیں تو اس نے

ارادہ بدل کر لشکر کو مکہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ روایات میں یوں آتا ہے کہ ابوسفیان جاتے ہوئے مسلمانوں سے یہ کہہ گیا تھا کہ اگلے سال بدر میں پھر ہمارا مقابلہ ہوگا۔ یعنی ایک سال پہلے بدر میں جنگ ہوئی تھی' اب اُحد میں میدان لگا۔ اس کے بعد اگلے سال ہمارے اور تمہارے درمیان تیسرا مقابلہ پھر بدر میں ہوگا۔ چنانچہ اگلے سال رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر بدر تک گئے۔ یہ مہم ''بدرِ صغریٰ'' کہلاتی ہے۔ اُدھر سے ابوسفیان بھی پورے لاؤ لشکر کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ اس مرتبہ بھی کچھ لوگوں نے اہل ایمان میں خوف و ہراس پھیلانے کی کوشش کی کہ لوگو! کیا کر رہے ہو؟ قریش تو بہت بڑا لشکر لے کر آ رہے ہیں' تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکو گے! بہرحال اس پروپیگنڈا کے جواب میں مسلمانوں نے صبر و توکل کا مظاہرہ کیا اور وہ کلمات کہے جو آگے (آیت ۱۷۳ میں) آ رہے ہیں۔ تو یہ آیات مذکورہ دونوں واقعات پر منطبق ہو سکتی ہیں۔

آیت ۱۷۲ ﴿اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ﴾ ''جن لوگوں نے لبیک کہی اللہ اور رسولؐ کی پکار پر اس کے بعد کہ ان کو چرکا لگ چکا تھا۔''

یہ آیت سابقہ آیات کے تسلسل میں آئی ہے۔ یعنی اس اجرِ عظیم کے مستحق وہ لوگ ٹھہریں گے جن کے عزم و ایمان میں اُحد کی شکست کا زخم کھانے کے بعد بھی کوئی کمی نہ آئی اور جونہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے انہیں ایک تازہ مہم کے لیے پکارا گیا وہ فوراً تیار ہو گئے۔

﴿لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾﴾ ''ان میں سے جو بھی محسنین اور متقین ہیں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''

آیت ۱۷۳ ﴿اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہو گئی ہیں' پس ان سے ڈرو!''

﴿فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ﴾ ''تو اس بات نے ان کے ایمان میں اور زیادہ اضافہ کر دیا''

﴿وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾﴾ ''اور انہوں نے کہا اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔''

اُسی کا سہارا ہمارے لیے سب سے اچھا سہارا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ بے خوف ہو کر مقابلے کے لیے نکلے۔

آیت ۱۷۴ ﴿فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ﴾ ''پس وہ لوٹ آئے اللہ کی نعمت اور اُس کے فضل کے ساتھ''

ابوسفیان کو جب پتا چلا کہ محمد ﷺ ہمارے تعاقب میں آ رہے ہیں تو اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ مکہ کی راہ لی جائے۔ اسی طرح یہ آیات ''بدرِ صغریٰ'' سے متعلق روایات پر بھی منطبق ہوتی ہیں کہ ابوسفیان نے جونہی سنا کہ مسلمان ان کے مقابلے کے لیے بدر میں پہنچ چکے ہیں تو وہ لشکر کو لے کر واپس چلا گیا اور مقابلہ میں نہ آیا۔

چنانچہ لشکرِ قریش کے واپس چلے جانے کے بعد مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حضور سرخرو ہو کر خیریت سے اپنے گھروں کو لوٹے۔

﴿ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ﴾ ''ان کو کسی قسم کا بھی ضرر نہ پہنچا''

انہیں اس مہم میں کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس میں وہ پورے اُترے۔

﴿وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور انہوں نے تو اللہ کی رضا کی پیروی کی۔''

انہیں اللہ کی رضا و خوشنودی پر چلنے کا شرف حاصل ہو گیا۔

﴿وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ﴿۱۷۴﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔''

آیت ۱۷۵ ﴿ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاۗءَهٗ ۠﴾ ''(اے مسلمانو!) یہ شیطان ہے جو تمہیں ڈراتا ہے اپنے ساتھیوں سے''

وہ تو چاہتا ہے کہ اپنے ساتھیوں یعنی حزب الشیطان کا خوف تم پر طاری کر دے۔ اس کے ایک معنی یہ بھی لیے گئے ہیں کہ شیطان اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے۔ یعنی شیطان کی اس تخویف کا اثر انہی پر ہوتا ہے جو اس کے ولی ہوتے ہیں' جبکہ اولیاء اللہ پر شیطان کی طرف سے اس قسم کی وسوسہ اندازی کا اثر نہیں ہوتا۔

﴿ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ﴾ ''تو تم ان سے نہ ڈرو' مجھ سے ڈرو''

﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱۷۵﴾﴾ ''اگر تم مؤمن صادق ہو۔''

آیت ۱۷۶ ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپ کے لیے باعثِ غم نہ بنیں جو کفر کے معاملے میں بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔''

مدینہ کے یہود اور مکہ کے مشرکین ہر وقت مسلمانوں کے خلاف ساز باز میں مصروف رہتے تھے۔ کبھی یہودیوں کا کوئی وفد سردارانِ مکہ کے پاس جا کر کہتا کہ تم مسلمانوں پر چڑھائی کرو' ہم اندر سے تمہاری مدد کریں گے۔ کبھی قریش اسی طرح کی کسی پیشکش کے ساتھ یہودیوں سے رابطہ کرتے۔ گویا آج کل کی اصطلاح میں ان کے مابین یہ Diplomatic Activity مسلسل جاری رہتی تھی۔ ان حالات میں یہاں رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی وساطت سے اہل ایمان کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ آپ لوگ ان کی سرگرمیوں سے رنجیدہ نہ ہوں' ان کی ساری ریشہ دوانیوں کی حیثیت محض سیلاب کے اوپر آ جانے والے جھاگ کی سی ہے۔

﴿اِنَّھُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ﴾ ''وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔''

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَھُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ''اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے۔''

یہ گویا اللہ کے اس فیصلے کا ظہور ہے کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

﴿وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴿۱۷۶﴾﴾ ''اور اُن کے لیے تو بڑا عذاب ہے۔''

آیت ۱۷۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے ایمان ہاتھ سے دے کر کفر خرید لیا وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۷۷﴾ ''اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۱۷۸ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ﴾ ''اور مت سمجھیں یہ کافر کہ ہم انہیں جو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے حق میں بہتر ہے۔''

کافروں کو مہلت اس لیے ملتی ہے کہ وہ اپنے کفر میں اور بڑھ جائیں تا کہ اپنے آپ کو بُرے سے بُرے عذاب کا مستحق بنالیں۔ چنانچہ اگر اللہ ان کو ڈھیل دے رہا ہے تو وہ اس پر خوش نہ ہوں۔

﴿اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ﴾ ''ہم تو ان کو صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں تا کہ وہ گناہ میں اور اضافہ کر لیں۔''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۷۸﴾ ''اور ان کے لیے اہانت آمیز عذاب ہوگا۔''

آیت ۱۷۹ ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ﴾ ''اللہ وہ نہیں کہ چھوڑے رکھے مسلمانوں کو اس حالت میں جس پر تم ہو''

﴿حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ﴾ ''یہاں تک کہ وہ خبیث کو طیب سے ممیز کر دے۔''

یہ آیت بھی فلسفۂ آزمائش کے ضمن میں بہت اہم ہے۔ اس میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور صالح بندوں کو تکالیف میں کیوں ڈالتا ہے؟ حالانکہ وہ تو قادرِ مطلق ہے، وہ آنِ واحد میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ بات اللہ کی حکمت کے مطابق نہیں ہے کہ وہ تمہیں اسی حال میں چھوڑے رکھے جس پر تم ہو۔ ابھی تمہاری صفوں میں کمزور اور پختہ ایمان والے گڈمڈ ہیں، بلکہ ابھی تو منافق اور مؤمن بھی گڈمڈ ہیں۔ تو جب تک تمہاری اجتماعیت سے یہ تمام ناپاک عناصر نکال نہ دیے جائیں اُس وقت تک تم آئندہ پیش آنے والے مشکل اور کٹھن حالات کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ ابھی تو تم اپنی قوم کے لوگوں سے نبرد آزما ہو۔ مستقبل میں تمہیں سلطنتِ کسریٰ سے ٹکر لینی ہے، سلطنت روما کے مقابلے کے لیے نکلنا ہے۔ ان آزمائشوں کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری اجتماعیت کی تطہیر (purge) ہوتی رہے، یہاں تک کہ منافقین اور صادق الایمان لوگ بالکل نکھر کر علیحدہ ہو جائیں۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی طریقہ نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی خبریں بتائے''

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠﴾ ''لیکن (اس کام کے لیے) اللہ منتخب کر لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔''

وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کے حالات بھی بتاتا ہے۔ رسولوں کو غیب از خود معلوم نہیں

ہوتا' اللہ کے بتانے سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی ان آزمائشوں میں کیا حکمتیں ہیں اور ان میں تمہارے لیے کیا خیر پنہاں ہے' ہر چیز ہر ایک کو نہیں بتائی جاتی' البتہ ہم اپنے رسولوں کو غیب کی خبریں بتاتے رہتے ہیں۔

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ﴾ ''پس ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اس کے رسولوںؑ پر۔''

﴿وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٩﴾﴾ ''اور اگر تم (یہ دو شرطیں پوری کر دو گے) ایمان میں ثابت قدم رہو گے اور تقویٰ پر کاربند رہو گے تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''

آیت ۱۸۰ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ﴾ ''اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کر رہے ہیں اُس مال میں جو اللہ نے انہیں دیا ہے اپنے فضل میں سے کہ یہ بخل ان کے حق میں بہتر ہے۔''

ظاہر بات ہے جب جنگ اُحد کے لیے تیاری ہو رہی ہو گی تو حضور ﷺ نے مسلمانوں کو انفاقِ مال کی دعوت دی ہو گی تاکہ اسبابِ جنگ فراہم کیے جا سکیں۔ اُس وقت جن لوگوں نے دولت مند ہونے کے باوجود بخل کیا' یہ اشارہ ان کی طرف ہے کہ انہوں نے بخل کر کے جو اپنا مال بچا لیا وہ یہ نہ سمجھیں کہ انہوں نے کوئی اچھا کام کیا ہے۔ یہ مال اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا تھا' اس میں بخل سے کام لے کر انہوں نے اچھا نہیں کیا۔

﴿بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ﴾ ''بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے۔''

﴿سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ﴾ ''اسی مال کے طوق بنا کر ان کی گردنوں میں پہنائے جائیں گے جس میں انہوں نے بخل کیا تھا' قیامت کے دن۔''

﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی وراثت بالآخر اللہ ہی کے لیے ہے۔''

دنیا کا مال و اسباب آج تمہارے پاس ہے تو کل کسی اور کے پاس چلا جائے گا اور بالآخر سب کچھ اللہ کے لیے رہ جائے گا۔ ظاہر ہے آسمانوں اور زمین کی میراث کا حقیقی وارث تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٨٠﴾﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔''

یہاں وہ چھ رکوع مکمل ہو گئے ہیں جو غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور ان پر تبصرے پر مشتمل تھے۔ اس سورۂ مبارکہ کے آخری دو رکوعوں کے کلام کی نوعیت ''حاصل کلام'' (concluding remarks) کی ہے۔

آیات ۱۸۱ تا ۱۸۹

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا

بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ
قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ
بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ
الْقِیٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ
الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِیْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ
الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ؗ
فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ
الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ
الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ
قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع ۱۹

آیت ۱۸۱ ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ﴾ ’’اللہ نے سن لیا ہے قول ان لوگوں کا جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔‘‘

یہ بات کہنے والوں میں منافقین بھی شامل تھے اور یہودی بھی۔ جب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو انفاقِ مال کی ترغیب دیتے اور فرماتے کہ اللہ کو قرضِ حسنہ دو تو یہودی اور ان کے زیر اثر منافقین اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ ہاں اللہ فقیر ہو گیا ہے جو ہم سے قرض مانگ رہا ہے، جبکہ ہم غنی ہیں، ہمارے پاس دولت ہے۔

﴿سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا﴾ ’’ہم لکھ رکھیں گے جو کچھ انہوں نے کہا ہے‘‘

ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضگی جھلکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فوراً تو گرفت نہیں کرتا لیکن ایک وقت آئے گا جس دن انہیں اپنے اس قول کی پوری پوری سزا مل جائے گی۔ اور صرف یہی نہیں:

﴿وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ﴾ ’’اور ان کے ناحق قتل انبیاء کو بھی (ہم لکھ رکھیں گے)‘‘

یہ یہودیوں کا ذکر ہے کہ اس سے پہلے یہ لوگ جو اپنے انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں ان کا یہ جرم بھی ان کے نامۂ اعمال میں ثبت ہے۔

﴿وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۱۸۱﴾﴾ ’’اور ہم کہیں گے اب چکھو مزا اس جلا دینے والی آگ کے عذاب کا۔‘‘

آیت ۱۸۲ ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ﴾ ’’یہ سب کچھ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے‘‘

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۱۸۲﴾﴾ ’’اور اللہ تو اپنے بندوں کے حق میں ہرگز ظالم نہیں ہے۔‘‘

آیت ۱۸۳ ﴿اَلَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَاۤ﴾ ”جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے ایک عہد لے لیا تھا“

﴿اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ﴾ ”کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے آگ کھا جائے۔“

یہاں روئے سخن پھر یہود کی طرف ہو گیا ہے۔ نوعِ انسانی جب عہدِ طفولیت میں تھی تو خرقِ عادت واقعات بہت ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک یہ معمول بھی تھا کہ اگر کوئی شخص اللہ کے حضور کوئی جانور ذبح کر کے پیش کرتا تو آسمان سے ایک آگ اُترتی جو اسے بھسم کر دیتی تھی۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ یہ قربانی قبول ہو گئی۔ جیسے ہابیل اور قابیل کے قصے میں آیا ہے کہ: ﴿اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ﴾ (المائدۃ:۲۷) ”جب دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک کی قربانی قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی“۔ گویا آسمان سے اترنے والی آگ کی وجہ سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا تھا کہ کس کی قربانی قبول ہوئی ہے اور کس کی نہیں ہوئی۔ قربانی کی قبولیت سے متعلق یہ حسی علامت بنی اسرائیل کے ابتدائی دور میں بھی موجود تھی۔ اس لیے مدینہ کے یہود نے کٹ حجتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے تو اللہ نے یہ عہد لے لیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ یہ معجزہ نہ دکھائے۔ تو اگر محمد (ﷺ) واقعی رسولؐ ہیں تو یہ معجزہ دکھائیں۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے:

﴿قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ”(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے تمہارے پاس مجھ سے پہلے بہت سے رسول آ چکے ہیں واضح معجزوں کے ساتھ“

﴿وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ﴾ ”اور وہ چیز بھی لے کر آئے جس کے لیے تم کہہ رہے ہو“

انہوں نے سوختنی قربانی کا معجزہ بھی دکھایا جس کا تم مطالبہ کر رہے ہو۔

﴿فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ ”پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟“

آیت ۱۸۴ ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ﴾ ”پھر (اے نبی ﷺ) اگر وہ آپ کو جھٹلا دیں“

تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ معاملہ صرف آپؐ ہی کے ساتھ نہیں ہوا۔

﴿فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ”تو آپؐ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے“

یہ تو اس راستے کا ایک عام تجربہ ہے، جس سے آپؐ کو بھی گزرنا پڑے گا۔

﴿جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝﴾ ”جو آئے تھے واضح نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر۔“

آیت ۱۸۵ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ﴾ ”ہر ذی نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔“

موت تو ایک دن آ کر رہنی ہے۔

﴿وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ ”اور تم کو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ تو قیامت ہی کے دن دیا جائے گا۔“

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ﴾ ”تو جو کوئی بچا لیا گیا جہنم سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا۔“

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ : اے اللہ! ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرمانا!

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾﴾ ”اور یہ دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ صرف دھوکے کا سامان ہے۔“

آیت ۱۸۶ ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ﴾ ”(مسلمانو! یاد رکھو) تمہیں لازماً آزمایا جائے گا تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی۔“

یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ البقرۃ کے انیسویں رکوع میں گزر چکا ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾ (آیت ۱۵۵) ”اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور ثمرات کے نقصان سے“۔ یہاں مجہول کا صیغہ ہے کہ تمہیں لازماً آزمایا جائے گا، تمہاری آزمائش کی جائے گی تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی۔ کان کھول کر سن لو کہ یہ ایمان کا راستہ پھولوں کی سیج نہیں ہے، یہ کانٹوں بھرا بستر ہے۔ ایسا نہیں ہو گا کہ ٹھنڈے ٹھنڈے، بغیر تکلیفیں اٹھائے تمہیں جنت مل جائے گی۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۴) میں ہم یہ تنبیہ بھی پڑھ چکے ہیں: ”کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات و واقعات وارد نہیں ہوئے جو تم سے پہلوں پر ہوئے تھے......“

﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ﴾ ”اور تمہیں لازماً سننی پڑیں گی ان لوگوں سے بھی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان سے بھی جنہوں نے شرک کیا بڑی تکلیف دہ باتیں۔“

اے مسلمانو! تم لوگ یہ سب کچھ سنو اور صبر کرو۔ ابتدائی مکی دور میں رسول اللہ ﷺ کو بھی ایسی ہی ہدایات دی گئی تھیں: ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾﴾ (المزمل) ”اور ان باتوں پر صبر کیجیے جو یہ لوگ کہتے ہیں، اور وضعداری کے ساتھ ان سے الگ ہو جائیے“۔ ذرا تصور کیجیے آپ ﷺ کو کیا کچھ نہیں سننا پڑا۔ کسی نے کہہ دیا مجنون ہے، کسی نے کہہ دیا شاعر ہے، کسی نے کہا ساحر ہے، کسی نے کہا مسحور ہے۔ سورۃ الحجر کے آخر میں ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾﴾ ”(اے نبی ﷺ) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ (مشرکین) جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے آپؐ کا سینہ بھنچتا ہے“۔ ان کی زبانوں سے جو کچھ آپؐ کو سننا پڑ رہا ہے اس سے آپؐ کو تکلیف پہنچتی ہے، لیکن صبر کیجیے! وہی بات یہاں مسلمانوں سے کہی جا رہی ہے۔

﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۸۶﴾ ’’اور اگر تم صبر کرتے رہو گے (ثابت قدم رہو گے) اور تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھو گے تو بے شک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔‘‘

آیت ۱۸۷ ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ ’’اور یاد کرو جبکہ اللہ نے ان لوگوں سے ایک قول و قرار لیا تھا جن کو کتاب دی گئی تھی‘‘

﴿لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ﴾ ’’کہ تم لازماً اُسے لوگوں کے سامنے واضح کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں‘‘

﴿فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ﴾ ’’تو انہوں نے اس عہد کو پسِ پشت پھینک دیا‘‘

﴿وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ’’اور اس کی بڑی حقیری قیمت وصول کر لی۔‘‘

﴿فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝۱۸۷﴾ ’’تو بہت ہی بری شے ہے جو وہ (اس کے بدلے میں) حاصل کر رہے ہیں۔‘‘

آیت ۱۸۸ ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا﴾ ’’آپ ان کے بارے میں خیال نہ کریں جو اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں‘‘

اگر کبھی بھلائی کا کوئی کام کر لیتے ہیں‘ کسی کو کچھ دے دیتے ہیں تو اس پر بہت اتراتے ہیں‘ اکڑتے ہیں کہ ہم نے یہ کچھ کر لیا ہے۔

﴿وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا﴾ ’’اور (اس سے بھی بڑھ کر) چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں پر جو انہوں نے کیے ہی نہیں‘‘

آج کل اس کی سب سے بڑی مثال سپاس نامے ہیں‘ جو تقریبات میں مدعو شخصیات کو پیش کیے جاتے ہیں۔ ان سپاس ناموں میں ان حضرات کے ایسے ایسے کارہائے نمایاں بیان کیے جاتے ہیں جو ان کی پشتوں میں سے بھی کسی نے نہ کیے ہوں۔ اس طرح ان کی خوشامد اور چاپلوسی کی جاتی ہے اور وہ اسے پسند کرتے ہیں۔

﴿فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ﴾ ’’تو آپ ان کے بارے میں یہ خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔‘‘

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۸۸﴾ ’’اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘

آیت ۱۸۹ ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ’’اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۸۹﴾ ’’اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

آیات ۱۹۰ تا ۲۰۰

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ
يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا
مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ
أَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْإِيْمَانِ أَنْ اٰمِنُوْا
بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا
وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ
أَنِّيْ لَآ أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا
وَأُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ
الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ
وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ أُولٰۗئِكَ
لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا
وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

سورۂ آل عمران کا آخری رکوع قرآن مجید کے عظیم ترین مقامات میں سے ہے۔ اس کی پہلی چھ آیات کے بارے میں روایت آتی ہے کہ جس شب میں یہ نازل ہوئیں' اُس پوری رات حضور ﷺ پر رقت طاری رہی اور آپ ﷺ کھڑے' بیٹھے' لیٹے ہوئے روتے رہے۔ نمازِ تہجد کے دوران بھی آپؐ پر رقت طاری رہی۔ پھر آپؐ نے بہت طویل سجدہ کیا' اس میں بھی گریہ طاری رہا اور سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر آپؐ کچھ دیر لیٹے رہے لیکن وہ کیفیت برقرار رہی۔ یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب فجر کی نماز کی اطلاع دینے کے لیے حاضر ہوئے اور آپؐ کو اس کیفیت میں دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے بلال' میں کیوں نہ روؤں' آج کی شب میرے ربّ نے مجھ پر یہ آیات نازل فرمائی ہیں''۔ پھر آپؐ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی (اس روایت کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے) یعنی گریہ اور رقت کی وہ کیفیت شکر کے جذبے کے تحت تھی۔

یہاں یہ نکتہ بھی نوٹ کیجیے کہ سورۂ آل عمران کے بیسویں رکوع اور سورۃ البقرۃ کے بیسویں رکوع کا آغاز ایک جیسی آیات اور ایک جیسے الفاظ سے ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ کے بیسویں رکوع کی پہلی آیت کے الفاظ یہ ہیں: ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ اسی ''آیت الآیات'' کا خلاصہ یہاں آ گیا ہے:

آیت ۱۹۰ ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ﴾ ''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں''

﴿لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾﴾ ''ہوش مند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۶۴ ان الفاظ پر ختم ہوئی تھی: ﴿لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ ''ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں''۔ یہاں ان لوگوں کو ''اُولوا الالباب'' کا نام دیا گیا۔ یہ ہدایت کا پہلا قدم ہے کہ کائنات کو دیکھو، مظاہر فطرت کا مشاہدہ کرو ؎

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

یہ سب آیاتِ الٰہیہ ہیں، ان کو دیکھو اور اللہ کو پہچانو۔ اگلا قدم یہ ہے کہ جب اللہ کو پہچان لو تو اب اُسے یاد رکھو۔ یعنی ؎

نقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر!

آیت ۱۹۱ ﴿الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ﴾ ''جو اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں، کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور اپنے پہلوؤں پر بھی''

﴿وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور مزید غور و فکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں۔''

اس غور و فکر سے وہ ایک حتمی نتیجے پر پہنچتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ ''اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد تو پیدا نہیں کیا ہے۔''

ظاہر ہے ایسے غور و فکر کے بعد لازماً انسان کا ذہن اپنی طرف منتقل ہوتا ہے کہ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ میں کس لیے پیدا کیا گیا ہوں؟ کیا میری زندگی بس یہی ہے کہ کھاؤ پیو، اولاد پیدا کرو اور دنیا سے رخصت ہو جاؤ؟ اس طرح جب انسان اپنی زندگی اور دنیا کے نظام پر غور کرتا ہے تو وہ بالآخر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ انسان کی دنیوی

زندگی ادھوری اور نامکمل ہے‘ اس لیے کہ اس دنیا میں نہ تو انسانی اعمال کے نتائج سامنے آتے ہیں اور نہ ہی انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ ملتا ہے۔ بلکہ اس دنیا میں تو اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ نیکوکار فاقوں سے رہتے ہیں اور بدکار عیش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہونی چاہیے‘ اس دنیا کے علاوہ کوئی اور دنیا ہونی چاہیے جس میں انسان کو اچھے برے اعمال کا بھرپور بدلہ ملے اور مکافاتِ عمل ہو۔ لہٰذا صاحبِ شعور لوگ (اُولوا الالباب) زمین و آسمان کی تخلیق پر غور وفکر کے بعد بے اختیار پکار اٹھتے ہیں:

﴿سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾﴾ ”تو پاک ہے (اس سے کہ کوئی عبث کام کرے) پس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے!“

تو نے یقیناً ایک دوسری دنیا تیار کر رکھی ہے‘ جس میں جزا و سزا کے لیے جنت بھی ہے اور جہنم بھی!

آیت ۱۹۲ ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَہٗ ؕ﴾ ”اے ہمارے ربّ! جس کو تو نے داخل کر دیا آگ میں بے شک اس کو تُو نے رسوا کر دیا۔“

﴿وَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾﴾ ”اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔“

آیت ۱۹۳ ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا﴾ ”اے ہمارے ربّ! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا“

﴿یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا ٭ۖ﴾ ”جو ایمان کی ندا دے رہا تھا کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر‘ تو ہم ایمان لے آئے۔“

ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے اس اقرار کے بعد ایسے لوگوں کے کانوں میں جونہی کسی نبی یا رسول کی پکار آتی ہے تو وہ بلا تامل فوراً لبیک کہتے ہیں‘ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول کرلی‘ اس لیے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت تک تو وہ خود اپنی عقل اور فکر کے ذریعے پہنچ چکے تھے۔ یہاں سورۃ الفاتحہ کے مضامین کو بھی ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ ایسے اولوا الالباب لوگ اپنی سلامتیٔ طبع‘ سلامتیٔ فطرت اور سلامتیٔ عقل کی رہنمائی میں جب اللہ کو پہچان لیتے ہیں‘ آخرت کو پہچان لیتے ہیں اور یہ بھی طے کر لیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی بندگی ہی کا راستہ اختیار کرنا ہے‘ تو اس کے بعد وہ نبوت و رسالت کی راہنمائی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں‘ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور دستِ سوال دراز کرتے ہیں: ﴿اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴾ کہ اے اللہ! اب تو ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما۔ یہاں بھی یہی مضمون ہے کہ اب ایسے شخص کے سامنے اگر کسی نبی کی دعوت آئے گی تو اُس کا ردِّعمل کیا ہوگا۔ اب آگے ایک بڑی پیاری دُعا آ رہی ہے۔ یہ اُس دُعا سے جو سورۃ البقرہ کے آخر میں آئی تھی بعض پہلوؤں سے کہیں زیادہ عظیم ہے۔

﴿رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا﴾ ”اے ہمارے ربّ‘ ہمارے گناہ بخش دے!“

﴿وَ کَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا﴾ ”اور ہماری برائیاں ہم سے دُور کر دے!“

ہمارے نامۂ اعمال کے دھبے بھی دھو دے اور ہمارے دامنِ کردار پر جو داغ ہیں وہ بھی صاف کر دے۔

﴿وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾﴾ ''اور ہمیں وفات دیجیو اپنے نیکوکار (اور وفادار) بندوں کے ساتھ۔''

آیت ۱۹۴ ﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ﴾ ''اے ہمارے رب' ہمیں عطا فرما وہ سب کچھ جس کا تو نے وعدہ کیا ہے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے سے''

﴿وَلَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ﴾ ''اور ہمیں رسوا نہ کیجیو قیامت کے دن۔''

﴿اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾﴾ ''یقیناً تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔''

ہمیں شک ہے تو اس بات میں کہ آیا ہم تیرے ان وعدوں کے مصداق ثابت ہو سکیں گے یا نہیں۔ لہٰذا تو اپنی شانِ غفاری سے ہماری کوتاہیوں کی پردہ پوشی کرنا اور ہمیں وہ سب کچھ عطا کر دینا جس کے بارے میں تُو نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے وعدہ کیا ہے۔

آیت ۱۹۵ ﴿فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ﴾ ''تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی''

یہ ہے دعا کی قبولیت کی انتہا کہ اس دعا کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کا اعلان ہو رہا ہے۔

﴿اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ﴾ ''کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے کسی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں' خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔''

﴿بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ﴾ ''تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔''

ایک ہی باپ کے نطفے سے بیٹا بھی ہے اور بیٹی بھی' اور ایک ہی ماں کے رحم میں بیٹا بھی پلا ہے اور بیٹی بھی۔

﴿فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ﴾ ''سو جنہوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے''

﴿وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ﴾ ''اور جنہیں میری راہ میں ایذائیں پہنچائی گئیں''

﴿وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا﴾ ''اور جنہوں نے (میری راہ میں) جنگ کی اور جانیں بھی دے دیں''

﴿لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ﴾ ''میں لازماً اُن سے اُن کی برائیوں کو دور کر دوں گا''

ان کے نامۂ اعمال میں اگر کوئی دھبے ہوں گے تو انہیں دھو دوں گا۔

﴿وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ﴾ ''اور لازماً داخل کروں گا انہیں ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

﴿ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور یہ بدلہ ہو گا اللہ کے پاس سے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے خاص خزانۂ فضل سے۔

﴿وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾﴾ ''اور بہترین بدلہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

اب ہم اس سورت کی آخری پانچ آیات کا مطالعہ کریں گے۔ ان آیات کی حیثیت اس سورۂ مبارکہ کے

تمام مباحث پر ''خاتمۂ کلام'' کی ہے۔ یاد رہے کہ اس سورت میں اہلِ کتاب کا عمومی ذکر بھی ہوا ہے اور یہود و نصاریٰ کا الگ الگ بھی۔ پھر اس میں اہلِ ایمان کا ذکر بھی ہے اور مشرکین کا بھی۔ اب فرمایا:

آیت ۱۹۶ ﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے ان کافروں کی چلت پھرت شہروں کے اندر۔''

یہ کافر جو اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر بھاگ دوڑ کر رہے ہیں' اور اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے سازشیں کر رہے ہیں' جمعیتیں فراہم کر رہے ہیں' اس سے آپؐ کسی دھوکے میں نہ آئیں' کسی مغالطے کا شکار نہ ہوں' ان کی طاقت کے بارے میں کہیں آپؐ مرعوب نہ ہو جائیں۔

آیت ۱۹۷ ﴿مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۟﴾ ''یہ تو بس تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے''

یہ تو محض چند روزہ زندگی کے لیے ہم نے انہیں کچھ ساز و سامان دے دیا ہے۔

﴿ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ﴾ ''پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔''

﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾﴾ ''اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔''

آیت ۱۹۸ ﴿لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ﴾ ''اس کے برعکس جن لوگوں نے اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کیا''

﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''ان کے لیے باغات ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی' جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے''

﴿نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''یہ (ان کے لیے) ابتدائی مہمان نوازی ہوگی اللہ کی طرف سے۔''

﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾﴾ ''اور مزید جو اللہ کے پاس ہے وہ کہیں بہتر ہے نیکوکاروں کے لیے۔''

جنت کی اصل نعمتیں تو بیان میں آ ہی نہیں سکتیں۔ ان کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیث یاد رکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى : اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ)) (۱)

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے (جنت میں) وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا' اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال ہی گزرا۔''

چنانچہ قرآن و حدیث میں جنت کی جن نعمتوں کا تذکرہ ہے ان کی حیثیت اہل جنت کے لیے نُزُل (ابتدائی مہمان نوازی) کی ہوگی۔

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق' باب ما جاء فی صفة الجنة وانها مخلوقة' و کتاب تفسیر القرآن' باب قوله فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها۔

آیت ۱۹۹ ﴿وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ﴾ ''اور بے شک اہلِ کتاب میں وہ بھی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر''

﴿ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ﴾ ''اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو ان کی طرف نازل کیا گیا''

﴿خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ ۙ﴾ ''وہ اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں''

ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے' وہ عاجزی اور تواضع اختیار کرتے ہیں۔

﴿لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ﴾ ''وہ اللہ کی آیات کو حقیر سی قیمت پر فروخت نہیں کرتے۔''

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ﴾ ''ایسے ہی لوگوں کا اجران کے رب کے پاس محفوظ ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾﴾ ''یقیناً اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔''

وہ حساب لینے میں دیر نہیں لگاتا۔ آخری آیت پھر بہت جامع ہے:

آیت ۲۰۰ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا﴾ ''اے اہلِ ایمان! صبر کرو اور صبر میں اپنے دشمنوں سے بڑھ جاؤ''

مصابرت بابِ مفاعلہ سے ہے اور اس باب میں مقابلے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ صبر کے معنی ہیں برداشت کرنا اور ثابت قدم رہنا' جبکہ مصابرت کے معنی صبر و استقامت میں دشمن سے بڑھ جانے کے ہیں۔ یعنی اے مسلمانو! صبر تو تمہارے دشمن بھی کر رہے ہیں۔ تمہیں آج چرکا لگا ہے تو انہیں ایک سال پہلے ایسا ہی چرکا لگا تھا۔ اتنے بڑے چرکے کے بعد جب وہ ایک سال کے اندر پھر چڑھائی کر کے آ گئے ہیں تو تم اپنا دل غمگین کر کے کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ تمہیں تو ان سے بڑھ کر صبر کرنا ہے' ان سے بڑھ کر قربانیاں دینی ہیں' تبھی تو تم اللہ کے سچے وفادار ثابت ہو گے۔

﴿ وَرَابِطُوۡا ۟﴾ ''اور مربوط رہو۔''

مرابطہ پہرے کو بھی کہتے ہیں اور نظم و ضبط (discipline) کی پابندی کرتے ہوئے باہم جڑے رہنے کو بھی۔ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو شکست نظم کے ڈھیلے پن اور سمع و طاعت میں کوتاہی کے باعث ہوئی تھی۔ لہٰذا یہاں صبر و مصابرت کے ساتھ ساتھ نظم کی پابندی اور باہم مربوط رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

یہ آخری اور اہم ترین چیز ہے۔ یہ سب کچھ کرو گے تو فلاح ملے گی۔ ایسے ہی گھر بیٹھے تم فوز و فلاح سے ہمکنار نہیں ہو سکو گے۔

بارك الله لى ولكم فى القرآنِ العظيم ۔ ونفعنى وايلكم بالآيات والذكر الحكيم○○

بیان القرآن

سُورَۃُ النِّسَآء

(۴)

سُوْرَةُ النِّسَآءِ

تمہیدی کلمات

قرآن مجید میں مکی اور مدنی سورتوں کے جو گروپ ہیں ان میں سے پہلا گروپ پانچ سورتوں پر مشتمل ہے۔ اس گروپ میں مکی سورۃ صرف سورۃ الفاتحہ ہے' جو حجم میں بہت چھوٹی مگر معنی ومفہوم اور عظمت وفضیلت میں بہت بڑی ہے۔ اس کے بعد چار سورتیں مدنی ہیں: البقرۃ' النساء' آل عمران اور المائدۃ۔ یہ چار سورتیں دو دو سورتوں کے دو جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ پہلا جوڑا سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کا ہے' اور انہیں خود رسول اللہ ﷺ نے ایک مشترک نام دیا ہے "اَلزَّهْرَاوَيْن"۔ ان دو سورتوں میں باہم جو مناسبتیں اور مشابہتیں ہیں وہ ان کے مطالعہ کے دوران تفصیل کے ساتھ ہمارے سامنے آتی رہی ہیں۔

اب ہم مدنی سورتوں کے دوسرے جوڑے یعنی سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ کا مطالعہ کرنے جا رہے ہیں۔ ان دو جوڑوں میں ایک نمایاں فرق (contrast) یہ نظر آئے گا کہ سابقہ دونوں سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے اور اس کے فوراً بعد دونوں میں قرآنِ مجید اور کتبِ سماویہ کی عظمت کا بیان ہے' جبکہ زیرِ مطالعہ دونوں سورتوں میں اس طرح کی کوئی تمہیدی گفتگو نہیں ہے' بلکہ ان میں براہِ راست خطاب ہو رہا ہے۔ البتہ نسبتِ زوجیت کے اعتبار سے زیر مطالعہ سورتوں کے بارے میں یہ نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ سورۃ النساء کے آغاز میں صیغۂ خطاب "يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ" (اے لوگو) ہے' یعنی خطاب عام ہے' جبکہ سورۃ المائدۃ کا آغاز "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا" کے صیغے سے ہوتا ہے' یعنی سورۃ المائدہ میں خطاب خاص طور پر انسانوں میں سے اُن لوگوں سے ہے جو ایمان کے دعوے دار ہیں۔ باقی جس طرح سورۃ البقرۃ اور سورۂ آلِ عمران نصفین میں منقسم ہیں اس طرح کا معاملہ ان دونوں سورتوں کا نہیں ہے۔

اپنے اسلوب کے اعتبار سے یہ دونوں سورتیں سورۃ البقرۃ کے نصفِ ثانی کے مشابہ ہیں۔ یعنی ان میں بھی مختلف مضامین کی لڑیاں ایک ساتھ چل رہی ہیں' لیکن یہ لڑیاں ایک رسّی کی طرح آپس میں اس طرح بٹی ہوئی اور گتھی ہوئی ہیں کہ دیکھنے والے کو مسلسل نہیں بلکہ کٹواں نظر آتی ہیں۔ ظاہر ہے اگر آپ چار مختلف رنگوں کی لڑیوں کو آپس میں بٹ کر رسّی کی شکل دے دیں تو ان میں سے کوئی سا رنگ بھی مسلسل نظر نہیں آئے گا' بلکہ باری باری چاروں رنگ نظر آتے رہیں گے۔ لیکن اگر آپ اس رسّی کو کھول دیں گے تو ہر ایک لڑی الگ ہو جائے گی اور چاروں رنگ الگ الگ نظر آئیں گے۔ سورۃ البقرۃ کے نصفِ ثانی کے مضامین کے بارے میں قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ یہ مضامین مختلف رنگوں کی چار لڑیوں کی طرح ہیں' جن میں دو کا تعلق شریعت سے

ہے اور دو کا جہاد فی سبیل اللہ سے۔ شریعت کی دو لڑیوں میں سے ایک لڑی عبادات کی اور دوسری معاملات کی ہے‘ جبکہ جہاد فی سبیل اللہ کی لڑیوں میں سے ایک لڑی جہاد بالمال یعنی انفاق فی سبیل اللہ کی اور دوسری جہاد بالنفس کی آخری شکل یعنی قتال فی سبیل اللہ کی ہے۔

سورۃ النساء کے مضامین بھی مختلف رنگوں کی باہم گتھی ہوئی تین لڑیوں کی مانند ہیں۔ مضامین کی یہ تین لڑیاں خطاب کے اعتبار سے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک لڑی تو وہ ہے جس میں خطاب اہل ایمان سے ہے‘ اور سورۃ البقرۃ کی طرح اس کے ذیل میں وہی چار چیزیں آ رہی ہیں: قتال‘ انفاق‘ احکامِ شریعت اور عبادات۔ دوسری لڑی اہل کتاب سے خطاب کی ہے اور اس میں نصاریٰ اور یہود دونوں شامل ہیں۔ پہلی دو سورتوں (سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران) میں یہود و نصاریٰ کا معاملہ علیحدہ علیحدہ تھا‘ جبکہ اس سورۃ میں اہل کتاب کے عنوان سے ان دونوں سے ایک ساتھ خطاب ہوتا ہے۔ مضمون کی تیسری لڑی اس سورۂ مبارکہ کا وہ سب سے بڑا حصہ ہے جو منافقین سے خطاب پر مشتمل ہے‘ لیکن اکثر و بیشتر لوگ اس اندازِ خطاب کو سمجھ نہیں پاتے۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں منافقین کو بھی ’’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا‘‘ کے صیغے سے ہی مخاطب کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ پورے قرآن میں کہیں بھی ’’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا‘‘ کے الفاظ نہیں آئے۔ قرآن مجید میں صیغہ خطاب ’’یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ‘‘ بھی ہے‘ ’’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا‘‘ بھی ہے اور ’’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا‘‘ بھی‘ لیکن ’’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا‘‘ کہیں نہیں ہے۔ اس لیے کہ منافقین بھی قانوناً تو مسلمان ہی تھے۔ چنانچہ یہ پہچاننے کے لیے بڑی گہری نظر کی ضرورت ہے کہ ’’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا‘‘ کے الفاظ میں کس مقام پر روئے سخن مؤمنین صادقین کی طرف ہے اور کس مقام پر منافقین کی طرف۔ اگر یہ فرق ملحوظ نہ رکھا جائے تو بعض مقامات پر بڑی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ مثلاً سورۃ التوبۃ کا یہ مقام ملاحظہ کیجیے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ ط﴾ (آیت ۳۸) ’’اے اہلِ ایمان! تمہیں کیا ہو جاتا ہے جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو تم زمین میں دھنسے جاتے ہو؟‘‘ اس اندازِ تخاطب سے ایک سوءِ ظن پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید یہ عام مسلمانوں کا حال تھا۔ حالانکہ اس طرزِ عمل کا مظاہرہ مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ منافقین کی طرف سے ہوتا تھا‘ چنانچہ یہاں روئے سخن مسلمانوں کی طرف نہیں منافقین کی طرف ہے۔ مؤمنین صادقین میں سے تو ہر کوئی ہر وقت اپنے مال و جان کو ہتھیلی پر رکھے اس شعر کی عملی تصویر نظر آتا تھا: ؎

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا
تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی!

منافقین سے خطاب کے اعتبار سے یہ سورۂ مبارکہ بہت اہم ہے۔ اس لیے کہ سورۃ البقرۃ میں تو لفظ نفاق کہیں آیا ہی نہیں۔ اس حوالے سے حکمت خداوندی شاید یہی تھی کہ اس مرض کو پہلے چھپا کر رکھا جائے اور ابتدا میں اس کی صرف علامات بیان کر دی جائیں تاکہ جو کوئی بھی اپنے اندر ان علامات کو دیکھے وہ متنبہ ہو جائے اور اپنے علاج کی فکر کرے۔ لیکن جو لوگ اس طرح متوجہ نہیں ہوئے انہیں تدریجاً نمایاں کیا گیا۔ چنانچہ

سورۂ آلِ عمران میں ایک دو جگہ نفاق کا لفظ آ گیا۔ لیکن اب یہاں سورۃ النساء کا بڑا حصہ منافقین سے خطاب پر مشتمل ہے۔ اس ضمن میں میرا تجزیہ یہ ہے کہ اس سورت کی ۱۷۶ آیات میں سے ۵۵ آیات میں روئے سخن مؤمنین صادقین کی طرف ہے' ۳۷ آیات میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے مشترک طور پر خطاب ہے' جبکہ ۸۴ آیات میں خطاب منافقین سے ہے۔ لیکن یاد رہے کہ انہیں جہاں بھی مخاطب کیا گیا ہے: ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے صیغے میں کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ایمان کے دعوے دار تو وہ بھی تھے۔ منافق وہی تو ہوتا ہے جو ایمان کا دعویٰ کرتا ہے مگر حقیقت میں ایمان سے تہی دامن ہوتا ہے' چاہے وہ شعوری طور پر منافق ہو چاہے غیر شعوری طور پر۔

سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ کے مابین مضامین کی تقسیم کا یہ پہلو بھی مدنظر رہے کہ انسانی تمدن اور معاشرت کی بنیادی سطح کے معاملات کے بارے میں زیادہ تر احکام سورۃ النساء میں آئے ہیں جبکہ اعلیٰ ترین (ریاستی اور حکومتی) سطح کے مسائل سے متعلق ہدایات سورۃ المائدۃ میں دی گئی ہیں۔ انسانی تمدن کی بنیاد معاشرے پر ہے اور معاشرے کی بنیادی اکائی (unit) خاندان ہے جو ایک عورت اور ایک مرد کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے وجود میں آتا ہے۔ گویا انسانی تمدن و معاشرت کے زیادہ تر بنیادی مسائل گھریلو زندگی سے متعلق ہیں۔ یہ مسائل و معاملات سورۃ البقرۃ میں بہت تفصیل سے زیر بحث آئے ہیں' جبکہ سورۃ النساء میں اس موضوع سے متعلق کچھ مزید احکام وارد ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں اس سورت میں معاشرے کے کمزور اور دبے ہوئے افراد کے حقوق کے تحفظ اور جنسی نظم وضبط (sex-discipline) کی ترویج جیسے بنیادی اہمیت کے حامل معاملات کے بارے میں بھی اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ دوسری طرف سورۃ المائدۃ میں ریاستی معاملات کے خدوخال' عدالتی نظام کے قواعد وضوابط اور چوری وراہزنی جیسے جرائم سے متعلق حدود وتعزیرات کا ذکر ملتا ہے۔

پہلے گروپ کی ان چار مدنی سورتوں کے مضامین کا یہ عمومی نقشہ ایک مرتبہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ ان سورتوں میں دو مضمون متوازی چلتے ہیں۔ پہلا مضمون شریعت اسلامی کا ہے جس کے بارے میں ابتدائی خاکہ سورۃ البقرۃ میں دیا گیا ہے اور کچھ مزید احکام سورۃ النساء میں آئے ہیں۔ جبکہ شریعت کے تکمیلی احکام سورۃ المائدۃ میں بیان ہوئے ہیں۔ سورۂ آل عمران اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس میں شریعت کے احکام نہیں ہیں سوائے سود کے بارے میں اس ایک حکم کے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ (آیت ۱۳۰)۔

ان سورتوں کا دوسرا اہم مضمون اہل کتاب سے خطاب ہے اور وہ بھی تدریجاً آگے بڑھتے ہوئے سورۃ المائدۃ میں اپنی تکمیلی صورت کو پہنچتا ہے۔ چنانچہ اہل کتاب سے آخری اور فیصلہ کن باتیں سورۃ المائدۃ میں ملتی ہیں۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد اب ہم اس سورۂ مبارکہ کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

آیات ۱ تا ۱۰

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا
رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ
رَقِيْبًا ۝۱ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى
اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ
مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ
نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا ۝۴ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ
فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ
اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ
وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ
اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ
وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ
نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ
وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا
عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا
يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰ ع ۱

آیت ۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ”اے لوگو اپنے اس رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا“

دیکھئے معاشرتی مسائل کے ضمن میں گفتگو اس بنیادی بات سے شروع کی گئی ہے کہ اپنے خالق و مالک کا تقویٰ اختیار کرو۔

﴿وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ ”اور اُسی سے اس کا جوڑا بنایا“

نوٹ کیجیے کہ یہاں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ''اُس نے تمہیں ایک آدم سے پیدا کیا اور اُسی (آدم) سے اس کا جوڑا بنایا''، بلکہ ''نَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ'' (ایک جان) کا لفظ ہے۔ گویا اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ عین آدمؑ ہی سے ان کا جوڑا بنایا گیا ہو' جیسا کہ بعض روایات سے بھی اشارہ ملتا ہے' اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آدم کی نوع سے ان کا جوڑا بنایا گیا' جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے۔ اس لیے کہ نوع ایک ہے' جنسیں دو ہیں۔ انسان (Human beings) نوع (species) ایک ہے' لیکن اس کے اندر ہی سے جو جنسی تفریق (sexual differentiation) ہوئی ہے' اس کے حوالے سے اس کا جوڑا بنایا ہے۔

﴿وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً﴾ ''اور ان دونوں سے پھیلا دیے (زمین میں) کثیر تعداد میں مرد اور عورتیں۔''

''مِنۡهُمَا'' سے مراد یقیناً آدم وحوا ہیں۔ یعنی اگر آپ اس تمدنِ انسانی کا سراغ لگانے کے لیے پیچھے سے پیچھے جائیں گے تو آغاز میں ایک انسانی جوڑا (آدم وحوا) پائیں گے۔ اس رشتہ سے پوری نوعِ انسانی اس سطح پر جا کر رشتۂ اخوت میں منسلک ہو جاتی ہے۔ ایک تو سگے بہن بھائی ہیں۔ دادا دادی پر جا کر cousins کا حلقہ بن جاتا ہے۔ اس سے اوپر پڑدادا پڑدادی پر جا کر ایک اور وسیع حلقہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح چلتے جایئے تو معلوم ہوگا کہ پوری نوعِ انسانی بالآخر ایک جوڑے (آدم وحوا) کی اولاد ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ﴾ ''اور تقویٰ اختیار کرو اُس اللہ کا جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو' اور رحمی رشتوں کا لحاظ رکھو۔''

تقویٰ کی تاکید ملاحظہ کیجیے کہ ایک ہی آیت میں دوسری مرتبہ پھر تقویٰ کا حکم ہے۔ فرمایا کہ اُس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ فقیر بھی مانگتا ہے تو اللہ کے نام پر مانگتا ہے' اللہ کے واسطے مانگتا ہے' اور اکثر و بیشتر جو تمدنی معاملات ہوتے ہیں ان میں بھی اللہ کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ گھریلو جھگڑوں کو جب نمٹایا جاتا ہے تو آخر کار کہنا پڑتا ہے کہ اللہ کا نام مانو اور اپنی اس ضد سے باز آ جاؤ! تو جہاں آخری اپیل اللہ ہی کے حوالے سے کرنی ہے تو اگر اُس کا تقویٰ اختیار کرو تو یہ جھگڑے ہوں گے ہی نہیں۔ اُس نے اس معاشرے کے مختلف طبقات کے حقوق معین کر دیے ہیں' مثلاً مرد اور عورت کے حقوق' ربّ المال اور عامل کے حقوق' فرد اور اجتماعیت کے حقوق وغیرہ۔ اگر اللہ کے احکام کی پیروی کی جائے اور اس کے عائد کردہ حقوق و فرائض کی پابندی کی جائے تو جھگڑا نہیں ہوگا۔

مزید فرمایا کہ رحمی رشتوں کا لحاظ رکھو! جیسا کہ ابھی بتایا گیا کہ رحمی رشتوں کا اوّلین دائرہ بہن بھائی ہیں' جو اپنے والدین کی اولاد ہیں۔ پھر دادا دادی پر جا کر ایک بڑی تعداد پر مشتمل دوسرا دائرہ وجود میں آتا ہے۔ یہ رحمی رشتے ہیں۔ انہی رحمی رشتوں کو پھیلاتے جایئے تو کُل بنی آدم اور کُل بناتِ حوا سب ایک ہی نسل سے ہیں' ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا ①﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔''

یہ تقویٰ کی روح ہے۔ اگر ہر وقت یہ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے‘ میرا ہر عمل اُس کی نگاہ میں ہے‘ کوئی عمل اُس سے چھپا ہوا نہیں ہے تو انسان کا دل اللہ کے تقویٰ سے معمور ہو جائے گا۔ اگر یہ استحضار رہے کہ چاہے میں نے سب دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیں اور پردے گرا دیے ہیں لیکن ایک آنکھ سے میں نہیں چھپ سکتا تو یہی تقویٰ ہے۔ اور اگر تقویٰ ہوگا تو پھر اللہ کے ہر حکم کی پابندی کی جائے گی۔

یہ حکمتِ نبوت ہے کہ اس آیت کو نبی اکرم ﷺ نے خطبۂ نکاح میں شامل فرمایا۔ نکاح کے ذریعے ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم ہوتا ہے۔ اس موقع پر آدم کا ایک بیٹا اور حوا کی ایک بیٹی پھر اسی رشتے میں منسلک ہونے کا عہد کرتے ہیں جس میں آدم اور حوا منسلک ہوئے تھے۔ جس طرح اُن دونوں سے نسل پھیلی ہے اسی طرح اب ان دونوں سے نسل آگے بڑھے گی۔ لیکن اس پورے معاشرتی معاملے میں‘ خاندانی معاملات میں‘ عائلی معاملات میں اللہ کا تقویٰ انتہائی اہم ہے۔ جیسے ہم نے سورۃ البقرۃ میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے حوالے سے بار بار ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اس لیے کہ اگر تقویٰ نہیں ہوگا تو پھر خالی قانون مؤثر نہیں ہوگا۔ قانون کو تو تختۂ مشق بھی بنایا جا سکتا ہے کہ بظاہر قانون کا تقاضا پورا ہو رہا ہو لیکن اس کی روح بالکل ختم ہو کر رہ جائے۔ سورۃ البقرۃ میں اسی طرزِ عمل کے بارے میں فرمایا گیا کہ: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا﴾ (آیت ۲۳۱) ”اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ بنالو۔“

آیت ۲ ﴿وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ﴾ ”اور یتیموں کے مال ان کے حوالے کر دو“

یتامیٰ کا طبقہ معاشرے کے دبے ہوئے طبقات میں سے تھا۔ دورِ جاہلیت میں ان کے کوئی حقوق نہیں تھے‘ ان کے مال ہڑپ کر لیے جاتے تھے۔ وہ بہت کمزور تھے۔

﴿وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠﴾ ”اور (اپنے) برے مال کو (ان کے) اچھے مال سے نہ بدلو“

ایسا ہرگز نہ ہو کہ یتیموں کے مال میں سے اچھا اچھا لے لیا اور اپنا ردّی مال اس میں شامل کر دیا۔

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ﴾ ”اور ان کے مال اپنے مالوں میں شامل کر کے ہڑپ نہ کرو۔“

﴿اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②﴾ ”یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے۔“

یتیموں کے بعض سرپرست جو تقویٰ اور خوفِ خدا سے تہی دامن ہوتے ہیں‘ اوّل تو ان کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں‘ اور اگر ایسا نہ بھی کریں تو ان کا اچھا مال خورد برد کر کے اپنا ردّی اور بے کار مال اس میں شامل کر دیتے ہیں اور اس طرح تعداد پوری کر دیتے ہیں۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیتے ہیں تاکہ اسے بآسانی ہڑپ کر سکیں۔ ان کو ایسے سب ہتھکنڈوں سے روک دیا گیا۔

آیت ۳ ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى﴾ ”اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے“

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ﴾ ”تو (انہیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ بلکہ) جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو دو دو‘ تین تین‘ چار چار تک۔“

اس آیت میں ''یَتٰمٰی'' سے مراد یتیم بچیاں اور خواتین ہیں۔ یتیم لڑکے تو عمر کی ایک خاص حد کو پہنچنے کے بعد اپنی آزاد مرضی سے زندگی گزار لیتے تھے' لیکن یتیم لڑکیوں کا معاملہ یہ ہوتا تھا کہ ان کے ولی اور سرپرست ان کے ساتھ نکاح بھی کر لیتے تھے۔ اس طرح یتیم لڑکیوں کے مال بھی ان کے قبضے میں آ جاتے تھے' اور یتیم لڑکیوں کے پیچھے ان کے حقوق کے معاملے میں ان سے پوچھنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا تھا۔ اگر ماں باپ ہوتے تو ظاہر ہے کہ وہ بچی کے حقوق کے بارے میں بھی کوئی بات کرتے۔ لہٰذا ان کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر تم ان یتیم بچیوں سے نکاح مت کرو' بلکہ دوسری عورتیں جو تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ اگر ضرورت ہو تو دو دو' تین تین' چار چار کی حد تک نکاح کر سکتے ہو' اس کی تمہیں اجازت ہے۔ لیکن تم یتیم بچیوں کے ولی بن کر ان کی شادیاں کہیں اور کرو تا کہ تم ان کے حقوق کے پاسبان بن کر کھڑے ہو سکو۔ ورنہ اگر تم نے ان کو اپنے گھروں میں ڈال لیا تو پھر کون ہوگا جو ان کے حقوق کے بارے میں تم سے باز پرس کر سکے؟ ـــــ منکرینِ سنت اور منکرینِ حدیث نے اس آیت کی مختلف تعبیرات کی ہیں' جن کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہیں۔ بہرحال اس کا صحیح مفہوم یہی ہے جو سلف سے چلا آ رہا ہے اور جو حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے۔ مزید برآں تعددِ ازدواج کے بارے میں یہی ایک آیت قرآن مجید میں ہے۔ اس آیت کی رو سے تعددِ ازدواج کو محدود کیا گیا ہے اور چار سے زائد بیویاں رکھنے کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ ''لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو''

یہ جو ہم نے اجازت دی ہے کہ دو دو' تین تین' چار چار عورتوں سے نکاح کر لو' اس کی شرطِ لازم یہ ہے کہ بیویوں کے درمیان عدل کرو۔ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ اس شرط کو پورا نہیں کر سکو گے اور ان میں برابری نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی شادی کرو' اس سے زائد نہیں۔ بیویوں کے مابین عدل و انصاف میں ہر اُس چیز کا اعتبار ہوگا جو شمار میں آ سکتی ہے۔ مثلاً ہر بیوی کے پاس جو وقت گزارا جائے اس میں مساوات ہونی چاہیے۔ نان نفقہ' زیورات' کپڑے اور دیگر مال و اسباب' غرضیکہ تمام مادّی چیزیں جو دیکھی بھالی جا سکتی ہیں ان میں انصاف اور عدل لازم ہے۔ البتہ دلی میلان اور رجحان' جس پر انسان کو قابو نہیں ہوتا' اس میں گرفت نہیں ہے۔

﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ ''یا وہ عورتیں جو تمہاری ملکِ یمین ہوں۔''

یعنی وہ عورتیں جو جنگوں میں گرفتار ہو کر آئیں اور حکومت کی طرف سے لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ وہ ایک علیحدہ معاملہ ہے اور ان کی تعداد پر کوئی تحدید نہیں ہے۔

﴿ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③﴾ ''یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم ایک ہی طرف کو نہ جھک پڑو۔''

کہ بس ایک ہی بیوی کی طرف میلان ہے اور' جیسا کہ آگے آیت ۱۲۹ میں آئے گا' دوسری معلق ہو کر رہ گئی ہیں کہ نہ وہ شوہر والیاں ہیں اور نہ آزاد ہیں کہ کہیں اور نکاح کر لیں۔

آیت ۴ ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ﴾ ''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی کے ساتھ دیا کرو۔''

عورتوں کے مہر تاوان سمجھ کر نہ دیا کرو' بلکہ فرض جانتے ہوئے ادا کیا کرو۔ صَدُقَاتٌ صِدَاقٌ کی جمع ہے جبکہ صَدَقَةٌ کی جمع صَدَقَاتٌ آتی ہے۔

﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا﴾ ''پھر اگر وہ خود اپنی رضامندی سے اس میں سے کوئی چیز تمہیں چھوڑ دیں''

تم نے جو مہر مقرر کیا تھا وہ انہیں ادا کر دیا' اب وہ تمہیں اس میں سے کوئی چیز ہدیہ کر رہی ہیں' تحفہ دے رہی ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

﴿فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا ۝۴﴾ ''تو تم اس کو کھاؤ مزے سے خوشگواری سے۔''

تم اسے بے کھٹکے استعمال میں لا سکتے ہو' اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن یہ ہو ان کی مرضی سے' زبردستی اور جبر کر کے نہ لے لیا جائے۔

آیت ۵ ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا﴾ ''اور مت پکڑا دو نا سمجھوں کو اپنے وہ مال جن کو اللہ نے تمہارے گزران کا ذریعہ بنایا ہے''

معاشرے میں ایک طبقہ ایسا بھی ہوتا ہے جو نادانوں اور ناسمجھ لوگوں (سُفَهَاء) پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان میں بچے بھی شامل ہیں جو ابھی سن شعور کو نہیں پہنچے۔ ایسے بچے اگر یتیم ہو جائیں تو وہ وراثت میں ملنے والے مال کو اللّوں تللّوں میں اڑا سکتے ہیں۔ لہٰذا یہاں ہدایت کی گئی ہے کہ ایسے مال کے بے جا استعمال کی معاشرتی سطح پر روک تھام ہونی چاہیے۔ یہ تصور نا قابل قبول ہے کہ میرا مال ہے' میں جیسے چاہوں خرچ کروں! چنانچہ اس مال کو ''اَمْوَالَكُمْ'' کہا گیا کہ یہ اصل میں معاشرے کی مشترک بہبود کے لیے ہے۔ اگرچہ انفرادی ملکیت ہے' لیکن پھر بھی اسے معاشرے کی مشترک بہبود میں خرچ ہونا چاہیے۔

﴿وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ﴾ ''ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو''

﴿وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵﴾ ''اور ان سے بات کیا کرو اچھے انداز میں۔''

اسی اُصول کے تحت برطانوی دور کے ہندوستان میں Court of wards مقرر کر دیے جاتے تھے۔ اگر کوئی بڑا جاگیردار یا نواب فوت ہو جاتا اور یہ اندیشہ محسوس ہوتا کہ اس کا بیٹا آوارہ ہے اور وہ سب کچھ اڑا دے گا' ختم کر دے گا تو حکومت اس میراث کو اپنی حفاظت میں لے لیتی اور ورثاء کے لیے اس میں سے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیتی۔ باقی سب مال و اسباب جمع رہتا تھا تا کہ یہ ان کی آئندہ نسل کے کام آ سکے۔

آیت ۶ ﴿وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ﴾ ''اور یتیموں کی جانچ پرکھ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔''

﴿فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا﴾ ''پھر اگر تم ان کے اندر سوجھ بوجھ پاؤ''

تم محسوس کرو کہ اب یہ باشعور ہو گئے ہیں' سمجھ دار ہو گئے ہیں۔

﴿ فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ ﴾ ''تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔''

﴿وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ ﴾ ''اور تم اسے ہڑپ نہ کر جاؤ اسراف اور جلد بازی کر کے (اس ڈر سے) کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔''

ایسا نہ ہو کہ تم یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ اور جلد بازی میں خرچ کرنے لگو' اس خیال سے کہ بچے جوان ہو جائیں گے تو یہ مال ان کے حوالے کرنا ہے' لہٰذا اس سے پہلے پہلے ہم اس میں سے جتنا ہڑپ کر سکیں کر جائیں۔

﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ ﴾ ''اور جو کوئی غنی ہو اس کو چاہیے کہ وہ پرہیز کرے۔''

یتیم کا ولی اگر خود غنی ہے' اللہ نے اس کو دے رکھا ہے' اس کے پاس کشائش ہے تو اسے یتیم کے مال میں سے کچھ بھی لینے کا حق نہیں ہے۔ پھر اسے یتیم کے مال سے بچتے رہنا چاہیے۔

﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ﴾ ''اور جو کوئی محتاج ہو تو کھائے دستور کے مطابق۔''

اگر کوئی خود تنگ دست ہے' محتاج ہے اور وہ یتیم کی نگہداشت بھی کر رہا ہے' اس کا کچھ وقت بھی اس پر صرف ہو رہا ہے تو معروف طریقے سے اگر وہ یتیم کے مال میں سے کچھ کھا بھی لے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیم بڑی فطری ہے' اس میں غیر فطری بندشیں نہیں ہیں جن پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے۔

﴿فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ ﴾ ''پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرو تو اس پر گواہ ٹھہرالو۔''

ان کا مال و متاع گواہوں کی موجودگی میں ان کے حوالے کیا جائے کہ ان کی یہ یہ چیزیں آج تک میری تحویل میں تھیں' اب میں نے ان کے حوالے کر دیں۔

﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶ ﴾ ''اور اللہ کافی ہے حساب لینے کے لیے۔''

یہ دنیا کا معاملہ ہے کہ اس کے لیے لکھت پڑھت اور شہادت ہے۔ باقی اصل حساب تو تمہیں اللہ کے ہاں جا کر دینا ہے۔

آیت ۷ ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ ﴾ ''مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اس میں سے جو ترکہ چھوڑا ہو والدین نے اور رشتہ داروں نے''

﴿وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ﴾ ''اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں سے جو ترکہ ہے والدین اور رشتہ داروں کا''

یہاں اب پہلی مرتبہ عورتوں کو وراثت کا حق دیا جا رہا ہے' ورنہ قبل از اسلام عرب معاشرے میں عورت کا کوئی حق وراثت نہیں تھا۔

﴿ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ ﴾ ''چاہے وہ وراثت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو۔''

اللہ تعالیٰ کا قانون اس پر ہر صورت میں پوری طرح نافذ ہونا چاہیے۔

﴿ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ⑦ ﴾ ”یہ حصہ ہے (اللہ کی طرف سے) فرض کیا گیا۔“

آگے آپ دیکھیں گے کہ اس قانونِ وراثت کی کس طرح بار بار تاکید آ رہی ہے۔ ساتھ ہی آپ یہ بھی دیکھتے رہیں کہ ہمارے معاشرے کے اندر اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی کس طرح دھجیاں بکھرتی ہیں۔ خاص طور پر ہمارے شمالی علاقے میں ویسے تو نماز روزہ کا بہت اہتمام ہوتا ہے' لیکن وہاں کے لوگ بیٹیوں کو وراثت میں حصہ دینے کو کسی صورت تیار نہیں ہوتے' بلکہ اپنے رواج کی پیروی کرتے ہیں۔

آیت ۸ ﴿ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ ﴾ ”اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور محتاج“

جب وراثت کی تقسیم ہو رہی ہو تو اب اگر وہاں کچھ قرابت دار' کچھ یتیم اور کچھ محتاج بھی آ جائیں۔

﴿ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧ ﴾ ”تو انہیں بھی کچھ دے دلا دو اس میں سے اور ان سے معقول انداز میں بات کرو۔“

وہ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت وراثت تقسیم ہو رہی ہے اور وہ بالکل محتاج ہیں' تو ان کے احساسِ محرومیت کا جو بھی مداوا ہو سکتا ہے کرو' اور ان سے بڑے اچھے انداز میں بات کرو۔ انہیں جھڑکو نہیں کہ ہماری وراثت تقسیم ہو رہی ہے اور یہاں تم کون آ گئے ہو؟

آیت ۹ ﴿ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ﴾ ”اور ڈرتے رہنا چاہیے ان لوگوں کو کہ اگر انہوں نے بھی چھوڑے ہوتے اپنے پیچھے ناتواں بچے تو ان کے بارے میں انہیں کیسے اندیشے ہوتے۔“

﴿ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ”تو انہیں چاہیے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں“

انہیں یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ یتیم جو اس وقت آ گئے ہیں یہ بھی کسی کے بچے ہیں' جن کے سر پر باپ کا سایہ نہیں رہا۔ لہٰذا وہ ان کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھیں۔

﴿ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨ ﴾ ”اور سیدھی سیدھی (حق پر مبنی) بات کریں۔“

آیت ۱۰ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو یتیموں کا مال ہڑپ کرتے ہیں ناحق“

﴿ اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ﴾ ”وہ تو اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں۔“

﴿ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ⑩ ﴾ ”اور وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔“

اندر کی آگ تو وہ خود اپنے پیٹوں میں ڈال رہے ہیں اور وہ خود بھی سموچے دوزخ کی بھڑکتی آگ میں ڈال دیے جائیں گے۔ گویا ایک آگ ان کے اندر ہو گی اور ایک وسیع وعریض آگ ان کے باہر ہو گی۔ یہ دس آیتیں بڑی جامع ہیں' جن میں اس معاشرے کے پسماندہ طبقات میں سے ایک ایک کا خیال کر کے نہایت باریک بینی اور حکمت کے ساتھ احکام دیے گئے ہیں۔

آیات ۱۱ تا ۱۴

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ
فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ
فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ
وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ۝۱۱ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ
فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ
لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ
وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝۱۲ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ
وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۳ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۴ ع ۲ / ۱۲

سورۃ النساء کا دوسرا رکوع بڑا مختصر ہے۔ اس رکوع میں صرف چار آیات ہیں' لیکن معنوی طور پر ان میں ایک قیامت مضمر ہے۔ یہ قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ چار آیتوں کے اندر اسلام کا پورا قانونِ وراثت بیان کر دیا گیا ہے، جس کی تشریح میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ گویا جامعیت کی انتہا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ﴾ ''اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں''

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ﴾ ''کہ لڑکے کے لیے حصہ ہے دو لڑکیوں کے برابر۔''

﴿فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ﴾ ''پھر اگر لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زیادہ تو ان کے لیے ترکے کا دو تہائی ہے۔''

﴿وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ﴾ ''اور اگر ایک ہی لڑکی ہے تو اس کے لیے آدھا ہے۔''

ظاہر ہے اگر ایک ہی بیٹا ہے تو وہ پورے ترکے کا وارث ہو جائے گا۔ لہٰذا جب بیٹی کا حصہ بیٹے سے آدھا ہے تو

اگر ایک ہی بیٹی ہے تو اسے آدھی وراثت ملے گی' آدھی دوسرے لوگوں کو جائے گی۔ وہ ایک علیحدہ معاملہ ہے۔

﴿وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ﴾ ''اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے جو اُس نے چھوڑا اگر میت کے اولاد ہو۔''

اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہو تو اس کی وراثت میں سے ان کا بھی معین حصہ ہے۔ اگر وفات پانے والا شخص صاحب اولاد ہے تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے وراثت میں چھٹا حصہ ہے۔ یعنی میت کے ترکے میں سے ایک تہائی والدین کو چلا جائے گا اور دو تہائی اولاد میں تقسیم ہوگا۔

﴿فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ﴾ ''اور اگر اُس کے اولاد نہ ہو اور اُس کے وارث ماں باپ ہی ہوں تو اُس کی ماں کا ایک تہائی ہے۔''

اگر کوئی شخص لاولد فوت ہو جائے تو اس کے ترکے میں سے اس کی ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی ملے گا۔ یعنی باپ کا حصہ ماں سے دوگنا ہو جائے گا۔

﴿فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ﴾ ''پھر اگر میت کے بہن بھائی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے''

اگر مرنے والا بے اولاد ہو لیکن اس کے بہن بھائی ہوں تو اس صورت میں ماں کا حصہ مزید کم ہو کر ایک تہائی کے بجائے چھٹا حصہ رہ جائے گا اور باقی باپ کو ملے گا' لیکن بہن بھائیوں کو کچھ نہ ملے گا۔ وہ باپ کی طرف سے وراثت کے حق دار ہوں گے۔ لیکن ساتھ ہی فرما دیا:

﴿مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ﴾ ''بعد اس وصیت کی تعمیل کے جو وہ کر جائے یا بعد ادائے قرض کے۔''

وراثت کی تقسیم سے پہلے دو کام کر لینے ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس شخص کے ذمے کوئی قرض ہے تو وہ ادا کیا جائے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر اُس نے کوئی وصیت کی ہے تو اس کو پورا کیا جائے۔ پھر وراثت تقسیم ہوگی۔

﴿اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ ۚ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَـكُمۡ نَفۡعًا ؕ﴾ ''تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے' تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمہارے لیے زیادہ نافع ہے۔''

﴿فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔''

تم اپنی عقلوں کو چھوڑ دو اور اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حصوں کے مطابق وراثت تقسیم کرو۔ کوئی آدمی یہ سمجھے کہ میرے بوڑھے والدین ہیں' میری وراثت میں خواہ مخواہ ان کے لیے حصہ کیوں رکھ دیا گیا ہے؟ یہ تو کھا پی چکے' زندگی گزار چکے' وراثت تو اب میری اولاد ہی کو ملنی چاہیے' تو یہ سوچ بالکل غلط ہے۔ تمہیں بس اللہ کا حکم ماننا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے۔''

اس کا کوئی حکم علم اور حکمت سے خالی نہیں ہے۔

آیت ۱۲ ﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ﴾ ''اور تمہارا حصہ تمہاری بیویوں کے ترکے میں سے آدھا ہے اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو۔''

بیوی فوت ہوگئی ہے اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہے تو جو وہ چھوڑ گئی ہے اس میں سے نصف شوہر کا ہو جائے گا۔ باقی جو نصف ہے وہ مرحومہ کے والدین اور بہن بھائیوں میں حسب قاعدہ تقسیم ہوگا۔

﴿فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ﴾ ''اور اگر اُن کے اولاد ہے تو تمہارے لیے چوتھائی ہے اس میں سے جو انہوں نے چھوڑا''

﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ﴾ ''بعد اُس وصیت کی تعمیل کے جو وہ کر جائیں یا بعد ادائے قرض کے۔''

اگر مرنے والی نے اولاد چھوڑی ہو تو موجودہ شوہر کو مرحومہ کے مال سے ادائے دَین وانفاذِ وصیت کے بعد کل مال کا چوتھائی حصہ ملے گا اور باقی تین چوتھائی دوسرے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ﴾ ''اور ان کے لیے چوتھائی ہے تمہارے ترکے کا اگر تمہارے اولاد نہیں ہے۔''

﴿فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ ''اور اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے تمہارے ترکے میں سے''

﴿مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ﴾ ''اُس وصیت کی تعمیل کے بعد جو تم نے کی ہو یا قرض ادا کرنے کے بعد۔''

اگر مرنے والے نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو ادائے دَین وانفاذِ وصیت کے بعد اس کی بیوی کو اُس کے ترکے کا چوتھائی ملے گا' اور اگر اُس نے کوئی اولاد چھوڑی ہے تو اس صورت میں بعد ادائے دَین ووصیت کے بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اگر بیوی ایک سے زائد ہے تو بھی مذکورہ حصہ سب بیویوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

﴿وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ﴾ ''اور اگر کوئی شخص جس کی وراثت تقسیم ہو رہی ہے کلالہ ہو' یا عورت ہو ایسی ہی''

''کلالہ'' وہ مرد یا عورت ہے جس کے نہ تو والدین زندہ ہوں اور نہ اس کی کوئی اولاد ہو۔

﴿وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ﴾ ''اور اُس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔''

﴿فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ﴾ ''اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ

سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے“

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں کلالہ کی میراث کے حکم میں بھائی اور بہنوں سے مراد اَخیافی (ماں شریک) بھائی اور بہن ہیں۔ رہے عینی اور علاتی بھائی بہن تو ان کا حکم اسی سورت کے آخر میں ارشاد ہوا ہے۔ عربوں میں دراصل تین قسم کے بہن بھائی ہوتے ہیں۔ ایک ''عینی'' جن کا باپ بھی مشترک ہو اور ماں بھی' جنہیں ہمارے ہاں ''حقیقی'' کہتے ہیں۔ دوسرے ''علاتی'' بہن بھائی' جن کا باپ ایک اور مائیں جدا ہوں۔ اہل عرب کے ہاں یہ بھی حقیقی بہن بھائی ہوتے ہیں اور ان کا حکم وہی ہے جو ''عینی'' بہن بھائیوں کا ہے۔ وہ انہیں ''سوتیلا'' نہیں سمجھتے۔ ان کے ہاں سوتیلا وہ کہلاتا ہے جو ایک ماں سے ہو لیکن اس کا باپ دوسرا ہو۔ یہ ''اَخیافی'' بہن بھائی کہلاتے ہیں۔ ایک شخص کی اولاد تھی' وہ فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی بیوی نے دوسری شادی کر لی۔ تو اب اس دوسرے خاوند سے جو اولاد ہے وہ پہلے خاوند کی اولاد کے اَخیافی بہن بھائی ہیں۔ تو کلالہ کی میراث کے حکم میں یہاں اَخیافی بھائی بہن مراد ہیں۔

﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ﴾ ''اس وصیت کی تعمیل کے بعد جو کی گئی یا ادائے قرض کے بعد“

یہ دو شرطیں بہر صورت باقی رہیں گی۔ مرنے والے کے ذمے اگر کوئی قرض ہے تو پہلے وہ ادا کیا جائے گا' پھر اس کی وصیت کی تعمیل کی جائے گی' اس کے بعد میراث وارثوں میں تقسیم کی جائے گی۔

﴿غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ﴾ ''بغیر کسی کو ضرر پہنچائے۔“

یہ سارا کام ایسے ہونا چاہیے کہ کسی کو ضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو۔

﴿وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''یہ تاکید ہے اللہ کی طرف سے۔“

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝۱۲﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا کمالِ حلم والا ہے۔“

اُس کے حلم اور بردباری پر دھوکہ نہ کھاؤ کہ وہ تمہیں پکڑ نہیں رہا ہے۔ ع ''نہ جا اُس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اُس کی!“ اُس کی پکڑ جب آئے گی تو اس سے بچنا ممکن نہیں ہوگا: ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝۱۲﴾ (البروج) ''یقیناً تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔“

آیت ۱۳ ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ﴾ ''یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں۔“

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ داخل کرے گا اسے ان باغات میں جس کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی“

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ﴾ ''ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔“

﴿وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۳﴾ ''اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔“

آیت ۱۴ ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ﴾ ''اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے

رسول کی اور تجاوز کرے گا اُس کی حدود سے''

﴿ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا ۪ ﴾ ''وہ داخل کرے گا اس کو آگ میں جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔''

﴿ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۴﴾ ﴾ ''اور اس کے لیے اہانت آمیز عذاب ہوگا۔''

آیات ۱۵ تا ۲۲

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا
فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا
مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ
عَلَی اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓىِٕكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ
اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ
عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ
لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ
فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ
اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ
اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰی بَعْضُكُمْ اِلٰی بَعْضٍ
وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ﴿۲۲﴾ ع ۸/۱۴

اب اسلامی معاشرے کی تطہیر کے لیے احکام دیے جا رہے ہیں۔ مسلمان جب تک مکہ میں تھے تو وہاں کفار کا غلبہ تھا۔ مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ حیثیت دی کہ وہ اپنے اجتماعی معاملات کو سنوارنا شروع کریں۔ چنانچہ ان سورتوں میں ایک ایک کر کے معاشرتی معاملات اور سماجی مسائل کو زیر بحث لایا جا رہا ہے۔ اسلامی معاشرے میں عورت اور مرد کی عفت و عصمت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ لہٰذا معاشرے میں جنسی بے راہ روی کی روک تھام کے لیے کچھ ابتدائی احکام یہاں اس سورت میں آئے ہیں۔ اس ضمن میں تکمیلی احکام سورۃ النور میں آئیں گے۔ واضح رہے کہ معاشرتی معاملات کے ضمن میں احکام پہلے سورۃ النساء، پھر سورۃ الاحزاب، پھر سورۃ النور اور پھر سورۃ المائدۃ میں بتدریج آئے ہیں۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کو مصحف میں کافی آگے رکھا گیا ہے اور یہاں پر سورۃ النساء کے بعد سورۃ المائدۃ آگئی ہے۔

آیت ۱۵ ﴿وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ﴾ ''اور تمہاری عورتوں میں سے جو کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں''

﴿فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْکُمْ ۚ﴾ ''تو اُن پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔''

﴿فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ﴾ ''پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند کر دو''

﴿حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ﴾ ''یہاں تک کہ موت ان کو لے جائے''

اسی حالت میں ان کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

﴿اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾﴾ ''یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکال دے۔''

بدکاری کے متعلق یہ ابتدائی حکم تھا۔ بعد میں سورۃ النور میں حکم آ گیا کہ بدکاری کرنے والے مرد و عورت دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایسی لڑکیوں یا عورتوں کا تذکرہ ہے جو مسلمانوں میں سے تھیں مگر ان کا بدکاری کا معاملہ کسی غیر مسلم مرد سے ہو گیا جو اسلامی معاشرے کے دباؤ میں نہیں ہے۔ ایسی عورتوں کے متعلق یہ ہدایت فرمائی گئی کہ انہیں تا حکم ثانی گھروں کے اندر محبوس رکھا جائے۔

آیت ۱۶ ﴿وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْکُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ﴾ ''اور جو دونوں تم میں سے اس (بدکاری) کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو ایذا پہنچاؤ۔''

اگر بدکاری کا ارتکاب کرنے والے مرد و عورت دونوں مسلمانوں میں سے ہی ہوں تو دونوں کو اذیت دی جائے۔ یعنی ان کی توہین و تذلیل کی جائے اور مارا پیٹا جائے۔

﴿فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ﴾ ''پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان کو چھوڑ دو۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

واضح رہے کہ یہ بالکل ابتدائی احکام ہیں۔ اسی لیے ان کی وضاحت میں تفسیروں میں بہت سے اقوال مل جائیں گے۔ اس لیے کہ جب حدود نافذ ہو گئیں تو یہ عبوری اور عارضی احکام منسوخ قرار پائے۔ جیسے کہ سورۃ النساء میں قانونِ وراثت نازل ہونے کے بعد سورۃ البقرۃ میں وارد شدہ وصیت کا حکم ساقط ہو گیا۔

آیت ۱۷ ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَی اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ﴾ ''اللہ کے ذمے ہے توبہ قبول کرنا ایسے لوگوں کی جو کوئی بری حرکت کر بیٹھتے ہیں جہالت اور نادانی میں''

﴿ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ﴾ ''پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں''

ایک صاحبِ ایمان پر کبھی ایسا وقت بھی آ سکتا ہے کہ خارجی اثرات اتنے شدید ہو جائیں یا نفس کے اندر کا

ہیجان اسے جذبات سے مغلوب کر دے اور وہ کوئی گناہ کا کام کر گزرے۔ لیکن اس کے بعد اسے جیسے ہی ہوش آئے گا اس پر شدید ندامت طاری ہو جائے گی اور وہ اللہ کے حضور توبہ کرے گا۔ ایسے شخص کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی توبہ قبول کرنا اللہ کے ذمے ہے۔

﴿فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ ''تو یہی ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا۔''

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور حکیم و دانا ہے۔''

آیت ۱۸ ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ﴾ ''اور ایسے لوگوں کا کوئی حق نہیں ہے توبہ کا جو برے کام کیے چلے جاتے ہیں۔''

مسلسل حرام خوریاں کرتے رہتے ہیں' زندگی بھر عیش اُڑاتے رہتے ہیں۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ﴾ ''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اُس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں''

﴿وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ﴾ ''اور نہ ان لوگوں کی توبہ ہے جو کفر کی حالت میں ہی مر جاتے ہیں۔''

ان کی توبہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٨﴾﴾ ''ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

آیت ۱۹ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ﴾ ''اے اہل ایمان! تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کو زبردستی وراثت میں لے لو۔''

یہ بھی عرب جاہلیت کی ایک مکروہ رسم تھی جس میں عورتوں کے طبقے پر شدید ظلم ہوتا تھا۔ ہوتا یوں تھا کہ ایک شخص فوت ہوا ہے' اس کی چار پانچ بیویاں ہیں' تو اس کا بڑا بیٹا وارث بن گیا ہے۔ اب اس کی حقیقی ماں تو ایک ہی ہے' باقی سوتیلی مائیں ہیں' تو وہ ان کو وراثت میں لے لیتا تھا کہ یہ میرے قبضے میں رہیں گی' بلکہ وہ لوگ اپنی سوتیلی ماؤں سے شادیاں بھی کر لیتے تھے یا بغیر نکاح اپنے گھروں میں ڈالے رکھتے تھے' یا پھر یہ کہ اختیار اپنے ہاتھ میں رکھ کر ان کی شادیاں کہیں اور کرتے تھے تو مہر خود لے لیتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ اے اہل ایمان' تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن بیٹھو! جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا وہ آزاد ہے' عدت گزار کر وہ جہاں چاہے جائے اور جس سے چاہے نکاح کر لے۔

﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ﴾ ''اور نہ یہ جائز ہے کہ تم انہیں روکے رکھو تاکہ تم ان سے واپس لے لو اس کا کچھ حصہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے''

نکاح کے وقت تو بڑے چاؤ تھے' بڑے لاڈ اٹھائے جا رہے تھے اور کیا کیا دے دیا تھا' اور اب وہ سب

واپس ہتھیانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال ہو رہے ہیں' انہیں تنگ کیا جا رہا ہے' ذہنی طور پر تکلیف پہنچائی جا رہی ہے۔

﴿ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ ﴾ ''ہاں اگر وہ صریح بدکاری کی مرتکب ہوئی ہوں (تو تمہیں ان کو تنگ کرنے کا حق ہے)۔''

اگر کسی سے صریح حرام کاری کا فعل سرزد ہو گیا ہو اور اس پر اسے کوئی سزا دی جائے (جیسے کہ اوپر آ چکا ہے فَاٰذُوْهُمَا) اس کی تو اجازت ہے۔ اس کے بغیر کسی پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ خاص طور پر اگر نیت یہ ہو کہ میں اس سے اپنا مہر واپس لے لوں تو یہ انتہائی کمینگی ہے۔

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ ﴾ ''اور عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے پر معاشرت اختیار کرو۔''

ان کے ساتھ بھلے طریقے پر' خوش اسلوبی سے' نیکی اور راستی کے ساتھ گزر بسر کرو۔

﴿ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْــًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝19 ﴾ ''اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو بعید نہیں کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور اس میں اللہ نے تمہارے لیے بہت کچھ بہتری رکھ دی ہو۔''

اگر تمہیں کسی وجہ سے اپنی عورتیں ناپسند ہو گئی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ کسی شے کو تم ناپسند کرو' درآنحالیکہ اللہ نے اسی میں تمہارے لیے خیر کثیر رکھ دیا ہو۔ ایک عورت کسی ایک اعتبار سے آپ کے دل سے اُتر گئی ہے' طبیعت کا میلان نہیں رہا ہے' لیکن پتا نہیں اس میں اور کون کون سی خوبیاں ہیں اور وہ کس کس اعتبار سے آپ کے لیے خیر کا ذریعہ بنتی ہے۔ تو اس معاملے کو اللہ کے حوالے کرو' اور ان کے حقوق ادا کرتے ہوئے' ان کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزر بسر کرو۔ البتہ اگر معاملہ ایسا ہو گیا ہے کہ ساتھ رہنا ممکن نہیں ہے تو طلاق کا راستہ کھلا ہے' شریعت اسلامی نے اس میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ یہ مسیحیت کی طرح کا کوئی غیر معقول نظام نہیں ہے کہ طلاق ہو ہی نہیں سکتی۔

آیت ۲۰ ﴿ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ ﴾ ''اور اگر تمہارا ارادہ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ہو''

اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہو کہ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانی ہے۔

﴿ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا ﴾ ''اور ان میں سے کسی ایک کو تم نے ڈھیروں مال دیا ہو''

﴿ فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْــًٔـا ۭ ﴾ ''تو اس میں سے کوئی بھی شے واپس نہ لو۔''

عورتوں کو تم نے جو مہر دیا تھا وہ ان کا ہے' اب اس میں سے کچھ واپس نہیں لے سکتے۔

﴿ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝20 ﴾ ''کیا تم اسے واپس لو گے بہتان لگا کر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر؟''

آیت ۲۱ ﴿ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ ''اور تم اسے کیسے واپس لے سکتے

ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو؟''

کچھ عقل کے ناخن لو' کچھ شعور اور شرافت کا ثبوت دو۔ تم ان سے وہ مال کس طرح واپس لینا چاہتے ہو جبکہ تمہارے مابین دنیا کا انتہائی قریبی تعلق قائم ہو چکا ہے۔

﴿وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿٢١﴾﴾ ''اور وہ تم سے مضبوط قول و قرار لے چکی ہیں۔''

یہ قول و قرار نکاح کے وقت ہوتا ہے جب مرد عورت کے مہر و نفقہ کی پوری ذمہ داری لیتا ہے۔

آیت ۲۲ ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ ''اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے تم نکاح مت کرو''

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا' ایام جاہلیت میں سوتیلی ماؤں کو نکاح کر کے یا بغیر نکاح کے گھر میں ڈال لیا جاتا تھا۔ ایسے نکاح کو اُس معاشرے میں بھی ''نکاحِ مقت'' کہا جاتا تھا۔ یعنی یہ بہت ہی برا نکاح ہے۔ ظاہر ہے فطرتِ انسانی تو ایسے تعلق سے اِبا کرتی ہے' مگر ان کے ہاں یہ رواج تھا۔ قرآن مجید نے اس مقام پر اس کا سختی سے سدِّ باب کیا ہے۔

﴿اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ﴾ ''سوائے اس کے جو ہو چکا۔''

﴿اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ﴾ ''یقیناً یہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے والی ہے۔''

﴿وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾﴾ ''اور بہت ہی برا راستہ ہے۔''

اگلی آیت میں محرماتِ ابدیہ کا بیان ہے کہ کن رشتوں میں نکاح کا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ یعنی ایک مرد اپنی کن کن رشتہ دار خواتین سے شادی نہیں کر سکتا۔

آیات ۲۳ تا ۲۵

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٣﴾ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٢٤﴾

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٥﴾ ع

آیت ۲۳ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ﴾ ''حرام کردی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں''

﴿وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ﴾ ''اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں''

﴿وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ﴾ ''اور تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں''

﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ ''اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے''

﴿وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ ''اور تمہاری دودھ شریک بہنیں''

﴿وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ﴾ ''اور تمہاری بیویوں کی مائیں''

جن کو ہم ساس یا خوش دامن کہتے ہیں۔

﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ﴾ ''اور تمہاری ربیبائیں جو تمہاری گودوں میں پلی بڑھی ہوں''

﴿مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ﴾ ''تمہاری اُن بیویوں سے جن کے ساتھ تم نے مقاربت کی ہو''

﴿فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ﴾ ''اور اگر تم نے ان بیویوں سے مقاربت نہ کی ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں''

''ربیبہ'' بیوی کی اُس لڑکی کو کہا جاتا ہے جو اُس کے سابق شوہر سے ہو۔ اگر موجودہ شوہر اس بیوی سے تعلقِ زن وشو قائم ہونے کے بعد اس کو طلاق دے دے تو ربیبہ کو اپنے نکاح میں نہیں لاسکتا' یہ اس کے لیے حرام ہے۔ لیکن اگر اس بیوی کے ساتھ تعلقِ زن وشو قائم نہیں ہوا اور اسے طلاق دے دی تو پھر ربیبہ کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اگر تم نے ان بیویوں کے ساتھ مقاربت نہ کی ہو تو پھر (انہیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں۔

﴿وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۡ﴾ ''اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صُلب سے ہوں''

جن کو ہم بہوئیں کہتے ہیں۔ اپنے صلبی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے۔ البتہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی

سے نکاح میں کوئی حرج نہیں ـــــ یہ محرماتِ ابدیہ ہیں کہ جن کے ساتھ کسی حال میں' کسی وقت شادی نہیں ہوسکتی۔ اب عارضی محرمات کا بیان ہے۔

﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ ''اور یہ (بھی تم پر حرام کر دیا گیا ہے) کہ تم بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو''

اس میں رسول اللہ ﷺ نے اضافہ کیا ہے کہ جس طرح دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں نہیں رکھ سکتے اسی طرح خالہ بھانجی کو اور پھوپھی بھتیجی کو بھی بیک وقت نکاح میں نہیں رکھ سکتے۔

﴿اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ﴾ ''سوائے اس کے کہ جو گزر چکا۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ غفور اور رحیم ہے۔''

جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا۔ اب گڑے مُردے تو اکھاڑے نہیں جاسکتے' لیکن آئندہ کے لیے یہ محرمات ہیں۔

آیت ۲۴ ﴿وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ ''اور وہ عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں) جو کسی اور کے نکاح میں ہوں''

چونکہ وہ کسی اور کے نکاح میں ہیں اس لیے آپ پر حرام ہیں۔ البتہ ایک عورت کو اگر اس کا شوہر طلاق دے دے تو آپ اس سے نکاح کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ حرمت ابدی نوعیت کی نہیں ہے۔ ''مُحْصَنٰت'' اُن عورتوں کو کہا جاتا ہے جو کسی کی قیدِ نکاح میں ہوں۔ ''حِصن'' قلعے کو کہتے ہیں اور ''اِحصان'' کے معنی کسی شے کو اپنی حفاظت میں لینے کے بھی ہیں اور کسی کی حفاظت میں ہونے کے بھی۔ چنانچہ ''مُحْصَنٰت'' وہ عورتیں ہیں جو ایک خاندان کے قلعے کے اندر محفوظ ہیں اور شوہر والیاں ہیں۔ نیز یہ لفظ لونڈیوں کے مقابل آزاد خاندانی شریف زادیوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

﴿اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ﴾ ''سوائے اس کے کہ جو تمہاری مِلکِ یمین بن جائیں۔''

یعنی جنگ کے نتیجے میں تمہارے ہاں کنیزیں بن کر آجائیں۔ یہ عورتیں اگرچہ مشرکوں کی بیویاں ہیں لیکن وہ لونڈیوں کی حیثیت سے آپ کے لیے جائز ہوں گی۔

﴿كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ﴾ ''یہ تم پر اللہ کا لکھا ہوا فریضہ ہے۔''

یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم کر دی گئی ہے۔

﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ ''ان کے سوا جو عورتیں ہیں وہ تمہارے لیے حلال ہیں''

آپ نے دیکھا کہ کتنی تھوڑی سی تعداد میں محرمات ہیں' جن سے نکاح حرام قرار دے دیا گیا ہے' باقی کثیر تعداد حلال ہے۔ یعنی مباحات کا دائرہ بہت وسیع ہے جبکہ محرمات کا دائرہ بہت محدود ہے۔

﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ ''کہ تم اپنے مال کے ذریعے ان کے طالب بنو''

یعنی ان کے مہر ادا کر کے ان کے ساتھ نکاح کرو۔

﴿مُحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ ؕ﴾ ''بشرطیکہ حصارِ نکاح میں ان کو محفوظ کرو' نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔''

یعنی نیت گھر بسانے کی ہو' صرف مستی نکالنے کی نہیں۔ اس کو محض ایک کھیل اور مشغلہ نہ بنالو۔

﴿فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِہٖ مِنۡہُنَّ فَاٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ فَرِیۡضَۃً ؕ﴾ ''پس جو بھی تم نے ان سے تمتع کیا ہو تو اس کے بدلے ان کے مہر ادا کرو' جو مقرر ہوئے تھے۔''

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا تَرٰضَیۡتُمۡ بِہٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِیۡضَۃِ ؕ﴾ ''البتہ اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ مہر مقرر ہونے کے بعد باہمی رضا مندی سے کوئی کمی بیشی کرلو۔''

﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۲۴﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے۔''

آیت ۲۵ ﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ مِنۡکُمۡ طَوۡلًا اَنۡ یَّنۡکِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ﴾ ''اور جو کوئی تم میں سے اتنی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں سے شادی کرسکے''

﴿فَمِنۡ مَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ مِّنۡ فَتَیٰتِکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ﴾ ''تو وہ تمہاری اُن لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرلے جو تمہارے قبضہ میں ہوں اور مؤمنہ ہوں۔''

یہاں ''مُحۡصَنٰت'' دوسرے معنی میں آیا ہے' یعنی شریف زادیاں' آزاد مسلمان عورتیں۔ اور ظاہر ہے آزاد مسلمان عورتوں کا تو مہر ادا کرنا پڑے گا۔ اس حوالے سے اگر کوئی بے چارہ مفلس ہے' ایک خاندانی عورت کا مہر ادا نہیں کرسکتا تو وہ کیا کرے؟ ایسے لوگوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ معاشرے میں موجود مسلمان لونڈیوں سے نکاح کرلیں۔

﴿وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِکُمۡ ؕ﴾ ''اللہ تمہارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے۔''

یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون مؤمن ہے اور کون نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو بھی قانونی اعتبار سے مسلمان ہے دنیا میں وہ مؤمن سمجھا جائے گا۔

﴿بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ﴾ ''تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔''

﴿فَانۡکِحُوۡہُنَّ بِاِذۡنِ اَہۡلِہِنَّ﴾ ''سو اُن سے نکاح کرلو ان کے مالکوں کی اجازت سے''

کسی لونڈی کا مالک اس سے جنسی تعلق قائم کرسکتا ہے۔ لیکن جب ایک شخص اُس کی اجازت سے اس کی لونڈی سے نکاح کرلے تو اب لونڈی کے مالک کا یہ تعلق منقطع ہوجائے گا۔ اب وہ لونڈی اس اعتبار سے اس کے کام میں نہیں آسکتی' بلکہ اب وہ ایک مسلمان کی منکوحہ ہوجائے گی۔ اسی لیے اُس نکاح کے لیے ''بِاِذۡنِ اَہۡلِہِنَّ'' کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ واضح رہے کہ اُس وقت کے معاشرے میں بالفعل یہ شکلیں موجود تھیں۔ یہ نہیں کہا جارہا کہ یہ شکلیں پیدا کرو۔ غلام اور لونڈیوں کا معاملہ اُس وقت کے بین الاقوامی حالات اور اسیرانِ جنگ کے مسئلے کے ایک حل کے طور پر پہلے سے موجود تھا۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جس معاشرے میں قرآن نے اصلاح کا عمل

شروع کیا اس میں فی الواقع کیا صورت حال تھی اور اس میں کس کس اعتبار سے تدریجاً بہتری پیدا کی گئی۔

﴿وَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ﴾ ''اور انہیں ان کے مہر ادا کرو معروف طریقے پر''

﴿مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ﴾ ''ان کو حصارِ نکاح میں لاکر' نہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے والیاں ہوں''

ان سے نکاح کا تعلق ہوگا' جس میں نیت گھر میں بسانے کی ہونی چاہیے' محض مستی نکالنے کی اور شہوت رانی کی نیت نہ ہو۔ یہ حصارِ نکاح میں محفوظ ہو کر رہیں' آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں۔

﴿وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ﴾ ''اور نہ ہی چوری چھپے آشنائیاں کریں۔''

کسی کی لونڈی سے کسی کا نکاح ہو تو کھلم کھلا ہو۔ معلوم ہو کہ فلاں کی لونڈی اب فلاں کے نکاح میں ہے۔ جیسے حضرت سمیہؓ سے حضرت یاسرؓ نے نکاح کیا تھا۔ حضرت سمیہؓ ابوجہل کے چچا کی لونڈی تھیں' جو ایک شریف انسان تھا۔ حضرت یاسرؓ جب یمن سے آ کر مکہ میں آباد ہوئے تو انہوں نے ابوجہل کے چچا سے اجازت لے کر ان کی لونڈی سمیہؓ سے شادی کر لی۔ ان سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے۔ یہ تین افراد کا ایک کنبہ تھا۔ یاسر' عمار بن یاسر اور عمار کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم۔ ابوجہل کا شریف النفس چچا جب فوت ہو گیا تو ابوجہل کو اس کنبے پر اختیار حاصل ہو گیا اور اُس نے اس خاندان کو بدترین ایذائیں دیں۔

﴿فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ﴾ ''پس جب وہ قیدِ نکاح میں آ جائیں تو پھر اگر وہ بے حیائی کا کام کریں''

﴿فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ﴾ ''تو اُن پر اُس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے۔''

لونڈیاں اگر قیدِ نکاح میں آنے کے بعد بدچلنی کی مرتکب ہوں تو بدکاری کی جو سزا آزاد عورتوں کو دی جائے گی انہیں اس کی نصف سزا دی جائے گی۔ واضح رہے کہ یہ ابتدائی احکامات ہیں۔ ابھی تک نہ تو سو کوڑوں کی سزا کا حکم آیا تھا اور نہ رجم کا۔ چنانچہ ''اٰذُوۡهُمَا'' (بحوالہ آیت ١٦) کے حکم کی تعمیل میں بدکاری کی جو سزا ابھی آزاد خاندانی عورتوں کو دی جاتی تھی ایک منکوحہ لونڈی کو اس سے نصف سزا دینے کا حکم دیا گیا۔ اس لیے کہ ایک شریف خاندان کی عورت جسے ہر طرح کا تحفظ حاصل ہو اس کا معاملہ اور ہے اور ایک بے چاری غریب لونڈی کا معاملہ اور ہے۔

﴿ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ﴾ ''یہ اجازت تم میں سے ان کے لیے ہے جن کو گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔''

مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر لینے کی اجازت تم میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی شہوت اور جنسی جذبے کو روک نہ سکتے ہوں اور انہیں فتنے میں مبتلا ہو جانے اور گناہ میں ملوث ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

﴿وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ﴾ ’’اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔‘‘
چونکہ عام طور پر اُس معاشرے میں جو باندیاں تھیں وہ بلند کردار نہیں تھیں' لہٰذا فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ تم ان سے نکاح کرنے سے بچو اور تعفف اختیار کرو۔
﴿وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۲۵﴾ ’’اور اللہ غفور اور رحیم ہے۔‘‘

آیات ۲۶ تا ۲۸

يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَـكُمۡ وَيَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَيَتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝۲۶ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ وَيُرِيۡدُ الَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الشَّهَوٰتِ اَنۡ تَمِيۡلُوۡا مَيۡلًا عَظِيۡمًا ۝۲۷ يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّخَفِّفَ عَنۡكُمۡ ۚ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا ۝۲۸

ان تین آیات میں احکامِ شریعت کے ضمن میں فلسفہ وحکمت کا بیان ہو رہا ہے۔ بعض اوقات احکامِ شریعت کو انسان اپنے اوپر بوجھ سمجھنے لگتا ہے۔ اسے جب حکم دیا جاتا ہے کہ یہ کرو اور یہ مت کرو تو آدمی کی طبیعت ناگواری محسوس کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں نے شریعت کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں کرسمس کے موقع پر میں لندن میں تھا۔ وہاں میں نے ایک عیسائی دانشور کی تقریر سنی تھی' جس نے کہا تھا کہ شریعت لعنت ہے۔ خواہ مخواہ ایک انسان کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ حلال ہے' یہ حرام ہے۔ جب وہ حرام سے رُک نہیں سکتا تو اس کا دل میلا ہو جاتا ہے' وہ اپنے آپ کو خطا کار سمجھنے لگتا ہے اور مجرم ضمیر (guilty conscience) ہو جاتا ہے۔ اس احساس کے تحت وہ منفی نفسیات کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کے نزدیک اس ساری خرابی کا سبب یہ ہے کہ آپ نے حرام اور حلال کا فلسفہ چھیڑا۔ اگر سب کام حلال سمجھ لیے جائیں تو کوئی حرام کام کرتے ہوئے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔ دنیا میں ایسے ایسے فلسفے بھی موجود ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک فلسفۂ احکام یہ ہے:

آیت ۲۶ ﴿يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَـكُمۡ﴾ ’’اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے اپنے احکام واضح کر دے‘‘
﴿وَيَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ﴾ ’’اور تمہیں ہدایت بخشے ان راستوں کی جو تم سے پہلے کے لوگوں کے تھے‘‘

پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں نیکوکار بھی تھے اور بدکار بھی۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم انبیاء وصلحاء اور نیکوکاروں کا راستہ اختیار کرو ﴿صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ﴾ اور دوسرے راستوں سے بچ کر رہو۔
﴿وَيَتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ؕ﴾ ’’اور تم پر نظرِ عنایت فرمائے۔‘‘
﴿وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝۲۶﴾ ’’اور اللہ سب کچھ جاننے والا کمالِ حکمت والا ہے۔‘‘

آیت ۲۷ ﴿وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ۟﴾ ’’اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم پر رحمت کے ساتھ

توجہ فرمائے۔"

﴿وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝٢٧﴾ "اور وہ لوگ جو شہوات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ حق سے بھٹک کر دور نکل جاؤ۔"

وہ چاہتے ہیں کہ تمہارا رجحان صراطِ مستقیم کے بجائے غلط راستوں کی طرف ہو جائے اور اُدھر ہی تم بھٹکتے چلے جاؤ۔ آج بھی عورت کی آزادی (Women Lib) کی بنیاد پر اور حقوقِ نسواں کے نام پر دنیا میں جو تحریکیں برپا ہیں یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ حدود و قیود کو توڑ کر جنسی بے راہ روی پھیلانے کی ایک عظیم سازش ہے جو دنیا میں چل رہی ہے۔

آیت ۲۸ ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ﴾ "اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ کو ہلکا کرے۔"

تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تم پر بوجھ ڈال رہا ہے۔ اللہ تو تم پر تخفیف چاہتا ہے، تم سے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے۔ اگر تم ان چیزوں پر عمل نہیں کرو گے تو معاشرے میں گندگیاں پھیلیں گی، فساد برپا ہوگا، جھگڑے ہوں گے، بدگمانیاں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اس سب کی روک تھام چاہتا ہے، وہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے۔

﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝٢٨﴾ "اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔"

اس کے اندر کمزوری کے پہلو بھی موجود ہیں۔ جہاں ایک بہت اونچا پہلو ہے کہ اس میں روحِ ربانی پھونکی گئی ہے، وہاں اس کے اندر نفس بھی تو ہے، جس میں ضعف کے پہلو موجود ہیں۔

آیات ۲۹ تا ۳۵

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ
تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝٢٩ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝٣٠ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا
تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝٣١ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ
بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا
اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝٣٢ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا
مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِيْبَھُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝٣٣ۧ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَي النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ ع ٥
بَعْضَھُمْ عَلٰي بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا
حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاهْجُرُوْھُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ
وَاضْرِبُوْھُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝٣٤ وَاِنْ

خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا
يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ۝٣٥

آیت ۲۹ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَـكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ﴾ ''اے اہلِ ایمان' اپنے مال آپس میں باطل طریقے پر ہڑپ نہ کرو''

﴿اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ‌ ۚ﴾ ''سوائے اس کے کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے۔''

تجارت اور لین دین کی بنیاد جب واقعتاً باہمی رضامندی پر ہو تو اس سے حاصل ہونے والا منافع جائز اور حلال ہے۔ فرض کیجیے کہ آپ کی جوتوں کی دکان ہے۔ آپ نے گاہک کو ایک جوتا دکھایا اور اس کی قیمت دوسو روپے بتائی۔ گاہک نے جوتا پسند کیا اور دوسو روپے میں خرید لیا۔ یہ باہمی رضامندی کے سودے کی ایک سادہ سی مثال ہے۔ ظاہر بات ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ نفع تو آپ نے کمایا ہے۔ آپ نے اس کے لیے محنت کی ہے' کہیں سے خرید کر لائے ہیں' اسے سٹور میں محفوظ کیا ہے' دکان کا کرایہ دیا ہے' لہٰذا یہ منافع آپ کا حق ہے اور گاہک کو اس میں تأمل نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آپ یہی جوتا جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر فروخت کرتے اور یوں کہتے کہ میں نے تو خود اتنے کا لیا ہے تو اس طرح آپ اپنی ساری محنت بھی ضائع کرتے اور آپ کا منافع بھی ناجائز اور حرام ہوتا۔ اسی طرح معاملت اور لین دین کے وہ تمام طریقے جن کی بنیاد جھوٹ اور دھوکہ دہی پر ہو' ناجائز اور حرام ہیں۔

﴿وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ‌ ؕ﴾ ''اور نہ اپنے آپ کو قتل کرو۔''

یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ تمدن کی بنیاد دو چیزوں پر ہے' احترامِ جان اور احترامِ مال۔ میرے لیے آپ کا مال اور آپ کی جان محترم ہے' میں اسے کوئی گزند نہ پہنچاؤں' اور آپ کے لیے میرا مال اور میری جان محترم ہے' اسے آپ گزند نہ پہنچائیں۔ اگر ہمارے مابین یہ شریفانہ معاہدہ (Gentleman's agreement) قائم رہے تب تو ہم ایک معاشرے اور ایک ملک میں رہ سکتے ہیں' جہاں اطمینان' امن وسکون اور چین ہوگا۔ اور جہاں یہ دونوں احترام ختم ہو گئے' جان کا اور مال کا' تو ظاہر بات ہے کہ پھر وہاں امن وسکون' چین اور اطمینان کہاں سے آئے گا؟ اس آیت میں باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانے اور قتل نفس دونوں کو حرام قرار دے کر ان دونوں حرمتوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا ۝٢٩﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے۔''

آیت ۳۰ ﴿وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰ لِكَ عُدۡوَانًا وَّظُلۡمًا﴾ ''اور جو کوئی بھی یہ کام کرے گا تعدی اور ظلم کے ساتھ''

یعنی یہ دونوں کام ——— باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانا اور قتل نفس۔

﴿فَسَوۡفَ نُصۡلِيۡهِ نَارًا‌ ؕ﴾ ''تو ہم جلد اس کو جھونک دیں گے آگ میں۔''

﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝٣٠﴾ ''اور یہ چیز اللہ پر بہت آسان ہے۔''

یہ مت سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نوعِ انسانی کے بہت بڑے حصے کو جہنم میں کیسے جھونک دے گا؟ یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

اگلی دو آیات میں انسانی تمدن کے دو بہت اہم مسائل بیان ہو رہے ہیں' جو بڑے گہرے اور فلسفیانہ اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلا مسئلہ گناہوں کے بارے میں ہے' جن میں کبائر اور صغائر کی تقسیم ہے۔ بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک اور پھر کفر ہے۔ پھر یہ کہ جو فرائض ہیں ان کا ترک کرنا اور جو حرام چیزیں ہیں ان کا ارتکاب کبائر میں شامل ہوگا۔ اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں جو انسان سے اکثر ہو جاتی ہیں وہ عموماً صغائر کے زمرے میں آتی ہیں' مثلاً آداب میں یا احکام کی جزئیات میں کوئی کوتاہی ہو گئی' یا بغیر کسی ارادے کے کہیں کوئی ایسی بات کہہ بیٹھے کہ جو غیبت کے حکم میں آ گئی' وغیرہ وغیرہ۔ اس ضمن میں صحت مندانہ رویہ یہ ہے کہ کبائر سے پورے اہتمام کے ساتھ بچا جائے کہ اس سے انسان بالکل پاک ہو جائے۔ فرائض کی پوری ادائیگی ہو' محرمات سے مطلق اجتناب ہو' اور یہ جو چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں ان کے بارے میں نہ تو ایک دوسرے پر زیادہ گرفت اور نکیر کی جائے اور نہ ہی خود زیادہ دل گرفتہ ہوا جائے' بلکہ ان کے بارے میں توقع رکھی جائے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ ان کے بارے میں استغفار بھی کیا جائے۔ یہی صغائر ہیں جو نیکیوں کے ذریعے سے خود بخود بھی ختم ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ اَعضائے وضو دھوتے ہوئے ان اعضاء کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص وضو کرتا ہے تو جب وہ کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی ڈالتا ہے تو اُس کے منہ اور ناک سے اس کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں سے اُس کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے گناہ نکل جاتے ہیں' یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ دھل جاتے ہیں۔ جب وہ سر کا مسح کرتا ہے تو اُس کے سر اور کانوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر جب وہ پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں سے گناہ نکل جاتے ہیں' یہاں تک کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔ پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنا اس کی نیکیوں میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ (۱)

یہ صغیرہ گناہ ہیں جو نیکیوں کے اثر سے معاف ہوتے رہتے ہیں' از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (ھود:۱۱٤) ''یقیناً نیکیاں برائیوں کو دُور کر دیتی ہیں''۔ ان برائیوں سے مراد کبائر نہیں' صغائر ہیں۔ کبائر توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے (اِلَّا ماشاء اللہ!) ان کے لیے توبہ کرنی ہوگی۔ اور جو اکبر الکبائر یعنی شرک ہے اس کے بارے میں تو اس سورت میں دو مرتبہ یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (آیت ۴۸ و ۱۱۶) ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ یہ بات تو کبھی معاف نہیں کرے گا کہ

(۱) سنن النسائی' کتاب الطھارۃ' باب مسح الاذنین مع الرأس ...... وسنن ابن ماجہ' کتاب الطھارۃ وسننھا' باب ثواب الطھور۔ ومسند احمد۔ عن عبداللہ الصنابحی ﷺ۔

اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے' اور اس کے ماسوا جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہے گا معاف کر دے گا''۔ لیکن ہمارے ہاں مذہب کا جو مسخ شدہ (perverted) تصور موجود ہے اس سے ایک ایسا مذہبی مزاج وجود میں آتا ہے کہ جو کبائر ہیں وہ تو ہو رہے ہیں' سود خوری ہو رہی ہے' حرام خوری ہو رہی ہے' مگر چھوٹی چھوٹی باتوں پر نکیر اور گرفت ہو رہی ہے کہ تمہاری داڑھی کیوں شرعی نہیں ہے' اور تمہارا پائنچہ ٹخنوں سے نیچے کیوں ہے؟ وغیرہ۔ قرآن مجید میں اس معاملے کو تین جگہ نقل کیا گیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بارے میں درگزر سے بھی کام لو اور یہ کہ بہت زیادہ متفکر بھی نہ ہو۔ اس معاملے میں باہمی نسبت و تناسب پیش نظر رہنی چاہیے۔ فرمایا:

آیت ۳۱ ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ ''اگر تم اجتناب کرتے رہو گے اُن بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں روکا جا رہا ہے''

﴿نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ ''تو ہم تمہاری چھوٹی برائیوں کو تم سے دور کر دیں گے''

ہم تمہیں ان سے پاک صاف کرتے رہیں گے۔ تم جو بھی نیک کام کرو گے ان کے حوالے سے تمہاری سیئات خود بخود دھلتی رہیں گی۔

﴿وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾﴾ ''اور تمہیں داخل کریں گے بہت باعزت جگہ پر۔''

یہ مضمون سورۃ الشوریٰ (آیت ۳۷) میں بھی آیا ہے اور پھر سورۃ النجم (آیت ۳۲) میں بھی۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں اور یہ مضمون قرآن میں تین بار آیا ہے۔

دوسرا مسئلہ انسانی معاشرے میں انسانوں کے مابین فضیلت کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک جیسا تو نہیں بنایا ہے۔ کسی کو خوبصورت بنا دیا تو کسی کو بدصورت۔ کوئی صحیح سالم ہے تو کوئی ناقص الاعضاء ہے۔ کسی کا قد اونچا ہے تو کوئی ٹھگنے قد کا ہے اور لوگ اس پر ہنستے ہیں۔ کسی کو مرد بنا دیا' کسی کو عورت۔ اب کوئی عورت اندر ہی اندر کڑھتی رہے کہ مجھے اللہ نے عورت کیوں بنایا تو اس کا حاصل کیا ہوگا؟ اسی طرح کوئی بدصورت انسان ہے یا ٹھگنا ہے یا کسی اور اعتبار سے کمتر ہے اور وہ دوسرے شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ تو بڑا اچھا ہے' تو اب اس پر کڑھنے کے بجائے یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دیا ہے اس پر صبر اور شکر کرے۔ اللہ کا فضل کسی اور پہلو سے بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ ارادہ کرے کہ میں نیکی اور خیر کے کاموں میں آگے بڑھ جاؤں' میں علم میں آگے بڑھ جاؤں۔ اس طرح انسان دوسری چیزوں سے ان چیزوں کی تلافی کر لے جو اسے میسر نہیں ہیں' بجائے اس کے کہ ایک منفی نفسیات پروان چڑھتی چلی جائے۔ اس طرح انسان احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتا ہے اور اندر ہی اندر کڑھتے رہنے سے طرح طرح کی ذہنی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ذہنی الجھنوں' محرومیوں اور ناکامیوں کے احساسات کے تحت انسان اپنا ذہنی توازن تک کھو بیٹھتا ہے۔ چنانچہ دیکھیے اس ضمن میں کس قدر عمدہ تعلیم دی جا رہی ہے:

آیت ۳۲ ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ''اور تمنا نہ کیا کرو اُس شے کی جس کے ذریعے سے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دے دی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو ان کی خلقی صفات کے اعتبار سے دوسروں پر فضیلت دی ہے۔ آدمی کی یہ ذہنیت کہ جہاں کسی دوسرے کو اپنے مقابلہ میں کسی حیثیت سے بڑھا ہوا دیکھے بے چین ہو جائے' اس کے اندر حسد' رقابت اور عداوت کے جذبات پیدا کر دیتی ہے۔ اس آیت میں اسی ذہنیت سے بچنے کی ہدایت فرمائی جا رہی ہے۔ فضیلت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مرد بنایا' کسی کو عورت۔ یہ چیز بھی خلقی ہے اور کسی عورت کی مرد بننے یا کسی مرد کی عورت بننے کی تمنا نری حماقت ہے۔ البتہ دنیا میں قسمت آزمائی اور جدوجہد کے مواقع سب کے لیے موجود ہیں۔

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ﴾ ''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں گے۔''

﴿وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ﴾ ''اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں گی۔''

یعنی جہاں تک خیرات وحسنات یا سیئات ومنکرات کا معاملہ ہے' مرد و زن میں بالکل مساوات ہے۔ مرد نے جو نیکی کمائی وہ اس کے لیے ہے اور عورت نے جو نیکی کمائی وہ اس کے لیے ہے۔ مسابقت کا یہ میدان دونوں کے لیے کھلا ہے۔ عورت نیکی میں مرد سے آگے نکل سکتی ہے۔ کروڑوں مرد ہوں گے جو قیامت کے دن حضرت خدیجہ' حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن کے مقام پر رشک کریں گے اور ان کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ آدمی کا طرزِ عمل تسلیم ورضا کا ہونا چاہیے کہ جو بھی اللہ نے مجھے بنا دیا اور جو کچھ اس نے مجھے عطا فرمایا اس حوالے سے مجھے بہتر سے بہتر عمل کرنا ہے۔ میرا ''شاکلہ'' تو اللہ کی طرف سے آ گیا ہے' جس سے میں تجاوز نہیں کر سکتا: ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ﴾ (بنی اسراء یل:۸۴) ''آپ کہہ دیجیے کہ ہر شخص کام کرتا ہے اپنے شاکلہ کے مطابق''۔ ہم سورۃ البقرۃ میں بھی پڑھ چکے ہیں: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ﴾ (آیت ۲۸۶) ''اللہ تعالیٰ نہیں ذمہ دار ٹھہرائے گا کسی جان کو مگر اُس کی وسعت کے مطابق۔''

سورۃ النساء کی زیر مطالعہ آیت سے بعض لوگ یہ مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عورتیں بھی مال کما سکتی ہیں۔ یہ بات سمجھ لیجیے کہ قرآن مجید میں صرف ایک مقام (البقرۃ:۲۶۷) پر ''کسب'' کا لفظ معاشی جدوجہد اور معاشی کمائی کے لیے آیا ہے: ﴿اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ ''اپنے کمائے ہوئے پاکیزہ مال میں سے خرچ کرو''۔ باقی پورے قرآن میں ''کسب'' جہاں بھی آیا ہے اعمال کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ کسبِ حسنات نیکیاں کمانا ہے اور کسبِ سیئات بدیاں کمانا۔ آپ اس آیت کے الفاظ پر دوبارہ غور کیجیے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ﴾ ''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمایا' اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمایا''۔ تو کیا ایک عورت کی تنخواہ اگر دس ہزار ہے تو اسے اس میں سے پانچ ہزار ملیں گے؟ نہیں' بلکہ اسے پوری تنخواہ ملے گی۔ لہٰذا اس آیت میں ''کسب'' کا اطلاق دُنیوی کمائی پر نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک عورت کی معاشی جدوجہد کا تعلق ہے ایک خاتون کوئی کام کرتی ہے یا کہیں ملازمت کرتی ہے تو اگر اس میں کوئی حرام پہلو نہیں ہے' شریفانہ جاب ہے' اور وہ ستر وحجاب کے آداب کو بھی ملحوظ

رکھتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو بھی کمائی ہوگی وہ پوری اس کی ہوگی' اس میں اس کا حصہ تو نہیں ہوگا۔ البتہ یہ اسلوب جزائے اعمال کے لیے آتا ہے کہ انہیں ان کی کمائی میں سے حصہ ملے گا۔ اس لیے کہ اعمال کے مختلف مراتب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس عمل میں خلوصِ نیت کتنا تھا اور آداب کس حد تک ملحوظ رکھے گئے تھے۔ ہم سورۃ البقرۃ میں حج کے ذکر میں بھی پڑھ چکے ہیں کہ ﴿اُولٰٓئِکَ لَھُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا کَسَبُوْا ؕ﴾ (آیت ۲۰۲) یعنی جو انہوں نے کمایا ہوگا اس میں سے انہیں حصہ ملے گا۔ اسی طرح یہاں پر بھی اکتساب سے مراد اچھے یا برے اعمال کمانا ہے۔ یعنی اخلاقی سطح پر اور انسانی عزت و تکریم کے لحاظ سے عورت اور مرد برابر ہیں' لیکن معاشرتی ذمہ داریوں کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے جو تقسیم کار رکھی ہے اس کے اعتبار سے فرق ہے۔ اب اگر عورت اس فرق کو قبول کرنے پر تیار نہ ہو' مفاہمت پر رضامند نہ ہو' اور وہ اس پر کڑھتی رہے اور مرد کے بالکل برابر ہونے کی کوشش کرے تو ظاہر ہے کہ معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔

﴿وَسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ﴾ ''اور اللہ سے اُس کا فضل طلب کرو۔''

یعنی جو فضیلت اللہ نے دوسروں کو دے رکھی ہے اس کی تمنا نہ کرو' البتہ اُس سے فضل کی دعا کرو کہ اے اللہ! تُو نے اس معاملے میں مجھے کمتر رکھا ہے' تو مجھے دوسرے معاملات کے اندر ہمت دے کہ میں ترقی کروں۔ اللہ تعالیٰ جس پہلو سے مناسب سمجھے گا اپنا فضل تمہیں عطا فرما دے گا۔ وہ بہت سے لوگوں کو کسی اور پہلو سے نمایاں کر دیتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔''

آیت ۳۳ ﴿وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ﴾ ''اور ہر ایک کے لیے ہم نے وارث مقرر کر دیے ہیں جو بھی والدین اور رشتہ دار چھوڑیں۔''

قانونِ وراثت کی اہمیت کو دیکھئے کہ اب آخر میں ایک مرتبہ پھر اس کا ذکر فرمایا۔

﴿وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ ؕ﴾ ''اور جن کے ساتھ تمہارے عہد و پیمان ہوں تو ان کو ان کا حصہ دو۔''

تقسیم وراثت کے احکام کے حوالے سے ایک یہ سوال سامنے آیا کہ جن لوگوں کا آپس میں بھائی چارہ ہے یا مواخات کا رشتہ ہے (مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنا دیا تھا) تو کیا ان کا وراثت میں بھی حصہ ہے؟ اس ضمن میں یہاں وضاحت کر دی گئی کہ وراثت تو اُسی قاعدہ کے مطابق ورثاء میں تقسیم ہونی چاہیے جو ہم نے مقرر کر دیا ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ تمہارے دوستی اور بھائی چارے کے عہد و پیمان ہیں' یا جو منہ بولے بھائی یا بیٹے ہیں ان کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہے' البتہ اپنی زندگی میں ان کے ساتھ جو بھلائی کرنا چاہو کر سکتے ہو' انہیں جو کچھ دینا چاہو دے سکتے ہو' اپنی وراثت میں سے بھی کچھ وصیت کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ لیکن جو قانونِ وراثت طے ہو گیا ہے اُس میں کسی ترمیم و تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ وراثت میں حق دار کوئی اور نہیں ہوگا سوائے اُس کے جس کو اللہ نے مقرر کر دیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔''

اب آ رہی ہے وہ کانٹے دار آیت جو عورتوں کے حلق سے بہت مشکل سے اُترتی ہے اور اکثر کانٹا بن کر حلق میں اٹک جاتی ہے۔ اب تک اس ضمن میں جو باتیں آئیں وہ دراصل اس کی تمہید کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پہلی تمہید سورۃ البقرۃ میں آ چکی ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ﴾ (آیت ۲۲۸) ''اور عورتوں کے لیے اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان پر ذمہ داریاں ہیں دستور کے مطابق' البتہ مردوں کے لیے اُن پر ایک درجہ فوقیت کا ہے''۔ وہاں صرف یہ کہہ کر بات چھوڑ دی گئی۔ اس کے بعد ابھی آیت ۳۲ میں ہم نے پڑھا: ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ﴾ ''اور تمنا نہ کیا کرو اُس شے کی جس کے ذریعے سے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دے دی ہے''۔ یہ ہدایت عورتوں کے لیے مزید ذہنی تیاری کی غرض سے دی گئی۔ اور اب دوٹوک انداز میں ارشاد ہو رہا ہے:

آیت ۳۴ ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں''

یہ ترجمہ مَیں زور دے کر کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ یہاں قَامَ 'عَلٰی' کے صلہ کے ساتھ آیا ہے۔ قَامَ 'بِ' کے ساتھ آئے گا تو معنیٰ ہوں گے ''کسی شے کو قائم کرنا''۔ اسی سورۂ مبارکہ میں آگے چل کر آیت ۱۳۵ میں یہ الفاظ آئیں گے: ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ﴾ ''عدل کو قائم کرنے والے بن کر کھڑے ہو جاؤ!'' جبکہ قَامَ عَلٰی کے معنی کسی پر مسلط ہونے کے ہیں' یعنی حاکم اور منتظم ہونا۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ سے یہ واضح ہدایت ملتی ہے کہ گھر کے ادارے میں حاکم ہونے کی حیثیت مرد کو حاصل ہے' سربراہ خاندان مرد ہے' عورت نہیں ہے۔ عورت کو بہرحال اس کے ساتھ ایک وزیر کی حیثیت سے کام کرنا ہے۔ یوں تو ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ میری بات مانی جائے۔ گھر کے اندر مرد بھی یہ چاہتا ہے اور عورت بھی۔ لیکن آخر کار کس کی بات چلے گی؟ یا تو دونوں باہمی رضامندی سے کسی مسئلے میں متفق ہو جائیں' بیوی اپنے شوہر کو دلیل سے' اپیل سے' جس طرح ہو سکے قائل کر لے تو معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ لیکن اگر معاملہ طے نہیں ہو رہا تو اب کس کی رائے فیصلہ کن ہو گی؟ مرد کی! لیکن ظاہر ہے عورت کی رائے جب مسترد ہو گی تو اُسے اس سے ایک صدمہ تو پہنچے گا۔ اسی صدمے کا اثر کم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورت میں نسیان کا مادہ زیادہ رکھ دیا ہے' جو ایک safety valve کا کام دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانونِ شہادت میں ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کا نصاب رکھا گیا ہے ''تا کہ ان میں سے کوئی ایک بھول جائے تو دوسری یاد کرا دے''۔ اس پر ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۲۸۲) میں بھی گفتگو کر چکے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے گھر کے ادارے کا سربراہ مرد کو بنایا ہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ مرد اگر اپنی اس حیثیت کا غلط استعمال کرتا ہے' عورت پر ظلم کرتا ہے اور اس کے حقوق ادا نہیں کرتا تو اللہ کے ہاں بڑی سخت پکڑ ہو گی۔ آپ کو ایک اختیار دیا گیا ہے اور آپ اس کا غلط استعمال کر رہے ہیں' اس کو ظلم کا ذریعہ بنا رہے ہیں تو اس کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کو مل جائے گی۔

﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ''بسبب اُس فضیلت کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے''

مرد کو بعض صفات میں عورت پر نمایاں تفوق حاصل ہے' جن کی بنا پر قوامیت کی ذمہ داری اس پر ڈالی

گئی ہے۔

﴿وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ ''اور بسبب اس کے کہ جو وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال۔''

اسلام کے معاشرتی نظام میں کفالتی ذمہ داری تمام تر مرد کے اوپر ہے۔ اس کے اخراجات شادی کے آغاز ہی سے شروع ہو جاتے ہیں۔ شادی اگرچہ مرد کی بھی ضرورت ہے اور عورت کی بھی' لیکن مرد مہر دیتا ہے' عورت مہر وصول کرتی ہے۔ پھر گھر میں عورت کا نان نفقہ مرد کے ذمے ہے۔

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾ ''پس جو نیک بیویاں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں''

مرد کو قوامیت کے منصب پر فائز کرنے کے بعد اب نیک بیویوں کا رویہ بتایا جا رہا ہے۔ یوں سمجھئے کہ قرآن کے نزدیک ایک خاتونِ خانہ کی جو بہترین روش ہونی چاہیے وہ یہاں تین الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ﴾۔

﴿حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ﴾ ''غیب میں حفاظت کرنے والیاں''

وہ مَردوں کی غیر موجودگی میں ان کے اموال اور حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔ ظاہر ہے مرد کا مال تو گھر میں ہی ہوتا ہے' وہ کام پر چلا گیا تو اب وہ بیوی کی حفاظت میں ہے۔ اسی طرح بیوی کی عصمت درحقیقت مرد کی عزت ہے۔ وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کی عزت کی حفاظت کرتی ہے۔ اسی طرح مرد کے راز ہوتے ہیں' جن کی سب سے زیادہ بڑھ کر رازدان بیوی ہوتی ہے۔ تو یہ حفاظت تین اعتبارات سے ہے' شوہر کے مال کی' شوہر کی عزت و ناموس کی' اور شوہر کے رازوں کی۔

﴿بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ ''اللہ کی حفاظت سے۔''

اصل حفاظت و نگرانی تو اللہ کی ہے' لیکن انسان کو اپنی ذمہ داری ادا کرنی پڑتی ہے۔ جیسے رازق تو اللہ ہے' لیکن انسان کو کام کر کے رزق کمانا پڑتا ہے۔

﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ﴾ ''اور وہ خواتین جن کے بارے میں تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو''

اگر کسی عورت کے رویے سے ظاہر ہو رہا ہو کہ یہ سرکشی' سرتابی' ضد اور ہٹ دھرمی کی روش پر چل پڑی ہے' شوہر کی بات نہیں مان رہی بلکہ ہر صورت میں اپنی بات منوانے پر مصر ہے اور اس طرح گھر کی فضا خراب کی ہوئی ہے تو یہ نشوز ہے۔ اگر عورت اپنی اس حیثیت کو ذہناً تسلیم نہ کرے کہ وہ شوہر کے تابع ہے تو ظاہر بات ہے کہ مزاحمت (friction) ہوگی اور اس کے نتیجے میں گھر کے اندر ایک فساد پیدا ہوگا۔ ایسی صورت حال میں مرد کو قوام ہونے کی حیثیت سے بعض تادیبی اختیارات دیے گئے ہیں' جن کے تین مراحل ہیں:

﴿فَعِظُوْهُنَّ﴾ ''پس ان کو نصیحت کرو''

پہلا مرحلہ سمجھانے بجھانے کا ہے' جس میں ڈانٹ ڈپٹ بھی شامل ہے۔

﴿وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ﴾ ''اور ان کو ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دو''

اگر نصیحت و ملامت سے کام نہ چلے تو دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ان سے اپنے بستر علیحدہ کر لو اور اس کے ساتھ

تعلقِ زن و شو کچھ عرصہ کے لیے منقطع کرلو۔

﴿ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ ۚ﴾ ''اور ان کو مارو۔''

اگر اب بھی وہ اپنی روش نہ بدلیں تو مرد کو جسمانی سزا دینے کا بھی اختیار ہے۔ اس ضمن میں آنحضور ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ چہرے پر نہ مارا جائے اور کوئی ایسی مار نہ ہو جس کا مستقل نشان جسم پر پڑے۔ مذکورہ بالا تادیبی ہدایات اللہ کے کلام کے اندر بیان فرمائی گئی ہیں اور انہیں بیان کرنے میں ہمارے لیے کوئی جھجک نہیں ہونی چاہیے۔ معاشرتی زندگی کو درست رکھنے کے لیے ان کی ضرورت پیش آئے تو انہیں اختیار کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

﴿فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا ؕ﴾ ''پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف (خواہ مخواہ زیادتی کی) راہ مت تلاش کرو۔''

اگر عورت سرکشی و سرتابی کی روش چھوڑ کر اطاعت کی راہ پر آجائے تو پچھلی کدورتیں بھلا دینی چاہئیں۔ اس سے انتقام لینے کے بہانے تلاش نہیں کرنے چاہئیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡرًا ﴿۳۴﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے' بہت بڑا ہے۔''

آیت ۳۵ ﴿وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا﴾ ''اور اگر تم کو میاں بیوی کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو''

اب اگر کوئی تدبیر نتیجہ خیز نہ ہو اور ان دونوں کے مابین ضِدَّم ضِدَّا کی کیفیت پیدا ہو چکی ہو کہ عورت بھی اکڑ گئی ہے' مرد بھی اکڑا ہوا ہے' اور اب ان کا ساتھ چلنا مشکل نظر آتا ہو تو اصلاحِ احوال کے لیے ایک دوسری تدبیر اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

﴿فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ﴾ ''تو ایک حَکَم مرد کے خاندان سے مقرر کرو اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے۔''

﴿اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ﴾ ''اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔''

''اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا'' سے مراد زوجین بھی ہو سکتے ہیں اور حَکَمین بھی۔ یعنی ایک تو یہ کہ اگر واقعتاً شوہر اور بیوی موافقت چاہتے ہیں تو اللہ ان کے درمیان سازگاری پیدا فرما دے گا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کی خواہش ہوتی ہے کہ معاملہ درست ہو جائے' لیکن کوئی نفسیاتی گرہ ایسی بندھ جاتی ہے جسے کھولنا ان کے بس میں نہیں ہوتا۔ اب اگر دونوں کے خاندانوں میں سے ایک ایک ثالث آ جائے گا اور وہ دونوں مل بیٹھ کر خیر خواہی کے جذبے سے اصلاحِ احوال کی کوشش کریں گے تو اس گرہ کو کھول سکیں گے۔ یہ دونوں اسبابِ اختلاف کی تحقیق کریں گے' میاں بیوی دونوں کے گلے شکوے اور وضاحتیں سنیں گے اور دونوں کو سمجھا بجھا کر تصفیہ کی کوئی صورت نکالیں گے۔ لیکن یہ تبھی ممکن ہو گا جب میاں بیوی دونوں اصلاح چاہیں گے۔ ''اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا'' کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر حَکَمین نیک نیتی سے اصلاح کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے

مابین موافقت پیدا فرما دے گا۔ لیکن میرا رجحان پہلی رائے کی طرف زیادہ ہے کہ اس سے مراد میاں بیوی ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿٣٥﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔''

آیات ٣٦ تا ٤٣

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا ﴿٣٦﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ﴿٣٨﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَھُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِــيْمًا ﴿٣٩﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْھَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٤٠﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰي هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾

اس سے قبل سورۃ البقرۃ آیت ٨٣ میں بنی اسرائیل سے لیے جانے والے میثاق کے حوالے سے اُمہاتِ شریعت یا دین کی بنیادی باتوں کا ذکر بایں الفاظ آیا تھا: ''اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ تم نہیں عبادت کرو گے کسی کی سوائے اللہ کے' اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو گے اور قرابت داروں' یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھی' اور لوگوں سے اچھی بات کہو' اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو''۔ اب یہ دوسرا مقام آ رہا ہے کہ شریعت کے اندر جو چیزیں اہم تر ہیں اور جنہیں معاشرتی سطح پر مقدم رکھنا چاہیے وہ بیان کی جا رہی ہیں۔ فرمایا:

آیت ٣٦ ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾ ''اور اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو بھی اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ''۔

سب سے پہلا حق اللہ کا ہے کہ اُسی کی بندگی اور پرستش کرو' اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

﴿وَّبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا﴾ ''اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو''

قرآن حکیم میں چار مقامات (البقرۃ:۸۳' النساء:۳۶' الانعام:۱۵۱' بنی اسرائیل:۲۳) پر اللہ کے حق کے فوراً بعد والدین کے حق کا تذکرہ آیا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک ہو' ان کا ادب واحترام ہو' ان کی خدمت کی جائے' ان کے سامنے آواز پست رکھی جائے۔ یہ بات سورۂ بنی اسرائیل میں بڑی تفصیل سے آئے گی۔ ہمارے معاشرے میں خاندان کے استحکام کی یہ ایک بہت اہم بنیاد ہے۔

﴿وَّبِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ﴾ ''اور قرابت داروں' یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ''

﴿وَالۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ﴾ ''اور قرابت دار ہمسائے اور اجنبی ہمسائے کے ساتھ''

پہلے عام طور پر محلے ایسے ہی ہوتے تھے کہ ایک قبیلہ ایک ہی جگہ رہ رہا ہے' رشتہ داری بھی ہے اور ہمسائیگی بھی۔ لیکن کوئی اجنبی ہمسایہ بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے آج کل شہروں میں ہمسائے اجنبی ہوتے ہیں۔

﴿وَالصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ﴾ ''اور ہم نشین ساتھی اور مسافر کے ساتھ''

ایک ہمسائیگی عارضی نوعیت کی بھی ہوتی ہے۔ مثلاً آپ بس میں بیٹھے ہوئے ہیں' آپ کے برابر بیٹھا ہوا شخص آپ کا ہمسایہ ہے۔ نیز جو لوگ کسی بھی اعتبار سے آپ کے ساتھی ہیں' آپ کے پاس بیٹھنے والے ہیں' وہ سب آپ کے حسنِ سلوک کے مستحق ہیں۔

﴿وَمَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ﴾ ''اور وہ لونڈی غلام جو تمہارے مِلکِ یمین ہیں (ان کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو)۔''

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ﴿ۙ۳۶﴾﴾ ''اللہ بالکل پسند نہیں کرتا اُن لوگوں کو جو شیخی خورے اور اکڑنے والے ہوں۔''

آیت ۳۷ ﴿الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ وَیَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ﴾ ''جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کا مشورہ دیتے ہیں''

جن میں یہ شیخی خوری اور اکڑ ہوتی ہے پھر وہ بخیل بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ غرور وتکبر عام طور پر دولت کی بنا پر ہوتا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ ہمارے پاس جو دولت ہے اگر یہ خرچ ہو گئی تو ہمارا وہ مقام نہیں رہے گا' لوگوں کی نظروں میں ہماری عزت نہیں رہے گی۔ لہٰذا وہ اپنا مال خرچ کرنے میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔ اس پر انہیں یہ اندیشہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ ہمیں ملامت کریں گے کہ تم بڑے بخیل ہو' چنانچہ وہ خود لوگوں کو اس طرح کے مشورے دینے لگتے ہیں کہ بابا اس طرح کھلا خرچ نہ کیا کرو' تم خواہ مخواہ پیسے اڑاتے ہو' عقل کے ناخن لو' کچھ نہ کچھ بچا کے رکھا کرو' وقت پر کام آئے گا۔ اس طرح وہ لوگوں کو بھی بخل ہی کا مشورہ دیتے ہیں۔

﴿وَیَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ﴾ ''اور وہ چھپاتے ہیں اُس کو جو اللہ نے انہیں اپنے فضل میں سے دیا ہے۔''

اپنی دولت کو چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ انہیں یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ دولت ظاہر ہوگی تو کوئی سائل سوال کر بیٹھے گا۔ لہٰذا خود ہی مسکین صورت بنائے رکھتے ہیں کہ کوئی ان کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے۔

﴿وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ﴿۳۷﴾﴾ ”اور ایسے ناشکروں کے لیے ہم نے بڑا اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

آیت ۳۸ ﴿وَالَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ رِئَآءَ النَّاسِ﴾ ”اور وہ لوگ (بھی اللہ کو ناپسند ہیں) جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے“

﴿وَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ﴾ ”اور وہ حقیقت میں ایمان نہیں رکھتے نہ اللہ پر نہ یومِ آخر پر۔“

﴿وَمَنۡ يَّكُنِ الشَّيۡطٰنُ لَهٗ قَرِيۡنًا فَسَآءَ قَرِيۡنًا ﴿۳۸﴾﴾ ”(ایسے لوگ گویا شیطان کے ساتھی ہیں) اور جس کا ساتھی شیطان ہو جائے تو وہ بہت ہی برا ساتھی ہے۔“

آیت ۳۹ ﴿وَمَاذَا عَلَيۡهِمۡ لَوۡ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾ ”ان لوگوں پر کیا آفت آ جاتی اگر یہ اللہ اور یومِ آخر پر (صدقِ دل سے) ایمان لے آتے“

﴿وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ﴾ ”اور خرچ کرتے (کھلے دل کے ساتھ) اس میں سے جو اللہ نے انہیں دیا ہے۔“

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمۡ عَلِيۡمًا ﴿۳۹﴾﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ان سے اچھی طرح واقف ہے۔“

آیت ۴۰ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ﴾ ”یقیناً اللہ کسی پر ذرّے کے ہم وزن بھی ظلم نہیں کرے گا۔“

﴿وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفۡهَا﴾ ”اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گنا بڑھائے گا“

﴿وَيُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۴۰﴾﴾ ”اور خاص اپنے خزانہ فضل سے مزید بہت بڑا اجر دے گا۔“

اس سورۂ مبارکہ کی اگلی آیت شہادت علی الناس سے متعلق ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو قبل ازیں سورۃ البقرۃ (آیت ۱۴۳) میں بھی آ چکا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں شہداء علی الناس بنایا گیا ہے، جیسے کہ نبیؐ نے تم پر شہادت دی ہے۔ نبی مکرم ﷺ قیامت کے دن کھڑے ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ میرے پاس جو دین آیا تھا میں نے ان تک پہنچا دیا تھا، اب یہ اپنے طرزِ عمل کے خود ذمہ دار ہیں۔ یہی بات قیامت کے دن کھڑے ہو کر تمہیں کہنی ہے کہ اے اللہ ہم نے اپنے زمانے کے لوگوں تک تیرا دین پہنچا دیا تھا، اب اس کے بعد اپنے طرزِ عمل کے یہ خود جواب دہ ہیں۔ اس حوالے سے ہم سب کو اپنی ذمہ داری کی فکر کرنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ الٹا وہ ہمارے اوپر مقدمہ کریں کہ اے اللہ ان بدبختوں نے ہمیں تیرا دین نہیں پہنچایا، یہ خزانے کے سانپ بن کر بیٹھے رہے۔ بہر حال جس کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری ڈال دی گئی ہو، واقعہ یہ ہے کہ اس کے لیے تو یہ ایک بہت بھاری بوجھ ہے۔ اب اس حوالے سے قیامت کے دن کا نقشہ دکھایا جا رہا ہے۔

آیت ۴۱ ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ﴾ ''تو اُس دن کیا صورت حال ہوگی جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے''

یعنی اُس نبی اور رسول کو گواہ بنا کر کھڑا کریں گے جس نے اس اُمت کو دعوت پہنچائی ہوگی۔

﴿وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا ۝۴۱﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) آپ کو لائیں گے ہم ان پر گواہ بنا کر۔''

یعنی آپؐ کو کھڑے ہو کر کہنا ہوگا کہ اے اللہ! میں نے ان تک تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ ہماری عدالتی اصطلاح میں اسے استغاثہ کا گواہ (prosecution witness) کہا جاتا ہے۔ گویا عدالتِ خداوندی میں نبی مکرم ﷺ استغاثہ کے گواہ کی حیثیت سے پیش ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ' تیرا پیغام جو مجھ تک پہنچا تھا میں نے انہیں پہنچا دیا تھا' اب یہ خود ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ چنانچہ اپنی ہی قوم کے خلاف گواہی آ گئی نا؟ یہاں الفاظ نوٹ کر لیجیے: عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا۔ عَلٰی ہمیشہ مخالفت کے لیے آتا ہے۔ ادھر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے شفاعت کی امید میں بیٹھے ہیں اور اُدھر ہمارے خلاف مقدمہ قائم ہونے چلا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ دربارِ خداوندی میں ہمارے خلاف گواہی دیں گے کہ اے اللہ! میں نے تیرا دین ان کے سپرد کیا تھا' اس کے بعد اسے دنیا میں پھیلانا ان کا کام تھا' لیکن انہوں نے خود دین کو چھوڑ دیا۔ سورۃ الفرقان میں اس حوالے سے بہت سخت الفاظ آئے ہیں: ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝۳۰﴾ ''اور رسولؐ کہیں گے کہ پروردگار' میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا تھا''۔ سورۃ النساء کی آیت زیر مطالعہ کے بارے میں ایک واقعہ بھی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ! انہوں نے عرض کیا حضورؐ آپ کو سناؤں؟ آپؐ پر تو قرآن نازل ہوا ہے۔ فرمایا: ہاں' لیکن مجھے کسی دوسرے سے سن کر کچھ اور حظ حاصل ہوتا ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی۔ حضور ﷺ بھی سن رہے تھے' باقی اور صحابہؓ بھی ہوں گے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گردن جھکائے پڑھتے جا رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا ۝۴۱﴾ تو حضور ﷺ نے فرمایا: حَسْبُكَ' حَسْبُكَ (بس کرو' بس کرو!) عبداللہ بن مسعودؓ نے سر اٹھا کر دیکھا تو حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ حضور ﷺ کے یہ آنسو ظاہر ہے اس احساس کی وجہ سے تھے کہ مجھے اپنی قوم کے خلاف گواہی دینی ہوگی۔

آیت ۴۲ ﴿يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ﴾ ''اُس دن تمنا کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا اور رسول کی نافرمانی کی تھی کہ کاش ان کے سمیت زمین برابر کر دی جائے۔''

یعنی کسی طرح زمین پھٹ جائے اور ہم اس میں دفن ہو جائیں' ہمیں نسیاً منسیا کر دیا جائے۔

﴿وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝۴۲﴾ ''اور وہ اللہ سے کوئی بات بھی چھپا نہیں سکیں گے۔''

آیت ۴۳ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی﴾ ’’اے اہلِ ایمان‘ نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے کی حالت میں ہو‘‘

﴿حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ ’’یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جو کچھ تم کہہ رہے ہو‘‘

سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۹) میں شراب اور جوئے کے بارے میں محض اظہارِ ناراضگی فرمایا گیا تھا کہ ﴿اِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا ؕ﴾ ’’ان کا گناہ کا پہلو نفع کے پہلو سے بڑا ہے‘‘۔ اب اگلے قدم کے طور پر شراب کے اندر جو خباثت‘ شناعت اور برائی کا پہلو ہے اسے ایک مرتبہ پھر اجاگر کیا گیا کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جایا کرو۔ جب تک نشہ اُتر نہ جائے اور تمہیں معلوم نہ ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اُس وقت تک نماز نہ پڑھا کرو۔ چونکہ شراب کی حرمت کا حکم ابھی نہیں آیا تھا لہٰذا بعض اوقات لوگ نشے کی حالت ہی میں نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے اور کچھ کا کچھ پڑھ جاتے۔ ایسے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں کہ کسی نے نشے میں نماز پڑھائی اور ’’لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ‘‘ کے بجائے ’’اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ‘‘ پڑھ دیا۔ اس پر خاص طور پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہاں پر ﴿حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ کے الفاظ خصوصی طور پر قابلِ غور ہیں کہ جب تک تم شعور کے ساتھ سمجھ نہ رہے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو! اس میں ایک اشارہ ادھر بھی ہو گیا کہ بے سمجھے نماز مت پڑھا کرو! یعنی ایک تو مدہوشی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آ رہا اور غلط سلط پڑھ رہے ہیں تو اس سے روکا جا رہا ہے‘ اور ایک سمجھتے ہی نہیں کہ نماز میں کیا پڑھ رہے ہیں۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم کہہ کیا رہے ہو۔ اب جنہیں قرآن مجید کے معنی نہیں آتے‘ نماز کے معنی نہیں آتے‘ انہیں کیا پتا کہ وہ نماز میں کیا کہہ رہے ہیں!

﴿وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ﴾ ’’اور اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے قریب نہ جاؤ) جب تک غسل نہ کر لو الا یہ کہ راستے سے گزرتے ہوئے۔‘‘

اگر تم نے اپنی بیویوں سے مباشرت کی ہو یا احتلام وغیرہ کی شکل ہو گئی ہو تب بھی تم نماز کے قریب مت جاؤ جب تک کہ غسل نہ کر لو۔ ’’اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ‘‘ کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ بعض فقہاء اور مفسرین نے اس کا یہ مفہوم سمجھا ہے کہ حالتِ جنابت میں مسجد میں نہ جانا چاہیے‘ اِلا یہ کہ کسی کام کے لیے مسجد میں سے گزرنا ہو‘ جبکہ بعض نے اس سے مراد سفر لیا ہے۔

﴿وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ﴾ ’’اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو‘‘

آدمی کو تیز بخار ہے یا کوئی اور تکلیف ہے جس میں غسل کرنا مضر ثابت ہو سکتا ہے تو تیمم کی اجازت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور اسے پانی دستیاب نہیں ہے تو وہ تیمم کر لے۔

﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ ’’یا تم میں سے کوئی قضاءِ حاجت کے بعد آیا ہو‘‘

﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ ’’یا تم نے عورتوں کے ساتھ مباشرت کی ہو‘‘

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ ’’پھر تم پانی نہ پاؤ‘‘

﴿فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا﴾ ’’تو پاک مٹی کا قصد کرو‘‘

یعنی وہ تمام صورتیں جن میں غسل یا وضو واجب ہے‘ ان میں اگر بیماری غسل سے مانع ہو‘ حالت سفر میں نہانا ممکن نہ ہو‘ قضائے حاجت یا عورتوں سے مباشرت کے بعد پانی دستیاب نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کرلیا جائے۔

﴿فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ‌ؕ﴾ ’’اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوۡرًا ۝۴۳﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا‘ بخشنے والا ہے۔‘‘

حضرت عائشہ ؓ سے لیلۃ القدر کی جو دعا مروی ہے اس میں یہی لفظ آیا ہے: ((اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ)) ’’اے اللہ‘ تو معاف فرمانے والا ہے‘ معافی کو پسند کرتا ہے‘ پس تو مجھے معاف فرما دے!‘‘

سورۃ النساء کی ان تینتالیس آیات میں وہی سورۃ البقرۃ کا انداز ہے کہ شریعت کے احکام مختلف گوشوں میں‘ مختلف پہلوؤں سے بیان ہوئے۔ عبادات کے ضمن میں تیمم کا ذکر آگیا‘ وراثت کا قانون پوری تفصیل سے بیان ہوگیا اور معاشرے میں جنسی بے راہ روی کی روک تھام کے لیے احکام آ گئے‘ تاکہ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ وجود میں آئے جہاں ایک مستحکم خاندانی نظام ہو۔ اب آگے ایک مختصر سا خطاب اہل کتاب کے بارے میں آ رہا ہے۔

آیات ۴۴ تا ۵۷

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا
السَّبِيۡلَ ۝ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِكُمۡ‌ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيۡرًا ۝ مِنَ الَّذِيۡنَ
هَادُوۡا يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا وَاسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٍ وَّرَاعِنَا
لَـيًّۢا بِاَلۡسِنَتِهِمۡ وَطَعۡنًا فِى الدِّيۡنِ‌ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا وَاسۡمَعۡ وَانۡظُرۡنَا لَـكَانَ خَيۡرًا
لَّهُمۡ وَاَقۡوَمَ ۙ وَ لٰـكِنۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝ يٰۤـاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡـكِتٰبَ
اٰمِنُوۡا بِمَا نَزَّلۡنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّـطۡمِسَ وُجُوۡهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدۡبَارِهَاۤ اَوۡ
نَلۡعَنَهُمۡ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ‌ؕ وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ
وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰ لِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ‌ ۚ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ افۡتَـرٰۤى اِثۡمًا عَظِيۡمًا ۝ اَلَمۡ تَرَ اِلَى
الَّذِيۡنَ يُزَكُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ‌ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ۝ اُنْظُرۡ كَيۡفَ
يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ‌ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا ۝ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ ع۸
الۡكِتٰبِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ وَيَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هٰٓؤُلَۤاءِ اَهۡدٰى مِنَ الَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا سَبِيۡلًا ۝ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ‌ؕ وَمَنۡ يَّلۡعَنِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ نَصِيۡرًا ۝ اَمۡ لَهُمۡ

نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۝ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ
مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ۝ فَمِنْهُم
مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا
سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي
مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا
ظَلِيلًا ۝

آیت ۴۴ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ﴾ ''کیا تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا''

وہ ''الکتاب'' ایک حقیقت ہے جس میں سے ایک حصہ تورات اور ایک حصہ انجیل کے نام سے نازل ہوا اور پھر وہ کتاب ہر اعتبار سے کامل ہو کر قرآن کی شکل میں نازل ہوئی۔

﴿یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ ۝﴾ ''وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ۔''

مشرکینِ مکہ کی کوشش بھی یہی ہوتی تھی کہ لوگ لہو ولعب میں مشغول رہیں اور قرآن نہ سنیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایران سے رستم واسفندیار کے قصے منگوا کر داستان گوئی کا سلسلہ شروع کیا اور گانے بجانے والی لونڈیوں اور آلاتِ موسیقی کا انتظام کیا تاکہ لوگ انہی چیزوں میں مشغول رہیں اور حضور ﷺ کی بات کوئی نہ سنے۔ اسی طرح مدینہ میں یہود کا بھی یہی معاملہ تھا کہ وہ خود بھی گمراہ کن مشاغل اختیار کرتے اور دوسروں کو بھی اس میں مشغول کرنے کی کوشش کرتے۔ ہمارے زمانے میں اس قسم کے مشاغل کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ہمارے ہاں جب کرکٹ میچ ہو رہے ہوتے ہیں اور ٹی وی پر دکھائے جاتے ہیں تو پوری قوم کا یہ حال ہوتا ہے گویا دنیا کی اہم ترین شے کرکٹ ہی ہے۔ اسی طرح دنیا میں دوسرے کھیل تماشے دیکھے جاتے ہیں کہ دنیا ان کے پیچھے پاگل ہو جاتی ہے۔ شیطان کو اور کیا چاہیے؟ وہ تو یہی چاہتا ہے نا کہ لوگوں کی حقائق کی طرف نگاہ ہی نہ ہو۔ کسی کو یہ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو کہ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ جینا کاہے کے لیے ہے؟ موت ہے تو اس کے بعد کیا ہونا ہے؟ انسان یا تو حیوانی سطح پر زندگی گزار دے اور اسے حلال وحرام کی تمیز ہی نہ رہے کہ وہ کیا کما رہا ہے اور کیا کھا رہا ہے' یا پھر لہو ولعب میں مشغول رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان چیزوں کے فروغ کے لیے دنیا میں بڑے مستحکم نظام قائم کیے گئے ہیں اور ان سے وابستہ افراد کو بھاری معاوضے اور بڑے بڑے انعامات دیے جاتے ہیں۔ فرمایا: یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی سیدھے راستے سے بھٹکا دیں' راہِ حق سے منحرف کر دیں۔

آیت ۴۵ ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ﴾ ''اللہ تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہے۔''

﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾﴾ ''اور اللہ کافی ہے تمہارے ولی اور پشت پناہ ہونے کی حیثیت سے' اور وہ کافی ہے تمہارے مددگار ہونے کے اعتبار سے۔''

آیت ۴۶ ﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ ''ان یہودیوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو کلام کو اس کے اصل مقام و محل سے پھیر دیتے ہیں''

﴿وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ ''وہ کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نہیں مانا''

یہود اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر الفاظ کو کچھ کا کچھ بنا دیتے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو احکامِ الٰہی سن کر کہتے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا۔ بظاہر وہ اہل ایمان کی طرح سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (ہم نے سنا اور ہم نے قبول کیا) کہہ رہے ہوتے لیکن زبان کو مروڑ کر حقیقت میں سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کہتے۔

﴿وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ ''اور (کہتے ہیں) سنیے' نہ سنا جائے۔''

وہ حضور ﷺ کی مجلس میں آپؐ کو مخاطب کر کے کہتے ذرا ہماری بات سنیے! ساتھ ہی چپکے سے کہہ دیتے کہ آپ سے سنا نہ جائے' ہمیں آپ کو سنانا مطلوب نہیں ہے۔ اس طرح وہ شانِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں گستاخی کے مرتکب ہوتے۔

﴿وَّرَاعِنَا لَيًّا ۢ بِاَلْسِنَتِهِمْ﴾ ''اور (کہتے ہیں) رَاعِنَا' اپنی زبانوں کو موڑ کر''

رَاعِنَا کا مفہوم تو ہے ''ہماری رعایت کیجیے''' لیکن وہ اسے کھینچ کر رَاعِیْنَا بنا دیتے۔ یعنی اے ہمارے چرواہے!

﴿وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ﴾ ''اور دین میں طعن کرنے کے لیے۔''

یہود اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر ایسے کلمات کہتے اور پھر دین میں یہ عیب لگاتے کہ اگر یہ شخص واقعی نبی ہوتا تو ہمارا فریب اس پر ظاہر ہو جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو ظاہر کر دیا۔

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ﴾ ''اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی' اور آپ ہماری بات سن لیجیے' اور ذرا ہمیں مہلت دیجیے' تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا اور بہت درست اور سیدھی بات ہوتی''

﴿وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ﴾ ''لیکن اللہ نے تو ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی ہے''

﴿فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾﴾ ''تو اب وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں مگر شاذ ہی کوئی۔''

آیت ۴۷ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا﴾ ''اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی تھی! ایمان لاؤ اُس پر جو ہم نے نازل کیا ہے''

یہود کی شرارتوں پر لعنت و ملامت کے ساتھ ہی انہیں قرآن کریم پر ایمان کی دعوت بھی دی جا رہی ہے۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ﴾ ''جو اُس کی تصدیق کرتے ہوئے آیا ہے جو تمہارے پاس ہے''

﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓي اَدْبَارِهَآ﴾ ''اس سے قبل کہ ہم چہروں کو مٹا ڈالیں'

پھر ان کو ان کی پیٹھوں کی طرف موڑ دیں"۔

یعنی چہرے اس طرح مسخ کر دیے جائیں کہ بالکل سپاٹ ہو جائیں' ان پر کوئی نشان باقی نہ رہے اور پھر انہیں پشت کی طرف موڑ دیا جائے کہ چہرہ پیچھے اور گُدی سامنے۔

﴿اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ﴾ "یا ہم ان پر بھی اسی طرح لعنت کر دیں جس طرح ہم نے اصحابِ سبت پر لعنت کی تھی۔"

اصحابِ سبت کے واقعے کی تفصیل سورۃ الاعراف (رکوع ۲۱) میں آئے گی' لیکن اجمالاً یہ واقعہ سورۃ البقرۃ (آیات ۶۵'۶۶) میں بھی آ چکا ہے۔

﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾﴾ "اور اللہ کا حکم تو نافذ ہو کر رہنا ہے۔"

آیت ۴۸ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ "اور یقیناً اللہ اس بات کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے"

﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ "اور اس سے کم تر جو کچھ ہے وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔"

بہر حال یہ بھی کوئی کھلا لائسنس نہیں ہے کہ کسی کے باقی سب گناہ تو معاف ہو ہی جائیں گے۔ البتہ ان الفاظ میں اُمید دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی تمام گناہوں کو بغیر توبہ کے بھی معاف کر سکتا ہے' لیکن شرک کے معاف ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر اہم ہے کہ آگے آیت ۱۱۶ میں اسے پھر دہرایا گیا ہے۔

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾﴾ "اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے اس نے تو بہت بڑے گناہ کا افترا کیا۔"

اللہ تعالیٰ تو واحد و یکتا ہے۔ اُس کی ذات وصفات میں کسی اور کو شریک کرنا بہت بڑا جھوٹ' افترا' بہتان اور عظیم ترین گناہ ہے۔

آیت ۴۹ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ﴾ "کیا تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جو اپنے آپ کو بڑا پاکیزہ ٹھہراتے ہیں؟"

یہاں یہود کے اُسی فلسفے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہت پاک باز اور اعلیٰ وارفع سمجھتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ "We are the chosen people of the Lord" کہ ہم اللہ کے منظورِ نظر لوگ ہیں۔ سورۃ المائدۃ میں ان کا یہ قول نقل ہوا ہے: ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ (آیت ۱۸) یعنی ہم تو اللہ کے بیٹوں کی طرح ہیں بلکہ اس کے بہت ہی چہیتے اور لاڈلے ہیں۔ ان کے نزدیک دوسرے تمام لوگ Goyims اور Gentiles ہیں' جو دیکھنے میں انسان نظر آتے ہیں' حقیقت میں حیوان ہیں۔ ان کو ہم جس طرح چاہیں لوٹ کر

کھا جائیں، جس طرح سے چاہیں ان کو دھوکہ دیں' ان کا استحصال کریں' ہم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ اس حوالے سے سورۂ آلِ عمران میں ہم ان کا یہ قول پڑھ چکے ہیں: ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّنَ سَبِيلٌ﴾ (آیت ۷۵) کہ ان اُمیوں کے معاملے میں ہم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ ہم سے ان کے بارے میں کوئی محاسبہ اور کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ جیسے آپ نے اپنے گھوڑے کو تانگے میں جوت لیا یا ہرن کا شکار کر کے اسے کھا لیا تو آپ سے اس پر کون مؤاخذہ کرے گا؟

﴿بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے''

﴿وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٤٩﴾﴾ ''اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

ان کو اگر پاکیزگی نہیں ملتی تو اس کا سبب ان کے اپنے کرتوت ہیں' اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جاتا۔ فَتِیل دراصل اُس دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کے اندر گٹھلی کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں جو چھوٹی سے چھوٹی چیزیں لوگوں کے مشاہدے میں آتی تھیں ظاہر ہے کہ وہیں سے کسی چیز کے چھوٹا ہونے کے لیے مثال پیش کی جاسکتی تھی۔

آیت ۵۰ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ ''دیکھو یہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ رہے ہیں؟''

﴿وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٠﴾﴾ ''اور صریح گناہ ہونے کے لیے تو یہی کافی ہے۔''

یعنی ان کی گرفت کے لیے اور ان کو عذاب دینے کے لیے یہی ایک بات کافی ہے جو انہوں نے گھڑی ہے۔

آیت ۵۱ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ ''کیا تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا''

﴿يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ﴾ ''وہ ایمان لاتے ہیں بُتوں پر اور شیطان پر''

﴿وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿٥١﴾﴾ ''اور کہتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا (یعنی مشرکین) کہ ان اہلِ ایمان سے زیادہ ہدایت پر تو یہ ہیں۔''

یہود اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس حد تک پہنچ گئے تھے۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی ؓ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ میں ان سے مشابہ تھے' پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان رکھتے تھے اور تورات کو اللہ کی کتاب مانتے تھے۔ لیکن اہلِ ایمان کے ساتھ ضِدم ضِدّا اور عداوت میں وہ اس حد تک آگے بڑھے کہ مشرکینِ مکہ سے مل کر ان کے بتوں کی تعظیم کرتے اور کہتے کہ یہ مشرک مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں اور ان کا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے۔

آیت ۵۲ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرمادی ہے۔''

﴿وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾﴾ ''اور جس پر اللہ لعنت کر دے پھر تم اُس کے لیے کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔''

آیت ۵۳ ﴿اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ﴾ ''کیا ان کا کوئی حصہ ہے اقتدار میں؟''

انہوں نے یہ جو تقسیم کر لی ہے کہ دنیا میں یہ سب کچھ ہمارے لیے ہے' باقی تمام انسان Goyims اور Gentiles ہیں' تو انسانوں میں یہ تقسیم اور تفریق کا اختیار انہیں کس نے دیا ہے؟ کیا ان کا اللہ کی حکومت میں کوئی حصہ ہے؟ زمین وآسمان کی بادشاہی تو اللہ کی ہے' مالک الملک اللہ ہے۔ تو کیا ان کو اُس کے پاس سے کوئی اختیار ملا ہوا ہے؟

﴿فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾﴾ ''اگر ایسا کہیں ہوتا تو یہ دوسرے لوگوں کو تل کے برابر بھی کوئی شے دینے کو تیار نہ ہوتے۔''

آیت ۵۴ ﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''کیا یہ حسد کر رہے ہیں لوگوں سے اس پر کہ جو اللہ نے ان کو اپنے فضل میں سے عطا کر دیا ہے؟''

دراصل یہ سب اس حسد کا نتیجہ ہے جو یہ مسلمانوں سے رکھتے ہیں کہ اللہ نے ان اُمّیین میں اپنا آخری نبی بھیج دیا اور انہیں اپنی آخری کتاب عطا فرما دی جنہیں یہ حقیر سمجھتے تھے۔ اب یہ اس حسد کی آگ میں جل رہے ہیں۔

﴿فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾﴾ ''تو ہم نے آلِ ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بہت بڑی حکومتیں بھی دیں۔''

یعنی انہیں اگر تورات اور انجیل ملی تھی تو ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہونے کے ناتے سے ملی تھی' تو یہ جو بنو اسماعیلؑ ہیں یہ بھی تو ابراہیمؑ ہی کی نسل سے ہیں۔ ہاں بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت علیحدہ علیحدہ ملی۔ تورات کتاب تھی اور انجیل حکمت تھی' جبکہ یہاں کتاب اور حکمت اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جگہ پر قرآن میں بتمام وکمال جمع کر دی ہیں۔ مزید برآں جیسے ان کو ملکِ عظیم دیا تھا' اب ہم ان مسلمانوں کو اس سے بڑا ملک دیں گے۔ یہ مضمون سورۃ النور میں آئے گا: ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (آیت ۵۵) ''ہم لازماً ان اہل ایمان کو دنیا میں حکومت اور خلافت عطا کریں گے جیسے ان سے پہلوں کو عطا کی تھی۔''

آیت ۵۵ ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ﴾ ''پس ان میں سے وہ بھی ہیں جو اس پر ایمان لے آئے ہیں اور وہ بھی ہیں جو اس سے رُک گئے ہیں۔''

﴿وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾﴾ ''اور ایسے لوگوں کے لیے تو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہی کافی ہے۔''

آیت ۵۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا﴾ ''یقیناً جو لوگ ہماری آیات کا کفر

کریں گے ایک وقت آئے گا کہ ہم انہیں آگ میں جھونک دیں گے۔''

﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا﴾ ''اور جب بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی ہم ان کو دوسری کھالیں بدل دیں گے''

﴿لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ ''تاکہ وہ عذاب کا مزا چکھتے رہیں۔''

یہ بھی ایک بہت بڑی حقیقت ہے جسے میڈیکل سائنس نے دریافت کیا ہے کہ درد کا احساس انسان کی کھال (skin) ہی میں ہے۔ اس کے نیچے گوشت اور عضلات وغیرہ میں درد کا احساس نہیں ہے۔ کسی کو چٹکی کاٹی جائے' کانٹا چبھے' چوٹ لگے یا کوئی حصہ جل جائے تو تکلیف اور درد کا سارا احساس جلد ہی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ جہنمیوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ جب بھی ان کی کھال آتشِ جہنم سے جل جائے گی تو اس کی جگہ نئی کھال دے دی جائے گی تاکہ ان کی تکلیف اور جلن کا احساس مسلسل برقرار رہے' اس میں کمی نہ ہو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٥٦﴾﴾ ''یقیناً اللہ زبردست ہے' کمالِ حکمت والا ہے۔''

آیت ۵۷ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے''

اہلِ جہنم کے تذکرے کے فوراً بعد اب اہلِ جنت کا ذکر ہے۔ یہ فوری تقابل (simultaneous contrast) کا وہ معروف انداز ہے جو قرآن مجید میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔

﴿سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''عنقریب انہیں ہم داخل کریں گے ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی''

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ ''وہ رہیں گے ان میں ہمیشہ ہمیش۔''

﴿لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ ''ان کے لیے اس میں ہوں گی بڑی پاکباز بیویاں''

﴿وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿٥٧﴾﴾ ''اور ہم انہیں داخل کریں گے گھنی چھاؤں میں۔''

انہیں ایسی گہری اور ٹھنڈی چھاؤں میں رکھا جائے گا جو دھوپ کی حدت اور تمازت سے بالکل محفوظ ہوگی۔

یہاں وہ حصہ ختم ہوا جس میں اہلِ کتاب کی طرف روئے سخن تھا۔ اب پھر مسلمانوں سے خطاب ہے۔

آیات ۵۸ تا ۷۰

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٥٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٥٩﴾ ع ۸ ۵

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن
يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا
بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ
عَنكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ
بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ
عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ
بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ
لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا
أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ
لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾ وَإِذًا لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾ وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا
مُّسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ
وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۚ
وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ﴿٧٠﴾ ع

یہ دو آیات (۵۸'۵۹) قرآن مجید کی نہایت اہم آیات ہیں' ان میں اسلام کا سارا سیاسی' قانونی اور دستوری نظام موجود ہے۔ فرمایا:

آیت ۵۸ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ ''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو''

﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ ''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ جو بھی سیاسی نظام بناتے ہیں اس میں مناصب ہوتے ہیں' جن کی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں اور اختیارات بھی۔ لہٰذا ان مناصب کے انتخاب میں آپ کی رائے کی حیثیت امانت کی ہے۔ آپ اپنی رائے دیکھ بھال کر دیں کہ کون اس کا اہل ہے۔ اگر آپ نے ذات برادری' رشتہ داری وغیرہ کی بنا پر یا مفادات کے لالچ میں یا کسی کی دھونس کی وجہ سے کسی کے حق میں رائے دی تو یہ صریح خیانت ہے۔ حق رائے دہی ایک امانت ہے اور اس امانت کا استعمال صحیح صحیح ہونا چاہیے۔ عام معنی میں بھی امانت کی حفاظت ضروری ہے اور

جو بھی امانت کسی نے رکھوائی ہے اسے واپس لوٹانا آپ کی شرعی ذمہ داری ہے۔ لیکن یہاں یہ بات اجتماعی زندگی کے اہم اصولوں کی حیثیت سے آ رہی ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ گویا پہلی ہدایت سیاسی نظام سے متعلق ہے کہ امیر المؤمنین یا سربراہِ ریاست کا انتخاب اہلیت کی بنیاد پر ہوگا' جبکہ دوسری ہدایت عدلیہ (Judiciary) کے استحکام کے بارے میں ہے کہ وہاں بلا امتیاز ہر ایک کو عدل و انصاف میسر آئے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ﴾ ''یقیناً یہ بہت ہی اچھی نصیحتیں ہیں جو اللہ تمہیں کر رہا ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿٥٨﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

اگلی آیت میں تیسری ہدایت مقننہ (Legislature) کے بارے میں آ رہی ہے کہ اسلامی ریاست کی دستوری بنیاد کیا ہوگی۔ جدید ریاست کے تین ستون انتظامیہ (Executive)' عدلیہ (Judiciary) اور مقننہ (Legislature) گنے جاتے ہیں۔ ان میں سے پہلے دو کا ذکر گزشتہ آیت میں آیا ہے۔ اب اگلی آیت میں مقننہ کا ذکر ہے کہ اسلامی ریاست میں قانون سازی کے اصول کیا ہوں گے۔ فرمایا:

آیت ٥٩ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ ''اے اہل ایمان! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی''

یعنی کوئی قانون اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی منشا کے خلاف نہیں بنایا جا سکتا۔ اصولی طور پر یہ بات پاکستان کے دستور میں بھی تسلیم کی گئی ہے:

"No Legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah."

یعنی کوئی قانون سازی قرآن و سنت کے منافی نہیں کی جائے گی۔ لیکن اس کی تنفیذ و تعمیل کی کوئی ضمانت موجود نہیں ہے' لہٰذا اس وقت ہمارا دستور منافقت کا پلندہ ہے۔ اس آیت کی رو سے اللہ کے احکام اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام قانون سازی کے دو مستقل ذرائع (sources) ہیں۔ اس طرح یہاں منکرین سنت کی نفی ہوتی ہے جو مؤخر الذکر کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا:

﴿وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ﴾ ''اور اپنے میں سے اولوالامر کی بھی (اطاعت کرو)۔''

اس آیت کا اسلوب خصوصی طور پر لائق توجہ ہے۔ یہاں تین ہستیوں یعنی اللہ' رسول ﷺ اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے' لیکن پہلے دو کے لیے ''اَطِيْعُوْا'' کا لفظ آیا ہے' جبکہ تیسرے کے لیے نہیں ہے۔ ایک اسلوب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ''اَطِيْعُوْا'' ایک مرتبہ آ جاتا اور اس کا اطلاق تینوں پر ہو جاتا: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ''۔ اس طرح تینوں برابر ہو جاتے۔ دوسرا اسلوب یہ ہو سکتا تھا کہ ''اَطِيْعُوْا'' تیسری مرتبہ بھی آتا: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاَطِيْعُوْا اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ''۔ لیکن قرآن نے جو اسلوب اختیار کیا ہے کہ ''اَطِيْعُوْا'' دو کے ساتھ ہے' تیسرے کے ساتھ نہیں ہے' اس سے اولوالامر کی اطاعت کا مرتبہ (status) متعین ہو جاتا ہے۔ ایک تو ''مِنْكُمْ'' کی شرط سے واضح ہو گیا کہ

اولوالامر تم ہی میں سے ہونے چاہئیں‘ یعنی مسلمان ہوں۔ غیر مسلم کی حکومت کو ذہناً تسلیم کرنا اللہ سے بغاوت ہے۔ پھر متذکرہ بالا اسلوب سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اولوالامر کی اطاعت مطلق‘ دائم اور غیر مشروط نہیں۔ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت مطلق‘ دائم‘ غیر مشروط اور غیر محدود ہے‘ لیکن صاحب امر کی اطاعت اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہوگی۔ وہ جو حکم بھی لائے اسے بتانا ہو گا کہ میں کتاب وسنت سے کیسے اس کا استنباط کر رہا ہوں۔ گویا اسے کم از کم یہ ثابت کرنا ہو گا کہ یہ حکم کتاب وسنت کے خلاف نہیں ہے۔ ایک مسلمان ریاست میں قانون سازی اسی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست میں قانون ساز ادارہ کوئی بھی ہو‘ کانگریس ہو‘ پارلیمنٹ ہو یا مجلس ملی ہو‘ وہ قانون سازی اس شرط کے ساتھ کرے گی کہ اس کا بنایا ہوا کوئی قانون قرآن وسنت سے متصادم نہ ہو۔

﴿فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ﴾ ’’پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں اختلافِ رائے ہو جائے‘‘

ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ اولوالامر کہے کہ میں تو اسے اسلام کے عین مطابق سمجھتا ہوں‘ لیکن دوسرے لوگ کہیں کہ نہیں‘ یہ بات خلافِ اسلام ہے‘ تو اب کہاں جائیں؟ فرمایا:

﴿فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ﴾ ’’تو اسے لوٹا دو اللہ اور رسول کی طرف‘‘

یعنی ہر ایک کو اپنا موقف درست ثابت کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے یعنی قرآن وسنت سے دلیل لانی پڑے گی۔ میری پسند‘ میرا خیال‘ میرا نظریہ والا استدلال قابل قبول نہیں ہوگا۔ استدلال کی بنیاد اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مرضی ہوگی۔ البتہ اس حکم میں ایک خلاء چھوڑا گیا ہے جو ہر زمانے کے حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے پُر ہو گا۔ وہ خلا یہ ہے کہ یہ فیصلہ کون کرے گا کہ فریقین میں سے کس کی رائے صحیح ہے۔ بہر حال آج کے ریاستی نظام میں یہ خلا ایک آزاد عدلیہ پُر کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب عرب میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تو اس طرح علیحدہ علیحدہ ریاستی ادارے ابھی واضح طور پر وجود میں نہیں آئے تھے اور ان کی الگ الگ شناخت نہیں تھی کہ یہ مقننہ (Legislature) ہے‘ یہ عدلیہ (Judiciary) ہے اور یہ انتظامیہ (Executive) ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تو کوئی قاضی تھے ہی نہیں۔ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شعبۂ قضاء شروع کیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہ ریاستی ادارے پروان چڑھے۔ جدید دور میں ان تنازعات کے حل کا ادارہ عدلیہ ہے۔ وہاں ہر شخص جائے اور اپنی دلیل پیش کرے۔ علماء جائیں‘ قانون دان جائیں اور سب جا کر دلائل دیں۔ وہاں سے فیصلہ ہو جائے گا کہ کون سی بات واقعتاً قرآن وسنت سے متصادم ہے۔

﴿اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾ ’’اگر تم واقعتاً اللہ پر اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘

﴿ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ﴿۵۹﴾﴾ ’’یہی طریقہ بہتر بھی ہے اور نتائج کے اعتبار سے بھی بہت مفید ہے۔‘‘

آگے پھر منافقین کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے۔ یاد رہے کہ میں نے آغاز میں عرض کیا تھا کہ اس سورۂ مبارکہ کا سب سے بڑا حصہ منافقین سے خطاب اور ان کے تذکرے پر مشتمل ہے۔

آیت ٦٠ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ''کیا تم نے غور نہیں کیا اُن لوگوں کی طرف جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ ایمان لے آئے ہیں اُس پر بھی جو (اے نبی ﷺ!) آپ پر نازل کیا گیا اور اُس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا''

لیکن ان کا طرزِ عمل یہ ہے کہ:

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ﴾ ''وہ چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمات کے فیصلے طاغوت سے کروائیں''

یہاں ''طاغوت'' سے مراد وہ حاکم یا وہ ادارہ ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتا۔ پچھلی آیت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا۔ گویا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر کاربند ہو گیا وہ طاغوت سے خارج ہو گیا اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کو قبول نہیں کرتا وہ طاغوت ہے' اس لیے کہ وہ اپنی حد سے تجاوز کر گیا۔ چنانچہ غیر مسلم حاکم یا منصف جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کا پابند نہیں وہ طاغوت ہے۔

﴿وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾ ''حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا کفر کریں۔''

منافقینِ مدینہ کی عام روش یہ تھی جس مقدمہ میں انہیں اندیشہ ہوتا کہ فیصلہ ان کے خلاف ہو گا اسے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لانے کے بجائے یہودی عالموں کے پاس لے جاتے۔ وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کے پاس جائیں گے تو حق اور انصاف کی بات ہو گی۔ ایک یہودی اور ایک مسلمان جو منافق تھا' ان کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ یہودی کہنے لگا کہ چلو محمد (ﷺ) کے پاس چلتے ہیں۔ اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ میں حق پر ہوں۔ لیکن یہ منافق کہنے لگا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں جو ایک یہودی عالم تھا۔ بہرحال وہ یہودی اس منافق کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ آپؐ نے دونوں کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔ وہاں سے باہر نکلے تو منافق نے کہا کہ چلو اب حضرت عمرؓ کے پاس چلتے ہیں' وہ جو فیصلہ کر دیں وہ مجھے منظور ہو گا۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے۔ منافق کو یہ امید تھی کہ حضرت عمرؓ میرا زیادہ لحاظ کریں گے' کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ لیکن جب یہودی نے یہ بتایا کہ اس مقدمے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ میرے حق میں کر چکے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' تلوار لی اور اس منافق کی گردن اڑا دی کہ جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں ہے اور اس کے بعد مجھ سے فیصلہ کروانا چاہتا ہے اس کے حق میں میرا یہ فیصلہ ہے! اس پر اس منافق کے خاندان والوں نے بڑا واویلا مچایا۔ وہ چیختے چلّاتے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ مقتول حضرت عمرؓ کے پاس یہودی کو لے کر اس وجہ سے گیا تھا کہ وہ اس معاملہ میں باہم مصالحت کرا دیں' اس کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کے فیصلے سے انکار نہیں تھا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اصل حقیقت ظاہر فرما دی گئی۔

﴿وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝٦٠﴾ ''اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت دور کی

گمراہی میں ڈال دے۔''

آیت ٦١ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور آؤ رسول کی طرف''

اپنے مقدمات کے فیصلے اللہ کے رسول ﷺ سے کراؤ۔

﴿رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝٦١﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ دیکھتے ہیں کہ یہ منافق آپ کے پاس آنے سے کنی کتراتے ہیں۔''

صَدَّ یَصُدُّ رُکنے کے معنی میں بھی آتا ہے اور روکنے کے معنی میں بھی۔

آیت ٦٢ ﴿فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢبِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ ''پھر اُس وقت کیا ہوا جب ان پر کوئی مصیبت آ گئی ان کے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے''

﴿ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ڰ بِاللّٰهِ﴾ ''پھر وہ آپ کے پاس آئے اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے''

وہ چیختے چلّاتے آئے کہ عمرؓ نے ہمارا آدمی مار ڈالا ہے' ہمیں اس کا قصاص دلایا جائے۔

﴿اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝٦٢﴾ ''کہ ہم تو صرف بھلائی اور موافقت چاہتے تھے۔''

ہم تو عمرؓ کے پاس محض اس لیے گئے تھے کہ کوئی مصالحت اور راضی نامہ ہو جائے۔

آیت ٦٣ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۤ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ اسے جانتا ہے۔''

﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے چشم پوشی کیجیے''

﴿وَعِظْهُمْ﴾ ''اور ان کو ذرا نصیحت کیجیے''

﴿وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ۝٦٣﴾ ''اور ان سے خود ان کے بارے میں ایسی بات کہیے جو ان کے دلوں میں اُتر جائے۔''

یہ آیات نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بَری قرار دیا کہ اللہ کی طرف سے ان کی براءت آ گئی ہے' اور اسی دن سے ان کا لقب ''فاروق'' قرار پایا' یعنی حق و باطل میں فرق کر دینے والا۔

اب ایک بات نوٹ کر لیجیے کہ اس سورۂ مبارکہ میں منافقت جو زیر بحث آئی ہے وہ تین عنوانات کے تحت ہے۔ منافقوں پر تین چیزیں بہت بھاری تھیں' جن میں سے اوّلین رسول اللہ ﷺ کی اطاعت تھی۔ دراصل نفسیاتی طور پر ایک انسان کے لیے دوسرے انسان کی اطاعت کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ ہم جو رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے ایک ادارے (institution) کی حیثیت رکھتے ہیں' رسولؐ شخصاً ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں۔ جبکہ ان منافقین کے سامنے رسول اللہ ﷺ شخصاً موجود تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ ان کے بھی دو ہاتھ ہیں' دو پاؤں ہیں' دو آنکھیں ہیں' لہٰذا بظاہر اپنے جیسے ایک انسان کی اطاعت ان پر بہت شاق

تھی۔ جیسا کہ جماعتی زندگی میں بعض لوگوں پر امیر کی اطاعت بہت شاق گزرتی ہے۔ اس لیے کہ امیر کی رائے پر چلنے کے لیے اپنی رائے کو پیچھے ڈالنا پڑتا ہے۔ بہر حال جو صادق الایمان مسلمان تھے انہیں تو یہ یقین تھا کہ یہ محمد بن عبداللہ جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں، حقیقت میں محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور ہم ان کی اسی حیثیت میں ان پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کے دلوں میں یہ یقین نہیں تھا یا کمزور تھا ان کے لیے حضور ﷺ کی شخصی اطاعت بڑی بھاری اور بڑی کٹھن تھی۔ اسی لیے بعض مواقع پر منافقین حضور ﷺ پر اعتراض کرتے کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنے پاس سے کہہ رہے ہیں۔ کیوں نہیں کوئی سورت نازل ہو جاتی؟ کیوں نہیں کوئی آیت نازل ہو جاتی؟ اور سورۂ محمدؐ اسی انداز میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے جب حضور ﷺ کے اقدامِ جہاد کے بارے میں کہا کہ محمد ﷺ نے خود اپنی طرف سے اقدام کر دیا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۂ محمد میں قتال کی آیات نازل کر دی گئیں۔ دوسری چیز جو اُن پر کٹھن تھی وہ تھا قتال، یعنی اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلنا۔ اس معاملے میں ان کا حال بقول غالبؔ یہ تھا کہ ؏ ''مرحلہ سخت ہے اور جان عزیز!'' تیسری کٹھن چیز ہجرت تھی۔ اس کا اطلاق منافقینِ مدینہ پر نہیں ہوتا تھا بلکہ مکہ اور اردگرد کے جو منافق تھے ان پر ہوتا تھا۔ ان کا ذکر بھی آگے آئے گا۔ ظاہر ہے گھر بار اور خاندان والوں کو چھوڑ کر نکل جانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اب اس پس منظر میں سب سے پہلے اطاعتِ رسولؐ کی اہمیت بیان کی جا رہی ہے:

آیت ٦٤ ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس لیے کہ اُس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔''

﴿وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ﴾ ''اور اگر وہ، جبکہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے''

﴿فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ﴾ ''اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے''

﴿لَـوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ﴿٦٤﴾﴾ ''تو وہ یقیناً اللہ کو بڑا توبہ قبول فرمانے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔''

آیت ٦٥ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ﴾ ''پس نہیں، آپ کے رب کی قسم! یہ ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو حَکم نہ مانیں اُن تمام معاملات میں جو ان کے مابین پیدا ہو جائیں''

یعنی اس معاملے میں انہیں کوئی اختیار (choice) حاصل نہیں ہے۔ ان کے مابین جو بھی نزاعات اور اختلافات ہوں ان میں اگر یہ آپ کو حَکم نہیں مانتے تو آپ کے رب کی قسم یہ مؤمن نہیں ہیں۔ کلامِ الٰہی کا دوٹوک اور پُرجلال انداز ملاحظہ کیجیے۔

﴿ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ ﴾ ''پھر جو کچھ آپ فیصلہ کر دیں اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں''

اگر آپ کا فیصلہ قبول بھی کر لیا' لیکن دل کی تنگی اور کدورت کے ساتھ کیا تب بھی یہ مؤمن نہیں ہیں۔

﴿ وَیُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۶۵﴾ ﴾ ''اور سر تسلیم خم کریں' جیسے کہ سرِ تسلیم خم کرنے کا حق ہے۔''

واضح رہے کہ یہ حکم صرف رسول اللہ ﷺ کی زندگی تک محدود نہیں تھا' بلکہ یہ قیامت تک کے لیے ہے۔

آیت ۶۶ ﴿ وَلَوۡ اَنَّا کَتَبۡنَا عَلَیۡہِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ﴾ ''اور اگر ہم نے ان پر یہ فرض کر دیا ہوتا کہ قتل کرو اپنے آپ کو''

﴿ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِیَارِکُمۡ ﴾ ''یا نکلو اپنے گھروں سے''

﴿ مَّا فَعَلُوۡہُ اِلَّا قَلِیۡلٌ مِّنۡہُمۡ ؕ ﴾ ''تو یہ اس کی تعمیل نہ کرتے سوائے ان میں سے چند ایک کے۔''

﴿ وَلَوۡ اَنَّہُمۡ فَعَلُوۡا مَا یُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ﴾ ''اور اگر یہ لوگ وہ کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جا رہی ہے''

اس کا ترجمہ اس طرح بھی کیا گیا ہے: ''اور اگر یہ لوگ وہ کرتے جس کی انہیں ہدایت کی جاتی''، یعنی اپنے آپ کو قتل کرنا اور اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہونا۔

﴿ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ وَاَشَدَّ تَثۡبِیۡتًا ﴿۶۶﴾ ﴾ ''تو یہی ان کے لیے بہتر ہوتا اور انہیں دین پر ثابت قدم رکھنے والا ہوتا۔''

آیت ۶۷ ﴿ وَّاِذًا لَّاٰتَیۡنٰہُمۡ مِّنۡ لَّدُنَّـاۤ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۶۷﴾ ﴾ ''اور اس صورت میں ہم انہیں اپنے پاس سے بہت بڑا اجر دیتے۔''

آیت ۶۸ ﴿ وَّلَہَدَیۡنٰہُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ﴿۶۸﴾ ﴾ ''اور انہیں ہدایت فرما دیتے سیدھی راہ کی طرف۔''

اکثر مفسرین نے اس آیت کے الفاظ کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کیا ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ حکم دے کہ اپنے آپ کو قتل کرو' خودکشی کرو' تو ہمیں یہ کرنا ہوگا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ حکم دے کہ اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو نکلنا ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور اُس کی طرف سے دیا گیا ہر حکم ہمارے لیے واجب التعمیل ہے۔ البتہ یہاں ﴿ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ﴾ کے الفاظ میں ایک مزید اشارہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۵۴) میں ہم تاریخ بنی اسرائیل کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی ان کو مرتد ہونے کی جو سزا دی گئی تھی اس کے لیے یہی الفاظ آئے تھے: ﴿ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ﴾ ''پس قتل کرو اپنے آپ کو''۔ اس سے مراد یہ تھی کہ تم اپنے اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو قتل کرو جنہوں نے اس کفر و شرک کا ارتکاب کیا ہے۔ اب ادھر منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ ان کی حمایت میں اکثر و بیشتر ان کے خاندان والے' رشتہ دار' ان کے گھرانے والے سب ان کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ تو یہاں شاید یہ بتایا جا رہا ہے کہ بجائے اس کے کہ تم ان کی حمایت کرو' تمہارا طرزِ عمل اس کے برعکس ہونا چاہیے کہ تم اپنے اندر سے خود دیکھو

کہ کون منافق ہیں جو اصل میں آستین کے سانپ ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم نہیں دیا' مگر وہ یہ حکم بھی دے سکتا تھا کہ ہر گھرانہ اپنے ہاں کے منافقین کو خود قتل کرے۔ یہ تو حضرت عمرؓ نے اپنی غیرتِ ایمانی کی وجہ سے اس منافق کو قتل کیا تھا' جبکہ اُس منافق کے خاندان کے لوگ حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کر رہے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا تو یہ بھی تمہیں کرنا چاہیے تھا' لیکن یہ اللہ کے علم میں ہے کہ تم میں سے بہت کم لوگ ہوتے جو اس حکم کی تعمیل کرتے۔ اور اگر وہ یہ کر گزرتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور ان کے ثباتِ قلبی اور ثباتِ ایمانی کا باعث ہوتا۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ انہیں خاص اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا فرماتا اور انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا۔

اب جو آیت آ رہی ہے یہ اطاعتِ رسول کے موضوع پر قرآن حکیم کی عظیم ترین آیت ہے۔ فرمایا:

آیت ۶۹ ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ''اور جو کوئی اطاعت کرے گا اللہ کی اور رسولؐ کی تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں معیت حاصل ہوگی اُن کی جن پر اللہ کا انعام ہوا''

﴿مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ﴾ ''یعنی انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین۔''

﴿وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝﴾ ''اور کیا ہی اچھے ہیں یہ لوگ رفاقت کے لیے۔''

یعنی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرنے والوں کا شمار ان لوگوں کے زمرے میں ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ اس حوالے سے سورۃ الفاتحہ کے یہ الفاظ بھی ذہن میں تازہ کرلیں: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾۔ گویا آیت زیر مطالعہ ''اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کی تفسیر ہے۔ آیت میں مذکور مراتب کے بارے میں یہ وضاحت مدنظر رکھیے کہ صالح مسلمان گویا baseline پر ہے۔ وہ ایک نیک نیت مسلمان ہے جس کے دل میں خلوص کے ساتھ ایمان ہے۔ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے احکام پر عمل کر رہا ہے' محرمات سے بچا ہوا ہے۔ وہ اس سے اوپر اٹھے گا تو اس سے آگے شہداء کا درجہ ہے' اس سے بلند تر درجہ صِدّیقین کا ہے اور بلند ترین درجہ انبیاء کا ہے۔ اس بلند ترین درجے پر تو کوئی نہیں پہنچ سکتا' اس لیے کہ وہ کوئی کسبی چیز نہیں ہے' وہ تو ایک وہبی چیز تھی' جس کا دروازہ بھی اب بند ہو چکا ہے۔ البتہ مرتبہ صالحیت سے بلند تر دو درجے اب بھی موجود ہیں کہ انسان اپنی ہمت' محنت اور کوشش سے شہادت اور صدیقیت کے مراتب پر فائز ہو سکتا ہے۔ یہ مضمون ان شاء اللہ سورۃ الحدید میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان ہوگا۔

آیت ۷۰ ﴿ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے اُن پر کہ جنہیں آخرت میں انبیاء کرام' صِدّیقین عظام' شہداء اور صالحین کی معیت حاصل ہو جائے۔ اس کے لیے دُعا کرنی چاہیے: وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ اے اللہ ہمیں موت دیجیو اپنے وفادار و نیکوکار بندوں کے ساتھ!

﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝﴾ ''اور اللہ کافی ہے ہر شے کے جاننے کے لیے۔''

یعنی کون کس استعداد کا حامل ہے اور کس قدر و منزلت کا مستحق ہے' اللہ خوب جانتا ہے۔ حقیقت جاننے کے لیے بس اللہ ہی کا علم کافی ہے۔

آیات ۷۱ تا ۷۶

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ۝ وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ
لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ۝
وَ لَىِٕنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَیَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ یّٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ
مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝ فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا
بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَ مَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ وَ مَا
لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ
یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۙۚ
وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
ع یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۚ اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا ۝

اب ذکر آ رہا ہے قتال فی سبیل اللہ کا۔ یہ دوسری چیز تھی جو منافقین پر بہت بھاری تھی۔ مادی اعتبار سے یہ بڑا سخت امتحان تھا۔ اطاعتِ رسولؐ زیادہ تر ایک نفسیاتی مرحلہ تھا' ایک نفسیاتی الجھن تھی' لیکن اپنا مال خرچ کرنا اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا ایک خالص محسوس مادی شے تھی۔

آیت ۷۱ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ ''اے اہلِ ایمان' اپنے تحفظ کا سامان (اور اپنے ہتھیار) سنبھالو'

﴿فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ۝﴾ ''اور (جہاد کے لیے) نکلو' خواہ ٹکڑیوں کی صورت میں خواہ فوج کی شکل میں۔''

یعنی جیسا موقع ہو اس کے مطابق الگ الگ دستوں کی شکل میں یا اکٹھے فوج کی صورت میں نکلو۔ رسول اللہ ﷺ موقع کی مناسبت سے کبھی چھوٹے چھوٹے گروپ بھیجتے تھے۔ جیسے غزوۂ بدر سے قبل آپؐ نے آٹھ مہمیں روانہ فرمائیں' جبکہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں آپؐ پوری فوج لے کر نکلے۔ تو ان میں سے جو شکل بھی ہو' نکلو اللہ کی راہ میں!

آیت ۷۲ ﴿وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ﴾ ''اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو دیر لگا دیتے ہیں۔''

حکم ہو گیا ہے کہ جہاد کے لیے نکلنا ہے' فلاں وقت کوچ ہو گا' لیکن وہ تیاری میں ڈھیل برت رہے ہیں اور پھر بہانہ بنا دیں گے کہ بس ہم تو تیاری کر ہی رہے تھے۔ اور وہ منتظر رہتے ہیں کہ جنگ کا فیصلہ ہو جائے تو اُس

وقت ہم کہیں گے کہ ہم تو بس نکلنے ہی والے تھے کہ یہ فیصلہ ہم کو پہنچ گیا۔

﴿فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ ''پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پیش آ جائے''

اگر جنگ کے لیے نکلنے والے مسلمانوں کو کوئی تکلیف پیش آ جائے' کوئی گزند پہنچ جائے' وقتی طور پر کوئی ہزیمت ہو جائے۔

﴿قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾﴾ ''تو وہ کہے گا کہ مجھ پر تو اللہ نے بڑا انعام کیا کہ میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوا۔''

مجھ پر اللہ کا بڑا فضل و کرم ہوا کہ میں پیچھے رہ گیا اور اس معرکے میں جانے سے بچ گیا۔ میری فلاں جو ضرورت تھی وہ میرے لیے رحمت بن گئی۔ اُس وقت میرا جو اونٹ گم ہوا تھا اگر کہیں میرے پاس موجود ہوتا تو میں بھی ان کے ساتھ مصیبت میں گرفتار ہوتا۔

آیت ۷۳ ﴿وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''اور اگر تمہیں کوئی فضل پہنچ جائے اللہ کی طرف سے''

یعنی تمہیں فتح ہو جائے اور تم کامرانی کے ساتھ مالِ غنیمت لے کر واپس آ ؤ۔

﴿لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ﴾ ''تو اُس وقت وہ (حسرت کے ساتھ) کہے گا' جیسے تمہارے اور اس کے درمیان محبت کا کوئی تعلق تھا ہی نہیں''

﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾﴾ ''اے کاش کہ میں بھی ان کے ساتھ گیا ہوتا تو یہ بڑی کامیابی مجھے بھی حاصل ہو جاتی۔''

یہ منافقین کا کردار تھا جس کا یہاں نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔

آیت ۷۴ ﴿فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ﴾ ''پس اللہ کی راہ میں قتال کرنا چاہیے ان لوگوں کو جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض فروخت کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

جو لوگ دنیا کی زندگی کے بدلے میں آخرت کے طالب ہیں' ان کے لیے تو قتال فی سبیل اللہ میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر انہوں نے واقعی اللہ تعالیٰ سے یہ سودا کر لیا ہے تو پھر انہیں اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلنا چاہیے۔

﴿وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ﴾ ''اور جو کوئی بھی اللہ کی راہ میں قتال کرے گا' تو خواہ مارا جائے یا غالب ہو''

اللہ کی راہ میں قتال کرنے والے کے لیے دو ہی امکانات ہیں' ایک یہ کہ وہ قتل ہو کر مرتبۂ شہادت پر فائز ہو جائے اور دوسرے یہ کہ وہ دشمن پر غالب رہے اور فتح مند ہو کر واپس آئے۔

﴿فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٧٤﴾﴾ ''ہم اسے (دونوں حالتوں میں) بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔''

اگلی آیت میں خاص طور پر ان مسلمانوں کی نصرت و حمایت کے لیے قتال کی ترغیب دلائی جا رہی ہے جو اُس وقت مختلف علاقوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان میں کمزور بھی تھے' بیمار اور بوڑھے بھی تھے' خواتین اور بچے بھی تھے۔ یہ لوگ ایمان تو لے آئے تھے لیکن ہجرت کرنے سے معذور تھے۔ یہ اپنے اپنے علاقوں میں اور اپنے اپنے قبائل میں پھنسے ہوئے تھے جہاں ان پر ظلم ہو رہا تھا اور انہیں تشدد و تعذیب کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ تو خاص طور پر ان کی مدد کے لیے نکلنا' ان کی جان چھڑانا اور ان کو بچا کر لے آنا' یہ غیرتِ ایمانی کا بہت ہی شدید تقاضا تھا' بلکہ یہ غیرتِ انسانی کا بھی تقاضا تھا۔ چنانچہ فرمایا:

آیت ۷۵ ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم قتال نہیں کرتے اللہ کی راہ میں''

﴿وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ ''اور ان بے بس مردوں' عورتوں اور بچوں کی خاطر جو مغلوب بنا دیے گئے ہیں''

﴿الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ﴾ ''جو دُعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار' ہمیں نکال اس بستی سے جس کے رہنے والے لوگ ظالم ہیں۔''

﴿وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾﴾ ''اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بنا دے' اور ہمارے لیے خاص اپنے فضل سے کوئی مددگار بھیج دے۔''

ان کی یہ آہ و بکا تمہیں آمادۂ پیکار کیوں نہیں کر رہی؟ ان پر ظلم ہو رہا ہے' ان پر ستم ڈھائے جا رہے ہیں اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے نکلنے کو تیار نہیں ہو۔ بعض لوگ اس آیت کا انطباق ان مختلف قسم کے سیاسی تنازعات پر بھی کر دیتے ہیں جو آج کل ہمارے ہاں مختلف صورتوں میں جاری ہیں اور اس طرح وہ ان محاذ آرائیوں پر ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا لیبل لگا دیتے ہیں۔ لیکن یہ بات بالکل ہی قیاس مع الفارق ہے۔ واضح رہے کہ یہ خطاب اُن اہل ایمان سے ہو رہا ہے جن کے ہاں اسلام قائم ہو چکا تھا۔ اس کے برعکس ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنے ملک میں تو اسلام قائم کر نہیں سکتے' یہاں پر دین کے غلبہ و اقامت کی کوئی جدوجہد بھی ہم نہیں کر رہے اور ہمارے ہاں کفر کا جو نظام چل رہا ہے اس کو ختم کرنے کے لیے ہم کوشش بھی نہیں کر رہے۔ چنانچہ ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ پہلے ہم اپنے گھر کو درست کریں' پہلے اپنے ملک کے اندر اسلام قائم کریں۔ جہاد کرنا ہے تو یہاں کریں' جانیں دینی ہیں تو یہاں دیں۔ یہاں پر طاغوت کی حکومت ہے' غیر اللہ کی حکومت ہے' قرآن کے سوا کوئی اور قانون چل رہا ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾ ...... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ ...... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾﴾ (المائدۃ) ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں ...... وہی تو ظالم ہیں ...... وہی تو فاسق ہیں۔'' چنانچہ اس سیاق و سباق میں کافر' ظالم اور فاسق تو ہم خود ہیں۔ ہمیں پہلے اپنے گھر کی حالت درست کرنا

ہوگی' اس کے بعد جہاد کے لیے ایک جمعیت قائم کرنا ہوگی۔ ہماری حکومت تو ان لوگوں سے دوستیاں کرتی پھرتی ہے جن کے خلاف یہاں جہاد کا نعرہ بلند ہو رہا ہے' تو اس آیت کا حکم اپنی جگہ ایک حقیقت ہے' لیکن ہر چیز کو اس کے سیاق وسباق کے اندر رکھنا چاہیے۔

آیت ٧٦ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ﴾ ''جو لوگ ایمان والے ہیں وہ قتال کرتے ہیں اللہ کی راہ میں۔''

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ﴾ ''اور جو لوگ کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں قتال کر رہے ہیں''

جنگ تو کفار و مشرکین بھی کر رہے ہیں' جانیں تو وہ بھی دے رہے ہیں۔ ابوجہل بھی تو لشکر لے کر آیا تھا۔ لیکن ان کی ساری جدوجہد طاغوت کی راہ میں ہے۔

﴿فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَاۗءَ الشَّيْطٰنِ ۚ﴾ ''تو تم جنگ کرو شیطان کے ساتھیوں سے۔''

تم شیطان کے حمایتیوں سے' حزب الشیطان سے قتال کرو۔

﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ٧٦﴾ ''یقیناً شیطان کی چال بڑی کمزور ہے۔''

شیطان کی چال بظاہر بڑی زوردار اور بارعب دکھائی دیتی ہے' لیکن جب مردِ مؤمن اس کے مقابل کھڑا ہو جاتا ہے تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی چال بڑی بودی اور پھُسپھُسی ہے۔

آیات ٧٧ تا ٨٧

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا
لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ
وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ٧٧ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ
كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ
يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ٧٨ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ
نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ٧٩ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ
اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ٨٠ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ
عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ٨١ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ

اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ
رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا
نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا
وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً
سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا
بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ
ع ٨ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝

آیت ۷۷ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ﴾ ''تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو؟''

مکہ مکرمہ میں بارہ برس تک مسلمانوں کو یہی حکم تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔ اس دور میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے' انہیں بہت بری طرح ستایا جا رہا تھا' تشدد و تعذیب کی نئی تاریخ رقم کی جا رہی تھی۔ اس پر مسلمانوں کا خون کھولتا تھا اور بہت سے مسلمان یہ چاہتے تھے کہ انہیں اجازت دی جائے تو وہ اپنے بھائیوں پر ہونے والے ظلم و ستم کا بدلہ لیں' کہ آخر وہ بے غیرت اور بزدل تو نہیں ہیں۔ لیکن اُس وقت انہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ منہج انقلاب نبویؐ کا ''صبر محض'' کا مرحلہ تھا۔ اُس وقت ان کے لیے حکم یہ تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو۔ ؎

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی!

ایک وقت آئے گا کہ تمہارے ہاتھ کھول دیے جائیں گے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ میں ''قِیْلَ'' فعل مجہول ہے۔ یہ کہا کس نے تھا؟ مکی قرآن میں تو ''کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ'' کا حکم موجود نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ حکم تھا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ حضور ﷺ نے اہل ایمان کو ہاتھ اٹھانے سے روکا تھا اور اس کے بارے میں بتایا جا رہا ہے سورۃ النساء کی اس آیت میں جو مدنی ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ کے حکم کو یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی جلی (قرآن) کے علاوہ نبی اکرم ﷺ پر وحی خفی بھی نازل ہوتی تھی۔ تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکی دور میں وحی خفی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا ہو جو یہاں نقل ہوا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حضور ﷺ کا اپنا اجتہاد ہو جسے اللہ تعالیٰ نے برقرار رکھا ہو' اور قبول (own) کیا ہو۔

اب یہ بات یہاں محذوف ہے کہ اُس وقت تو کچھ لوگ بڑے جوش و جذبہ سے اور بڑے زور شور سے کہتے تھے کہ ہمیں اجازت ہونی چاہیے کہ ہم جنگ کریں، لیکن اب کیا حال ہوا:

﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ﴾ ''تو جب ان پر جنگ فرض کر دی گئی تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں سے اس طرح ڈر رہے ہیں جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے' بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈر رہے ہیں۔''

ظاہر بات ہے کہ یہ مکہ کے مہاجرین نہیں تھے' بلکہ یہ حال منافقینِ مدینہ کا تھا' لیکن فرق و تفاوت واضح کرنے کے لیے مکی دور کی کیفیت سے تقابل کیا گیا کہ اصل ایمان تو وہ تھا' اور یہ جو صورت حال ہے یہ کمزوریٔ ایمان اور نفاق کی علامت ہے۔

﴿وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں پروردگار! تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کر دی؟''

﴿لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ﴾ ''کیوں نہ ابھی ہمیں کچھ اور مہلت دی؟''

اس حکم کو کچھ دیر کے لیے مزید مؤخر کیوں نہ کیا؟

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے دنیا کا ساز و سامان بہت تھوڑا ہے۔''

﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ﴾ ''اور آخرت بہت بہتر ہے اُس کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کرے۔''

﴿وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾﴾ ''اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔''

تمہاری حق تلفی قطعاً نہیں ہوگی اور تمہارے جو بھی اعمال ہیں' انفاق ہے' قتال ہے' اللہ کی راہ میں ایثار ہے' اس کا تمہیں بھرپور اجر و ثواب دے دیا جائے گا۔

آیت ۷۸ ﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ﴾ ''تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تم کو پالے گی''

ظاہر ہے قتال سے جی چُرانے کا اصل سبب موت کا خوف تھا۔ چنانچہ ان کے دلوں کے اندر جو خوف تھا اسے ظاہر کیا جا رہا ہے۔ ان پر واضح کیا جا رہا ہے کہ موت سے کوئی مفر نہیں، تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں پالے گی۔

﴿وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ﴾ ''خواہ تم بڑے مضبوط قلعوں کے اندر ہی ہو۔''

اگرچہ تم بہت مضبوط (fortified) قلعوں کے اندر اپنے آپ کو محصور کر لو پھر بھی موت سے نہیں بچ سکتے۔

﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ﴾ ''اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔''

منافقین کا ایک طرزِ عمل یہ بھی تھا کہ اگر مسلمانوں کو کوئی کامیابی حاصل ہو جاتی، فتح نصیب ہو جاتی، کوئی اور بھلائی پہنچ جاتی، حضور ﷺ کی تدبیر کے اچھے نتائج نکل آتے تو اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے، بلکہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کا فضل و کرم ہوا ہے، یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ﴾ ''اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے تو کہتے ہیں کہ (اے محمد ﷺ) یہ آپ کی وجہ سے ہے۔''

آپ نے یہ غلط اقدام کیا تو اس کے نتیجے میں ہم پر یہ مصیبت آگئی۔ یہ آپ کا فیصلہ تھا کہ کھلے میدان میں جا کر جنگ کریں گے، ہم نے تو آپ کو مشورہ دیا تھا کہ مدینے کے اندر محصور ہو کر جنگ کریں۔

﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''کہہ دیجیے سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔''

یہ سب چیزیں، خیر ہو، شر ہو، تکلیف ہو، آسانی ہو، مشکل ہو، سب اللہ کی طرف سے ہیں۔

﴿فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝٧٨﴾ ''تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی بات بھی نہیں سمجھتے!''

آیت ۷۹ ﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ؗ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ﴾ ''(اے مسلمان!) تجھے جو بھلائی بھی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے، اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ خود تیرے نفس کی طرف سے ہے۔''

ان آیات کے بارے میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ میرے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ یہاں تحویلِ خطاب ہے۔ پہلی آیت میں خطاب ان مسلمانوں سے ہے جن کی طرف سے کمزوری یا نفاق کا اظہار ہو رہا تھا، لیکن اس آیت میں بحیثیتِ مجموعی خطاب ہے کہ دیکھو اے مسلمانو! جو بھی کوئی خیر تمہیں ملتا ہے اس پر تمہیں یہی کہنا چاہیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی شر پہنچ جائے تو اسے اپنے کسب و عمل کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ خیر بھی اللہ کی طرف سے ہے اور شر بھی۔ ''ایمان مفصل'' میں الفاظ آتے ہیں: ''وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى'' یعنی میں تقدیر پر بھی ایمان لایا کہ اس کی اچھائی اور برائی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ لیکن ایک مسلمان کے لیے صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ خیر ملے تو اسے اللہ کا فضل سمجھے اور اگر کوئی خرابی ہو جائے تو سمجھے کہ یہ میری کسی غلطی کے سبب ہوئی ہے، مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی تادیب فرمانی چاہی ہے۔

﴿وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ﴾ ''اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ کو تو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

اس مقام کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ درمیانی ٹکڑے میں بھی خطاب تو رسول اللہ ﷺ ہی سے ہے، لیکن استعجاب کے انداز میں کہ اچھا! جو کچھ انہیں خیر مل جائے وہ تو اللہ کی طرف سے ہے اور جو کوئی برائی

آ جائے تو وہ آپ کی طرف سے ہے! یعنی یہ کیا بات کہہ رہے ہیں! جبکہ اللہ نے تو آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی یہ دو تعبیریں ہیں۔ میرے نزدیک پہلی تعبیر راجح ہے۔

﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کافی ہے گواہ کے طور پر۔''

آیت ۸۰ ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ ''جس نے اطاعت کی رسول کی اُس نے اطاعت کی اللہ کی۔''

یہ الفاظ بہت اہم ہیں۔ اس لیے کہ یہ الفاظ دوٹوک انداز میں واضح کر رہے ہیں کہ رسولؐ کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے یہ حدیث ملاحظہ کیجیے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ' وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ 'وَمَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ ' وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ))(۱)

''جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی' اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے (مقرر کردہ) امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی' اور جس نے میرے (مقرر کردہ) امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔''

رسول اللہ ﷺ کی ساری جدوجہد جماعتی نظم کے تحت ہو رہی تھی۔ جہاد و قتال کے لیے فوج تیار ہوتی تو اس میں اوپر سے نیچے تک سمع و طاعت کی ایک زنجیر بنتی چلی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ کمانڈر انچیف تھے' آپؐ لشکر کے میمنہ' میسرہ' قلب اور عقب وغیرہ پر' نیز ہراول دستے پر الگ الگ کمانڈر مقرر فرماتے۔ ان امراء کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی' اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔

﴿وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴾ ''اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا ہے۔''

اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو ان پر داروغہ مقرر نہیں کیا۔ اپنے طرزِ عمل کے یہ خود ذمہ دار اور جواب دہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر یہ اُس کے محاسبے کا خود سامنا کریں گے۔

آیت ۸۱ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ سرِ تسلیم خم ہے''

ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ آپ کے سامنے تو کہتے ہیں کہ ہم مطیعِ فرمان ہیں' آپؐ نے جو فرمایا قبول ہے' ہم اس پر عمل کریں گے۔

﴿فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْھُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ﴾ ''پھر جب آپ کے پاس سے

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاحکام' باب قول اللہ تعالی واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ وصحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب وجوب اطاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمھا فی المعصیۃ۔

ہٹتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ راتوں کو ایسے مشورے کرتا ہے جو ان کے اپنے قول کے خلاف ہے۔''

یہ منافقین آپؐ کے سامنے اطاعت کا اقرار کرتے ہیں' لیکن آپؐ کی مجلس میں جو باتیں ظاہر کرتے ہیں راتوں کو آپس میں ان کے برعکس باتیں کرتے ہیں اور ریشہ دوانیاں اور سازشیں شروع کر دیتے ہیں۔

﴿وَاللّٰہُ یَکۡتُبُ مَا یُبَیِّتُوۡنَ ۚ﴾ ''اور اللہ لکھ رہا ہے جو بھی وہ راتوں کو مشورے کرتے ہیں۔''

﴿فَاَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے چشم پوشی کیجیے''

آپ ان کی پروانہ کیجیے' یہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ ابھی ان کے خلاف اقدام کرنا خلافِ مصلحت ہے۔ جیسے ایک دور میں فرمایا گیا: ﴿فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا﴾ (البقرۃ:۱۰۹) یعنی ان یہودیوں کو ذرا نظرانداز کیجیے' ابھی ان کی شرارتوں پر نکیر نہ کیجیے' جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کیجیے' اس لیے کہ مصلحت کا تقاضا ہے کہ ابھی یہ محاذ نہ کھولا جائے۔ اسی طرح یہاں منافقین کے بارے میں کہا گیا کہ ابھی ان سے اعراض کیجیے۔ چنانچہ ان کی ریشہ دوانیوں سے کچھ عرصے تک چشم پوشی کی گئی اور پھر غزوۂ تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان پر گرفت شروع کی۔ پھر وہ وقت آ گیا کہ اب تک ان کی شرارتوں پر جو پردے پڑے رہے تھے وہ پردے اٹھا دیے گئے۔

﴿وَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ﴾ ''اور آپ اللہ پر توکل کیجیے۔''

﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ﴿۸۱﴾﴾ ''اور اللہ کافی ہے بھروسے کے لیے۔''

آپؐ کو سہارے کے لیے اللہ کافی ہے۔ ان کی ساری ریشہ دوانیاں' یہ مشورے' یہ سازشیں' سب پادر ہوا ہو جائیں گی' آپ فکر نہ کیجیے۔

آیت ۸۲ ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴾ ''کیا یہ قرآن پر تدبر نہیں کرتے؟''

یہ قرآن پڑھتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں' لیکن اس پر غور و فکر نہیں کرتے۔ نمازیں تو وہ پڑھتے تھے۔ اُس وقت جو بھی منافق تھا اسے نماز تو پڑھنی پڑتی تھی' ورنہ اس کو مسلمان نہ مانا جاتا۔ آج تو مسلمان مانے جانے کے لیے نماز ضروری نہیں ہے' اُس وقت ضروری تھی۔ بلکہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی تو پہلی صف میں ہوتا تھا اور جمعہ کے روز تو خاص طور پر خطبے سے پہلے کھڑے ہو کر اعلان کرتا تھا کہ لوگو ان کی بات توجہ سے سنو' یہ اللہ کے رسول ہیں۔ گویا اپنی چودھراہٹ کے اظہار کے لیے یہ انداز اختیار کرتا۔ تو وہ نمازیں پڑھتے تھے' قرآن سنتے تھے' لیکن قرآن پر تدبر نہیں کرتے تھے۔ قرآن ان کے سروں کے اوپر سے گزر رہا تھا یا ان کے ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جاتا تھا۔

﴿وَلَوۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَیۡرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوۡا فِیۡہِ اخۡتِلَافًا کَثِیۡرًا ﴿۸۲﴾﴾ ''اور اگر یہ اللہ کے سوائے کسی اور کے پاس سے آیا ہوتا تو اس میں وہ بہت سے تضادات پاتے۔''

اس پر غور کرو' یہ بہت مربوط کلام ہے۔ اس کا پورا فلسفہ منطقی طور پر بہت مربوط ہے' اس کے اندر کہیں کوئی تضاد نہیں ہے۔

آیت ۸۳ ﴿ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ ﴾ ''اور جب ان کے پاس کوئی خبر پہنچتی ہے امن کی یا خطرے کی تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں۔''

منافقین کی ایک روش یہ بھی تھی کہ جوں ہی کوئی اطمینان بخش یا خطرناک خبر سن پاتے اُسے لے کر پھیلا دیتے۔ کہیں سے خبر آ گئی کہ فلاں قبیلہ چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہا ہے‘ اس کی طرف سے حملے کا اندیشہ ہے تو وہ فوراً اسے عام کر دیتے‘ تاکہ لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو جائے۔ ''اِذَاعَة'' کا لفظ آج کل نشریاتی (broadcasting) اداروں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ''مِذْیَاع'' ریڈیو سیٹ کو کہا جاتا ہے۔

﴿ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ ﴾ ''اور اگر وہ اس کو رسولؐ اور اپنے اولوالامر کے سامنے پیش کرتے''

﴿ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ ﴾ ''تو یہ بات ان میں سے ان لوگوں کے علم میں آ جاتی جو بات کی تہہ تک پہنچنے والے ہیں۔''

اگر یہ لوگ ایسی خبروں کو رسول اللہ ﷺ تک یا ذمہ دار اصحاب تک پہنچاتے تو وہ ان کی درست انداز میں تحقیق کر کے بہتر فیصلہ کرتے۔ لیکن ان کی روش یہ تھی کہ محض سنسنی پھیلانے اور سراسیمگی پیدا کرنے کے لیے ایسی خبریں لوگوں میں عام کر دیتے۔

﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ ﴾ ''اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شاملِ حال نہ ہوتی''

﴿ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۳ ﴾ ''تو تم سب کے سب شیطان کی پیروی کرتے‘ سوائے چند ایک کے۔''

آیت ۸۴ ﴿ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ ﴾ ''پس (اے نبی ﷺ!) آپ جنگ کریں اللہ کی راہ میں!''

قتال کے ضمن میں یہ قرآن مجید کی غالباً سخت ترین آیت ہے‘ لیکن اس میں سختی لفظی نہیں‘ معنوی ہے۔

﴿ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ ﴾ ''آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے سوائے اپنی ذات کے''

﴿ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ ﴾ ''البتہ اہل ایمان کو آپ اس کے لیے اُکسائیں۔''

آپؐ اہلِ ایمان کو قتال فی سبیل اللہ کے لیے‘ جس قدر ترغیب و تشویق دے سکتے ہیں‘ دیجیے۔ انہیں اس کے لیے جوش دلایئے‘ اُبھاریے۔ لیکن اگر کوئی اور نہیں نکلتا تو اکیلے نکلئے۔ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول بھی نقل ہوا ہے‘ جب ان سے کہا گیا کہ مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں نرمی کیجیے تو آپؓ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی میرا ساتھ نہیں دے گا تو میں اکیلا جاؤں گا۔ عزیمت کا یہ عالَم ہے! تو اے نبی ﷺ! آپ کو تو یہ کام کرنا ہے‘ آپ کا تو یہ فرضِ منصبی ہے۔ آپ کو ہم نے بھیجا ہی اس لیے ہے کہ روئے ارضی پر اللہ کے دین کو غالب کر دیں۔

﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ ﴾ ''بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی ان کافروں کی

قوت کو روک دے۔''

کفار و مشرکین کی جو جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں' بڑی چلت پھرت ہو رہی ہے' یہ تو کچھ عرصے کی بات ہے۔ وہ وقت بس اب آیا ہی چاہتا ہے کہ آپ کے مقابلے کے لیے ان میں دم نہیں رہے گا اور وہ وقت جلد ہی آ گیا کہ مشرکین کی کمر ٹوٹ گئی۔ سورۃ النساء کی یہ آیت ۴ ہجری میں نازل ہوئی اور ۵ ہجری میں غزوۂ احزاب پیش آیا' جس کے بعد جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے دوٹوک انداز میں اہل ایمان سے فرمادیا: ((لَنْ تَغْزُوْکُمْ قُرَیْشٌ بَعْدَ عَامِکُمْ ھٰذَا وَلٰکِنَّکُمْ تَغْزُوْنَھُمْ))(۱) ''اس سال کے بعد قریش تم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کریں گے' بلکہ اب تم ان پر حملہ آور ہو گے''۔ غزوۂ احزاب کے فوراً بعد سورۃ الصف نازل ہوئی' جس میں اہل ایمان کو فتح و نصرت کی بشارت دی گئی: ﴿وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَھَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ اس سے اگلے سال ۶ ہجری میں آپ ﷺ نے عمرے کا سفر کیا' جس کے نتیجے میں صلح حدیبیہ ہوگئی' جسے اللہ تعالیٰ نے فتح مبین قرار دیا ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ﴾ (الفتح) اس کے بعد ساتویں سال میں اللہ تعالیٰ نے فتح خیبر عطا فرمادی اور آٹھویں سال میں مکہ فتح ہوگیا۔ اس طرح ایک کے بعد ایک' سارے بند دروازے کھلتے چلے گئے۔

﴿وَاللّٰہُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْکِیْلًا ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بہت شدید ہے قوت میں بھی اور سزا دینے میں بھی۔''

منافقین سے خطاب کے بعد اب پھر کچھ تمدنی آداب کا ذکر ہو رہا ہے۔ منافقین سے خطاب میں دو باتوں کو نمایاں کیا گیا۔ ایک اطاعتِ رسولؐ جو ان پر بہت شاق گزرتی تھی اور ایک قتال فی سبیل اللہ جو ان کے لیے بہت بڑا امتحان بن جاتا تھا۔ اب پھر اہلِ ایمان سے خطاب آرہا ہے۔

آیت ۸۵ ﴿مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنْ لَّہٗ نَصِیْبٌ مِّنْھَا ۚ﴾ ''جو کوئی سفارش کرے گا بھلائی کی اُسے اس میں سے حصہ ملے گا۔''

انسانی معاشرے کے اندر کسی کے لیے سفارش کرنا بھی بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے۔ آپ کے آس پاس کوئی شخص ہے' اس کی کوئی احتیاج ہے' آپ جانتے ہیں کہ صحیح آدمی ہے' بہروپیا نہیں ہے۔ دوسرے شخص کو آپ جانتے ہیں کہ وہ اس کی مدد کر سکتا ہے تو آپ کو دوسرے شخص کے پاس جا کر اس کے حق میں سفارش کرنی چاہیے کہ میں اس کو جانتا ہوں' یہ واقعتاً ضرورت مند ہے۔ اس طرح اُس کی ضرورت پوری ہو جائے گی اور اس نیکی کے ثواب میں آپ بھی حصہ دار ہوں گے۔ اسی طرح کسی پر کوئی مقدمہ قائم ہو گیا ہے اور آپ کے علم میں اس کی بے گناہی کے بارے میں حقائق اور شواہد ہیں تو آپ کو عدالت میں پیش ہو کر یہ حقائق اور شواہد پیش کرنے چاہئیں' تاکہ اس کی گلو خلاصی ہو سکے۔ اس آیت کی رو سے نیکی' بھلائی' خیر اور عدل و انصاف کی خاطر اگر کسی کی سفارش کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

﴿وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنْ لَّہٗ کِفْلٌ مِّنْھَا ۭ﴾ ''اور جو کوئی سفارش کرے گا برائی کی تو

(۱) تفسیر ابن کثیر ۳۹۶/۶۔ بروایت محمد بن اسحاق

اسے اس میں سے حصہ ملے گا۔''

کسی نے کسی کی جھوٹی اور غلط سفارش کی' حقائق کو توڑا مروڑا تو وہ بھی اس کے جرم میں شریک ہو گیا اور وہ اس جرم کی سزا میں بھی حصہ دار ہو گا۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قوت رکھنے والا ہے۔''

آیت ٨٦ ﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ﴾ ''اور جب تمہیں سلامتی کی کوئی دعا دی جائے تو تم بھی سلامتی کی اس سے بہتر دعا دو یا اسی کو لوٹا دو۔''

ہر معاشرے میں کچھ ایسے دعائیہ کلمات رائج ہوتے ہیں جو معاشرے کے افراد باہمی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کے لیے بولتے ہیں۔ جیسے مغربی معاشرے میں گڈ مارننگ اور گڈ ایوننگ وغیرہ۔ عربوں کے ہاں صباح الخیر اور مساء الخیر کے علاوہ سب سے زیادہ رواج ''حَیَّاکَ اللّٰہ'' کہنے کا تھا۔ یعنی اللہ تمہاری زندگی بڑھائے۔ جیسے ہمارے ہاں سرائیکی علاقے میں کہا جاتا ہے ''حیاتی ہووے''۔ درازیٔ عمر کی اس دعا کو تَحِیَّہ کہا جاتا ہے۔ سلام اور اس کے ہم معنی دوسرے دعائیہ کلمات بھی سب اس کے اندر شامل ہو جاتے ہیں۔ عرب میں جب اسلامی معاشرہ وجود میں آیا تو دیگر دعائیہ کلمات بھی باقی رہے' البتہ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ'' کو ایک خاص اسلامی شعار کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس آیت میں ہدایت کی جا رہی ہے کہ جب تمہیں کوئی سلامتی کی دعا دے تو اس کے جواب کا اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ اس سے بہتر طریقے پر جواب دو۔ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ'' کے جواب میں ''وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ'' کے ساتھ ''وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ'' کا اضافہ کر کے اسے لوٹاؤ۔ اگر یہ نہیں تو کم از کم اسی کے الفاظ اس کی طرف لوٹا دو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے۔''

یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں جو ہیں انسانی زندگی میں ان کی بھی اہمیت ہے۔ ان معاشرتی آداب سے معاشرتی زندگی کے اندر حسن پیدا ہوتا ہے' آپس میں محبت و مودت پیدا ہوتی ہے۔

آیت ٨٧ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ﴾ ''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

﴿لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ﴾ ''وہ تمہیں لازماً جمع کرے گا قیامت کے دن' جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔''

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾﴾ ''اور اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا کون ہو گا؟''

منافقین پر جو تین چیزیں بہت شاق تھیں' اب ان میں سے تیسری چیز کا تذکرہ آ رہا ہے' یعنی ہجرت۔ ایک تو وہ لوگ تھے جو بیمار تھے' بوڑھے تھے' سفر کے قابل نہیں تھے' یا عورتیں اور بچے تھے' ان کا معاملہ تو پہلے ذکر ہو چکا کہ ان کے لیے تمہیں قتال کرنا چاہیے تاکہ انہیں ظالموں کے چنگل سے چھڑاؤ۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان تو کر چکے تھے لیکن اپنے کافر قبیلوں اور اپنی بستیوں کے اندر آرام سے رہ رہے تھے اور ہجرت نہیں کر رہے تھے' جبکہ ہجرت اب تمام مسلمانوں پر فرض کر دی گئی تھی۔ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ یہ ہجرت فرض کیوں

کی گئی تھی؟ اس لیے کہ جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور تحریک اس مرحلے میں داخل ہوگئی کہ اب باطل کے خلاف اقدام کرنا ہے' تو اب اہل ایمان کی جتنی بھی دستیاب طاقت تھی اسے ایک مرکز پر مجتمع کرنا ضروری تھا' تاکہ پوری قوت کے ساتھ ایک جگہ سے فیصلہ کن اقدام کیا جاسکے۔ مکی دور میں جو پہلی ہجرت ہوئی تھی یعنی ہجرت حبشہ' وہ اختیاری تھی۔ اس کی صرف اجازت تھی' حکم نہیں تھا۔ لیکن ہجرتِ مدینہ کا تو حکم تھا۔ لہٰذا اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو ہجرت نہ کرنے کی بنا پر منافق قرار پائے۔

آیات ۸۸ تا ۹۱

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ
اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝٨٨ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً
فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰى يُھَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ
حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝٨٩ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَاۗءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَھُمْ ۭ
وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَھُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ
السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝٩٠ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ
وَيَاْمَنُوْا قَوْمَھُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْھَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ
السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَھُمْ فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ
عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝٩١ ع ١٢

آیت ۸۸ ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ﴾ ''پس تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو؟''

یہ بات آگے واضح ہو جائے گی کہ یہ کن منافقین کا تذکرہ ہے' جن کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان دو آراء پائی جاتی تھیں۔ اہل ایمان میں سے بعض کا خیال تھا کہ ان کے ساتھ نرمی ہونی چاہیے' آخر یہ ایمان تو لائے تھے نا' اب ہجرت نہیں کر سکے۔ جبکہ کچھ لوگ اللہ کے حکم کے معاملے میں ان سے سخت رویہ اختیار کرنے کے حق میں تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم ان کے بارے میں دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے ہو؟

﴿وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ﴾ ''اور اللہ نے تو ان کو ان کے کرتوتوں کے سبب الٹ دیا ہے۔''

ان کا ہجرت نہ کرنا درحقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ الٹے پھیر دیے گئے ہیں۔ یعنی ان کا ایمان سلب ہو چکا ہے۔ ہاں کوئی مجبوری ہوتی' عذر ہوتا تو اور بات تھی۔

﴿اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ﴾ ''کیا تم چاہتے ہو کہ ان کو ہدایت دے دو جن کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہے؟''

جن کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے مہر تصدیق ثبت ہو چکی ہے۔

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾﴾ ''اور جس کو اللہ راستے سے ہٹا دے اُس کے لیے تم کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔''

جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے آخری مہرِ تصدیق ثبت ہو چکی ہو اس کے لیے پھر کون سا راستہ باقی رہ جاتا ہے؟

آیت ۸۹ ﴿وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً﴾ ''یہ تو چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جس طرح انہوں نے کفر کیا ہے تا کہ تم سب برابر ہو جاؤ''

یہ لوگ جو ان کے بارے میں نرمی کی باتیں کر رہے ہیں' یہ چاہتے ہیں کہ جیسے انہوں نے کفر کیا ہے تم بھی کرو' تا کہ تم اور وہ سب یکساں ہو جائیں۔ دُم کٹی بلی چاہتی ہے کہ سب بلیوں کی دُمیں کٹ جائیں۔

﴿فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''تو اب ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اللہ کی راہ میں۔''

تو ہجرت گویا اب ان کے ایمان کا لٹمس (litmus) ٹیسٹ ہے۔ اگر وہ ہجرت نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مؤمن نہیں' منافق ہیں۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪﴾ ''اور اگر وہ پیٹھ موڑ لیں (ہجرت نہ کریں) تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ۔''

یعنی اگر وہ ہجرت نہیں کرتے جو ان پر فرض کر دی گئی ہے تو پھر وہ کافروں کے حکم میں ہیں' چاہے وہ کلمہ پڑھتے ہوں۔ تم انہیں جہاں بھی پاؤ پکڑو اور قتل کرو۔

﴿وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾﴾ ''اور ان میں سے کسی کو بھی اپنا ساتھی اور مددگار مت بناؤ۔''

آیت ۹۰ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ ''سوائے ان کے جن کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے''

یعنی اس حکم سے صرف وہ منافقین مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسے قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں جس کے ساتھ تمہارا صلح کا معاہدہ ہے۔ اس معاہدے سے انہیں بھی تحفظ حاصل ہو جائے گا۔

﴿اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ﴾ ''یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ دل برداشتہ ہوں''

﴿اَنۡ یُّقَاتِلُوۡکُمۡ اَوۡ یُقَاتِلُوۡا قَوۡمَہُمۡ ؕ﴾ ''اس بات سے کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں۔''

یعنی ان میں اتنی جرأت نہیں رہی کہ وہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم کے خلاف لڑیں یا اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تمہارے خلاف لڑیں۔ انسانی معاشرے میں ہر سطح کے لوگ ہر دور میں رہے ہیں اور ہر دور میں رہیں گے۔ لہٰذا واضح کیا جا رہا ہے کہ انقلابی جدوجہد کے دوران ہر طرح کے حالات آئیں گے اور ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔ چنانچہ اس طرح کے کم ہمت لوگ جو کہتے تھے کہ بھئی ہمارے لیے لڑنا بھڑنا مشکل ہے‘ نہ تو ہم اپنی قوم کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑیں گے اور نہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے‘ ان کے بارے میں بھی فرمایا کہ ان کی بھی جان بخشی کرو۔ چنانچہ ہجرت نہ کرنے والے منافقین کے بارے میں جو یہ حکم دیا گیا کہ ﴿فَخُذُوۡہُمۡ وَاقۡتُلُوۡہُمۡ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡہُمۡ ۪﴾ ''پس ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ'' اس سے دو استثناء بیان کر دیے گئے۔

﴿وَلَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَسَلَّطَہُمۡ عَلَیۡکُمۡ فَلَقٰتَلُوۡکُمۡ ۚ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلّط کر دیتا اور وہ تم سے لڑتے۔''

یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ اللہ انہیں تمہارے خلاف ہمت عطا کر دیتا اور وہ تمہارے خلاف قتال کرتے۔

﴿فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡکُمۡ فَلَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ﴾ ''پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش رہیں اور تم سے جنگ نہ کریں''

﴿وَاَلۡقَوۡا اِلَیۡکُمُ السَّلَمَ ۙ﴾ ''اور تمہاری طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھائیں''

﴿فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمۡ عَلَیۡہِمۡ سَبِیۡلًا ﴿۹۰﴾﴾ ''تو اللہ نے تمہیں بھی ایسے لوگوں کے خلاف اقدام کرنے کی اجازت نہیں دی۔''

تو اس بات کو سمجھ لیجیے کہ جو منافق ہجرت نہیں کر رہے‘ ان کے لیے عام قاعدہ یہ ہے کہ اب ان کے خلاف اقدام ہو گا‘ انہیں جہاں بھی پاؤ پکڑو اور قتل کرو‘ وہ حربی کافروں کے حکم میں ہیں۔ اِلّا یہ کہ (ا) ان کے قبیلے سے تمہارا صلح کا معاہدہ ہے تو وہ ان کو تحفظ فراہم کر جائے گا۔ (ب) وہ آ کر اگر یہ کہہ دیں کہ ہم بالکل غیر جانبدار ہو جاتے ہیں‘ ہم میں جنگ کی ہمت نہیں ہے‘ ہم نہ آپ کے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑ سکتے ہیں اور نہ ہی آپ کے خلاف اپنی قوم کی مدد کریں گے‘ تب بھی انہیں چھوڑ دو۔ اس کے بعد اب منافقین کے ایک تیسرے گروہ کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔

آیت ۹۱ ﴿سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّاۡمَنُوۡکُمۡ وَیَاۡمَنُوۡا قَوۡمَہُمۡ ؕ﴾ ''تم پاؤ گے ایک اور قسم کے لوگوں کو بھی جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔''

﴿کُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَی الۡفِتۡنَۃِ اُرۡکِسُوۡا فِیۡہَا ۚ﴾ ''لیکن جب بھی فتنے کی طرف موڑے جاتے ہیں تو اس کے اندر اوندھے ہو جاتے ہیں۔''

جب بھی آزمائش کا وقت آتا ہے تو اس میں اوندھے منہ گرتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ اپنی قوم کا پلڑا

بھاری ہے تو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کہ اب تو ہماری فتح ہونے والی ہے اور ہمیں مالِ غنیمت میں سے حصہ مل جائے گا۔

﴿فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ وَیُلْقُوْۤا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ وَیَكُفُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ﴾ ''پس اگر یہ تم سے کنارہ کش نہ رہیں، تمہارے سامنے صلح و سلامتی پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں''

﴿فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ﴾ ''تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ۔''

﴿وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ۝۹۱﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تمہیں سند (اور قوت) عطا کر دی ہے۔''

ایسے لوگوں کے معاملے میں ہم نے تمہیں کھلا اختیار دے دیا ہے کہ تم ان کے خلاف اقدام کر سکتے ہو۔

آیات ۹۲ تا ۹۶

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤی اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ فَدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤی اَهْلِهٖ وَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ ؗ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝ وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؗ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝ لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ ع

اب ایک اور معاشرتی مسئلے کا ذکر آ رہا ہے۔ ان سورتوں کے نزول کے وقت دراصل پورے عرب کے اندر ایک بھٹی دہک رہی تھی، جگہ جگہ جنگیں لڑی جا رہی تھیں، میدان لگ رہے تھے، معرکے ہو رہے تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں تو صرف بڑے بڑے معرکوں اور غزوات کا ذکر ہوا ہے مگر حقیقت میں اُس وقت پورا

معاشرہ حالتِ جنگ میں تھا۔ایک چومکھی جنگ تھی جو مسلسل جاری تھی۔ اِن آیات سے اُس وقت کے عرب معاشرے کی اصل صورتِ حال اور اُس قبائلی معاشرے کے مسائل کی بہت کچھ عکاسی ہوتی ہے۔اس طرح کے ماحول میں فرض کریں' ایک شخص نے کسی دوسرے کو قتل کر دیا۔ قاتل اور مقتول دونوں مسلمان ہیں۔ قاتل کہتا ہے کہ میں نے عمداً ایسا نہیں کیا' میں نے تو شکار کی غرض سے تیر چلایا تھا مگر اتفاق سے نشانہ چوک گیا اور اس کو جالگا۔ تو اب یہ مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا دو طرح کا ہو سکتا ہے' قتلِ عمد یا قتلِ خطا۔ چنانچہ اگلی آیات میں اس بارے میں وضاحت فرمائی گئی ہے۔

آیت ۹۲ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ﴾ ''کسی مؤمن کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ ایک مؤمن کو قتل کرے مگر خطا کے طور پر۔''

خطا کے طور پر قتل کیا ہے؟ نشانہ چوک گیا اور کسی کو جالگا یا سڑک پر حادثہ ہو گیا' کوئی شخص گاڑی کے نیچے آ کر مر گیا۔ آپ تو اُسے مارنا نہیں چاہتے تھے' بس یہ سب کچھ آپ سے اتفاقی طور پر ہو گیا۔ چنانچہ سعودی عرب میں حادثات کے ذریعے ہونے والی اموات کے فیصلے اسی قانونِ قتلِ خطا کے تحت ہوتے ہیں۔ وہ قانون کیا ہے:

﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ ''اور جو شخص کسی مؤمن کو قتل کر دے غلطی سے تو (اس کے ذمہ ہے) ایک مسلمان غلام کی گردن کا آزاد کرانا''

﴿وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ﴾ ''اور خون بہا مقتول کے گھر والوں کو ادا کرنا' اِلّا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔''

یعنی قتلِ خطا کے بدلے میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ دیت یعنی خون بہا ادا کیا جائے گا' یہ مقتول کے ورثاء کا حق ہے۔ اور گناہ کے کفارے کے طور پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہو گا' یہ اللہ کا حق ہے۔

﴿فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ''اور اگر وہ (مقتول) کسی ایسے قبیلے سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہے اور تھا وہ مسلمان''

﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ﴾ ''تو پھر صرف ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہو گا۔''

کیونکہ کافر قبیلے کا آدمی تھا اور اگر اس کی دیت دی جائے گی تو وہ اس کے گھر والوں کو ملے گی جو کہ کافر ہیں' لہٰذا یہاں دِیت معاف ہو گئی' لیکن ایک غلام کو آزاد کرنا جو اللہ کا حق تھا' وہ برقرار رہے گا۔

﴿وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ ''اور اگر وہ (مقتول) ہو کسی ایسی قوم سے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے''

﴿فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ﴾ ''تو پھر دیت بھی دینا ہو گی اس کے گھر والوں کو اور ایک مؤمن غلام بھی آزاد کرنا ہو گا۔''

گویا یہ دو حق الگ الگ ہیں۔ ایک تو دِیت ہے جو مقتول کے ورثاء کا حق ہے' اس میں یہاں رعایت نہیں

ہو سکتی‘ البتہ جو حق اللہ کا اپنا ہے-یعنی گناہ کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے ایک مؤمن غلام کا آزاد کرنا‘ تو اس میں اللہ نے نرمی کر دی‘ جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾﴾ ”پھر جو یہ (غلام آزاد) نہ کر سکے تو روزے رکھے دو مہینوں کے متواتر۔ یہ اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے‘ اور یقیناً اللہ تو علیم و حکیم ہے۔“

اب آگے قتلِ عمد کے قانون کے متعلق تفصیلات کا ذکر ہے۔

آیت ۹۳ ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا﴾ ”اور جو کوئی قتل کرے گا کسی مؤمن کو جان بوجھ کر تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا“

﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾﴾ ”اور اللہ کا غضب اس پر ہو گا‘ اور اللہ نے اس پر لعنت فرمائی ہے اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

جیسا کہ آغازِ سورۃ میں ذکر ہوا تھا کہ حرمتِ جان اور حرمتِ مال کے تصور پر معاشرے کی بنیاد قائم ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کا قتل کر دینا اللہ کے ہاں ایک بہت سنجیدہ معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ المائدۃ (آیت ۳۲) میں قتلِ ناحق کو پوری نوعِ انسانی کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ قاتل نے حرمتِ جان کو پامال کر کے شجرِ تمدن کی گویا جڑ کاٹ دی‘ اور اس کا یہ فعل ایسے ہی ہے جیسے اس نے پوری انسانی نسل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ ہمارے ہاں ایمان و اسلام کتنا کچھ ہے اور انسانی جان کی قدر و قیمت کیا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں قتلِ عمد کے واقعات روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں اور انسانی جان مچھر مکھی کی جان کی طرح ارزاں ہو چکی ہے۔

اب اگلی آیت کو سمجھنے کے لیے عرب کے ان مخصوص حالات کو نظر میں رکھیں جن میں مسلمان اور غیر مسلم ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے‘ مختلف علاقوں میں کچھ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور کچھ ابھی کفر پر قائم تھے اور کوئی ذریعہ تمیز بھی ان میں نہیں تھا‘ جگہ جگہ معرکے بھی ہو رہے تھے۔ اب فرض کریں کسی علاقے میں لڑائی ہو رہی ہے۔ مسلمان مجاہد سمجھا کہ سامنے سے کافر آ رہا ہے‘ مگر جب وہ اسے قتل کرنے کے لیے بڑھا تو اس نے آگے سے کلمہ پڑھ کر دعویٰ کیا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس صورتِ حال میں ممکن ہے سمجھا جائے کہ اس نے جان بچانے کے لیے بہانہ کیا ہے۔ تو اب اس بارے میں حکم دیا جا رہا ہے:

آیت ۹۴ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا﴾ ”اے اہلِ ایمان‘ جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو“

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ﴾ ”اور جو شخص بھی تمہارے سامنے سلام پیش کرے (یا اسلام پیش کرے) اُس کو یہ مت کہو کہ تم مؤمن نہیں ہو۔“

تم اس کی باطنی کیفیت معلوم نہیں کر سکتے۔ ایمان کا تعلق چونکہ دل سے ہے اور دل کا حال سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جان سکتا‘ لہٰذا دنیا میں تمام معاملات کا اعتبار زبانی اسلام (اقرارٌ باللّسان) پر ہی ہوگا۔ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ رہا ہے اور اپنے اسلام کا اظہار کر رہا ہے تو آپ کو اس کے الفاظ کا اعتبار کرنا ہوگا۔ اس آیت کے پس منظر کے طور پر روایات میں ایک واقعے کا ذکر ملتا ہے جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ کسی سریّہ میں حضرت اسامہؓ کا ایک کافر سے دو بدو مقابلہ ہوا۔ جب وہ کافر بالکل زیر ہو گیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ اس کے بچنے کا کوئی راستہ نہیں تو اس نے کلمہ پڑھ دیا: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اب ایسی صورتِ حال میں جو کوئی بھی ہوتا یہی سمجھتا کہ اس نے جان بچانے کے لیے بہانہ کیا ہے۔ حضرت اسامہؓ نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اُس پر نیزے کا وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ لیکن دل میں ایک خلش رہی۔ بعد میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: ((اَقَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَقَتَلْتَہٗ؟)) ”کیا اُس نے لا الٰہ الّا اللہ کہہ دیا اور تم نے پھر بھی اُسے قتل کر دیا؟“ حضرت اسامہؓ نے جواب دیا: ”یا رسول اللہؐ! اُس نے تو ہتھیار کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا“۔ آپؐ نے فرمایا: ((اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِہٖ حَتّٰی تَعْلَمَ اَقَالَھَا اَمْ لَا؟)) ”تو تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ جان لیا کہ اُس نے کلمہ دل سے پڑھا تھا یا نہیں؟“ حضرت اسامہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بات مجھ سے بار بار فرمائی‘ یہاں تک کہ میں خواہش کرنے لگا کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا![1] بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے اسامہ اُس دن کیا جواب دو گے جب وہ کلمہ شہادت تمہارے خلاف مدعی ہو کر آئے گا؟

﴿تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۡ﴾ ”تم دنیا کا سامان چاہتے ہو“

کہ ایسے شخص کو کافر قرار دیں‘ قتل کریں اور مالِ غنیمت لے لیں۔

﴿فَعِنْدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیْرَۃٌ ؕ﴾ ”تو اللہ کے ہاں بڑی غنیمتیں ہیں۔“

تمہارے لیے بڑی بڑی مملکتوں کے اموالِ غنیمت آنے والے ہیں۔ لہٰذا تم لوگ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے حدود اللہ سے تجاوز نہ کرو۔

﴿کَذٰلِکَ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ﴾ ”تم خود بھی تو پہلے ایسے ہی تھے‘ تو اللہ نے تم پر احسان فرمایا ہے“

آخر ایک دَور تم پر بھی تو ایسا ہی گزرا ہے۔ تم سب بھی تو نو مسلم ہی ہو اور ایک وقت میں تم میں سے ہر شخص کافر یا مشرک ہی تو تھا! پھر اللہ ہی نے تم لوگوں پر احسان فرمایا کہ تمہیں کلمہ شہادت عطا کیا اور رسول ﷺ کی دعوت و تبلیغ سے بہرہ مند ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ لہٰذا اللہ کا احسان مانو اور اس طریقے سے لوگوں کے معاملے میں اتنی سخت روش اختیار نہ کرو۔

﴿فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۹۴﴾﴾ ”تو (دیکھو) تحقیق کر لیا کرو۔ اور جو کچھ تم

---

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب تحریم قتل الکافر بعد ان قال لا الٰہ الا اللّٰہ۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی مذکور ہے اور بعض دیگر کتب احادیث میں بھی۔

کرر ہے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔''

اگلی آیت مبارکہ میں جہاد کا لفظ بمعنی قتال آیا ہے۔ جہاں تک جہاد کی اصلی روح کا تعلق ہے تو ایک مؤمن گویا ہر وقت حالت جہاد میں ہے۔ دعوت و تبلیغ بھی جہاد ہے' اپنے نفس کے خلاف اطاعتِ الٰہی بھی جہاد ہے۔ از روئے حدیثِ نبویؐ: ((اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ))(۱) ''مجاہد تو وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے''۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ ؟ ''سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟'' تو آپؐ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِیْ ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))(۲) ''یہ کہ تم اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو انہیں اللہ تعالیٰ کا مطیع بنانے کے لیے''۔ چنانچہ جہاد کی بہت سی منازل ہیں' جن میں سے آخری منزل قتال ہے۔ تاہم جہاد اور قتال کے الفاظ قرآن میں ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن میں الفاظ کے تین ایسے جوڑے ہیں جن میں سے ہر لفظ اپنے جوڑے کے دوسرے لفظ کی جگہ اکثر استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے ایک جوڑا تو یہی ہے' یعنی جہاد اور قتال کے الفاظ' جبکہ دوسرے دو جوڑے ہیں ''مؤمن و مسلم'' اور ''نبی و رسول''۔

آیت ۹۵ ﴿لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ ''برابر نہیں ہیں اہلِ ایمان میں سے بیٹھ رہنے والے بغیر عذر کے اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد (قتال) کے لیے نکلتے ہیں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔''

﴿فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ﴾ ''اللہ نے فضیلت دی ہے اُن مجاہدین کو جو اپنی جانوں اور اپنے مالوں سے جہاد کرنے والے ہیں' بیٹھے رہنے والوں پر' ایک بہت بڑے درجے کی۔''

یہاں دَرَجَةً کی تنکیر (بطور اسم نکرہ استعمال) تفخیم کے لیے ہے' یعنی بہت بڑا درجہ۔ یہ قتال فی سبیل اللہ کے لیے نکلنے کا ذکر ہے کہ جو مسلمان کسی معقول عذر کے بغیر قتال کے لیے نہیں نکلتا وہ اس کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتا جو قتال کر رہا ہے۔ اگر کوئی اندھا ہے' دیکھنے سے معذور ہے یا کوئی لنگڑا ہے' چل نہیں سکتا' ایسے معذور قسم کے لوگ اگر قتال کے لیے نہ نکلیں تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن ایسے لوگ جن کو کوئی ایسا عذر نہیں ہے' پھر بھی وہ بیٹھے رہیں' یہاں انہی لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ درجے میں مجاہدین کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتے۔ واضح رہے کہ یہ ایسے قتال کی بات ہو رہی ہے جس کی حیثیت اختیاری (optional) ہو' جسے لازمی قرار نہ دیا گیا ہو۔ جب اسلامی ریاست کی طرف سے قتال کے لیے نفیرِ عام ہو جائے تو معذورین کے سوا سب کے لیے نکلنا لازم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ قتال کے لیے پہلی دفعہ نفیرِ عام غزوۂ تبوک (سن ۹ ہجری) میں ہوئی تھی۔ اس سے پہلے قتال کے بارے میں صرف ترغیب (persuasion) تھی کہ نکلو اللہ کی راہ میں' حکم نہیں تھا۔ لہٰذا کوئی جواب طلبی

(۱) سنن الترمذی' ابواب فضائل الجہاد عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء فی فضل من مات مرابطاً۔ عن فضالة بن عبید ؓ۔

(۲) حلیة الاولیاء لابی نعیم ۲/۲۸۲۔ عن ابی ذر الغفاری ؓ۔

بھی نہیں تھی۔ کوئی چلا گیا' کوئی نہیں گیا' کوئی گرفت نہیں تھی۔ لیکن غزوۂ تبوک کے لیے نفیر عام ہوئی تھی' با قاعدہ ایک حکم تھا' لہٰذا جو لوگ نہیں نکلے اُن سے وضاحت طلب کی گئی' اُن کا مؤاخذہ کیا گیا اور اُن کو سزائیں بھی دی گئیں۔ تو یہاں چونکہ اختیاری قتال کی بات ہو رہی ہے اس لیے یہ نہیں کہا جا رہا کہ ان کو پکڑو اور سزا دو' بلکہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ قتال کرنے والے مجاہدین اللہ کی نظر میں بہت افضل ہیں۔ اس سے پہلے ایسے قتال کے لیے اسی سورۃ (آیت ۸۴) میں ﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کا حکم ہے' یعنی مؤمنین کو قتال پر اُکسایئے' ترغیب دیجیے' آمادہ کیجیے۔ لیکن یہاں واضح انداز میں بتایا جا رہا ہے کہ قتال کرنے والے اور نہ کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔

﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ﴾ ''(اگرچہ) سب کے لیے اللہ کی طرف سے اچھا وعدہ ہے۔''

چونکہ ابھی قتال فرض نہیں تھا' نفیرِ عام نہیں تھی' سب کا نکلنا لازم نہیں کیا گیا تھا' اس لیے فرمایا گیا کہ تمام مؤمنین کو ان کے اعمال کے مطابق اچھا اجر دیا جائے گا۔ قتال کے لیے نہ نکلنے والوں نے اگر اتنی ہمت نہیں کی اور وہ کمتر مقام پر قانع ہو گئے ہیں تو ٹھیک ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلے میں ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

﴿وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝٩٥﴾ ''لیکن فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر ایک اجرِ عظیم کی (صورت میں)۔''

آیت ۹۶ ﴿دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٩٦﴾ ''(اُن کے لیے) اُس کی طرف سے بلند درجات بھی ہوں گے اور مغفرت و رحمت بھی۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا' بہت رحم کرنے والا ہے۔''

آیات ۹۷ تا ۱۰۰

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي
الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ
وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝٩٧ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝٩٨ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا
غَفُوْرًا ۝٩٩ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ
مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ
ع ١٤ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١٠٠

اب ان لوگوں کا ذکر آ رہا ہے جو ہجرت کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے' اس سلسلے میں انہیں کوئی عذر بھی مانع نہیں تھا' مگر پھر بھی وہ اپنے قبیلے یا مکہ شہر میں اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے تھے۔

آیت ۹۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''یقیناً وہ لوگ کہ جن کو فرشتے اس حال میں

قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے“

یعنی انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی‘ اس سلسلے میں رسول ﷺ کے حکم کی اطاعت نہیں کی تھی۔ آخر موت تو آنی ہے‘ لہٰذا فرشتے جب ان کی روحیں قبض کریں گے تو ان کے ساتھ اس طرح مکالمہ کریں گے:

﴿قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ﴾ ”وہ ان سے کہیں گے یہ تم کس حال میں تھے؟“

تم نے ایمان کا دعویٰ تو کیا تھا‘ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کا حکم دیا تو ہجرت کیوں نہیں کی؟ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟

﴿قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ”وہ کہیں گے ہم مجبور اور کمزور بنا دیے گئے تھے اس زمین میں۔“

﴿قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا﴾ ”وہ (فرشتے) کہیں گے کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟“

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾﴾ ”تو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے‘ اور وہ بہت بُری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔“

آیت ۹۸ ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ ”سوائے ان مَردوں‘ عورتوں اور بچوں کے جن کو واقعتاً دبا لیا گیا ہو“

جن لوگوں کو کمزور سمجھ کر دبا لیا گیا ہو‘ واقعتاً زنجیروں میں جکڑ کر گھروں میں بند کر دیا گیا ہو‘ ان کا معاملہ اور ہے۔ یا پھر کوئی عورت ہے جس کے لیے تنہا سفر کرنا ممکن نہیں۔ ویسے تو روایات میں ایسی عورتوں کا بھی ذکر آتا ہے جنہوں نے تنہا ہجرتیں کیں‘ لیکن ہر ایک کے لیے تو ایسا ممکن نہیں تھا۔

﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾﴾ ”نہ تو وہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ وہ راستہ جانتے ہیں۔“

آیت ۹۹ ﴿فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾﴾ ”بعید نہیں کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے‘ اور اللہ واقعتاً بخشنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔“

ایسے بے بس اور لاچار مَردوں‘ بچوں اور عورتوں کے لیے اسی سورۃ (آیت ۷۵) میں حکم ہوا تھا کہ انہیں چھڑانے کے لیے قتال فی سبیل اللہ کرو۔ لیکن جو لوگ ہجرت کے اس واضح حکم کے بعد بھی بغیر عذر کے بیٹھے رہے ہیں ان کے بارے میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ وہ منافق ہیں‘ ان سے تمہارا کوئی تعلق نہیں‘ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ بلکہ قتال کے معاملے میں وہ بالکل کفار کے برابر ہیں۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ”اور جو کوئی ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں“

﴿يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً﴾ ”وہ پائے گا زمین میں بڑے ٹھکانے اور بڑی

وسعت۔"

جیسے سورۃ العنکبوت میں فرمایا:﴿ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ ﴾ "اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! میری زمین بہت کشادہ ہے پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو!"۔ اگر اپنے وطن میں اللہ کی بندگی نہیں کر سکتے ہو تو کہیں اور چلے جاؤ۔

﴿ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ ﴾ "اور جو کوئی اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا ہجرت کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف، پھر اسے موت نے آلیا"

﴿ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ ﴾ "تو اُس کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا۔"

یعنی جس کسی نے بھی ہجرت کی 'فی سبیل اللہ' دولت کے لیے یا حصولِ دنیا کے لیے نہیں، بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا جوئی کے لیے، وہ اصل ہجرت ہے۔ حدیث میں اس کی وضاحت بایں الفاظ ملتی ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَا نَوٰی، فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ لِدُنْیَا یُصِیْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ یَنْکِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ))(1)

"اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہی ہے اور بلاشبہ ہر انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اُس نے نیت کی۔ پس جس نے ہجرت کی اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف تو واقعی اُس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہے، اور جس نے ہجرت کی دنیا کمانے کے لیے یا کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے تو اس کی ہجرت اُسی چیز کی طرف شمار ہو گی جس کا اُس نے قصد کیا۔"

چنانچہ جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی، خلوصِ نیت کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا لیکن راستے ہی میں فوت ہو گیا، مدینہ منورہ نہیں پہنچ سکا اور حضور ﷺ کے قدموں تک اس کی رسائی نہیں ہو سکی، تو پھر بھی وہ کامیاب و کامران ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیت کے مطابق اسے ہجرت کا اجر ضرور عطا فرمائے گا۔

﴿ وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۰﴾ ﴾ "اور یقیناً اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔"

آیات ۱۰۱ تا ۱۰۴

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِکُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ وَاَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ

(1) صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب بدء الوحی، و کتاب الایمان والنذور، باب النیة فی الایمان۔ وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب قوله انما الاعمال بالنیة ......

مَّیْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ
تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝١٠٢ فَاِذَا
قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا
الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝١٠٣ وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ
تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝١٠٤ ع ١٥ ١٢

اس رکوع میں پھر شریعت کے کچھ احکام کا ذکر ہے۔ گویا خطاب کا رُخ اب پھر اہل ایمان کی طرف ہے۔

آیت ۱۰۱ ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ڰ﴾ ''اور (اے مسلمانو!) جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم نماز کو کچھ کم کر لیا کرو''

﴿اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۭ﴾ ''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔''

﴿اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝١٠١﴾ ''یقیناً یہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔''

یہ تو ہے حالتِ سفر میں قصرِ صلوٰۃ کا حکم۔ لیکن جنگ کی حالت میں قصر یعنی صلوٰۃ الخوف کا طریقہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔ حالتِ جنگ میں جب پورے لشکر کا ایک ساتھ نماز پڑھنا ممکن نہ رہے تو گروہوں کی شکل میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن ایسی صورت میں جب حضور ﷺ خود بھی لشکر میں موجود ہوتے تو کوئی ایک گروہ ہی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ سکتا تھا' جبکہ دوسرے گروہ کے لوگوں کو لازماً محرومی کا احساس ہوتا۔ لہٰذا اگلی آیت میں اس مسئلے کے حل کے طور پر صلوٰۃ الخوف ادا کرنے کی بہت عمدہ تدبیر بتائی گئی۔

آیت ۱۰۲ ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) جب آپ ان کے درمیان موجود ہوں اور (حالتِ جنگ میں) انہیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں''

﴿فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ﴾ ''تو ان میں سے ایک گروہ کو کھڑے ہونا چاہیے آپؐ کے ساتھ' اور وہ اپنا اسلحہ لیے ہوئے ہوں۔''

﴿فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠﴾ ''پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں''

﴿وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ﴾ ''اور آئے دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی' اور وہ آپؐ کے ساتھ نماز پڑھیں''

یہ حکم صلوٰۃ الخوف کے بارے میں ہے۔ اس کی عملی صورت یہ تھی کہ حضور ﷺ نے ایک رکعت نماز پڑھا دی

اوراس کے بعد آپؐ بیٹھے رہے' دوسری رکعت کے لیے کھڑے نہیں ہوئے' جبکہ مقتدیوں نے دوسری رکعت خود ادا کرلی۔ دو رکعتیں پوری کر کے وہ محاذ پر واپس چلے گئے تو دوسرے گروہ کے لوگ جو اَب تک نماز میں شریک نہیں ہوئے تھے' نماز کے لیے حضورؐ کے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اب حضورؐ نے دوسری رکعت اس گروہ کے لوگوں کی موجودگی میں پڑھائی۔ اس کے بعد حضورؐ نے سلام پھیر دیا' لیکن مقتدیوں نے اپنی دوسری رکعت انفرادی طور پر ادا کرلی۔ اس طریقے سے لشکر میں سے کوئی شخص بھی حضورؐ کی امامت کے شرف اور سعادت سے محروم نہ رہا۔

﴿وَلۡيَاۡخُذُوۡا حِذۡرَهُمۡ وَاَسۡلِحَتَهُمۡ‌ ۚ﴾ ''اور ان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی حفاظت کا سامان اور اپنا اسلحہ اپنے ساتھ رکھیں۔''

﴿وَدَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِكُمۡ وَاَمۡتِعَتِكُمۡ فَيَمِيۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ مَّيۡلَةً وَّاحِدَةً‌ ؕ﴾ ''یہ کافر لوگ تو اسی تاک میں رہتے ہیں کہ تم جیسے ہی اپنے اسلحہ اور ساز و سامان سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر ایک دَم ٹوٹ پڑیں۔''

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ كَانَ بِكُمۡ اَذًى مِّنۡ مَّطَرٍ اَوۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤى اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَكُمۡ‌ ۚ﴾ ''اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف ہو بارش کی وجہ سے یا تم بیمار ہو جاؤ اور (ایسی صورتوں میں) تم اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دو۔''

﴿وَخُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ‌ ؕ﴾ ''البتہ اپنا بچاؤ ضرور کرلیا کرو۔''

اگر تلوار' نیزہ وغیرہ جسم سے بندھے ہوئے ہوں اور اس حالت میں نماز پڑھنا مشکل ہو تو یہ اسلحہ وغیرہ کھول کر علیحدہ رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں' بشرطیکہ جنگ کے حالات اجازت دیتے ہوں' لیکن ڈھال وغیرہ اپنے پاس ضرور موجود رہے تاکہ اچانک کوئی حملہ ہو تو انسان اپنے آپ کو اس فوری حملے سے بچا سکے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ﴿۱۰۲﴾﴾ ''یقیناً اللہ نے کافروں کے لیے بہت ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

آیت ۱۰۳ ﴿فَاِذَا قَضَيۡتُمُ الصَّلٰوةَ﴾ ''پھر جب تم (اس طریقے سے) نماز ادا کرلو''

﴿فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِكُمۡ‌ ۚ﴾ ''تو پھر ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہوئے' بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے۔''

چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے' سواری پر' غرض ہر حالت میں اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہیے۔ گویا ذکرِ کثیر کا تعلق صرف نماز کے ساتھ نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حالت میں اس کا اہتمام رہنا چاہیے۔ جیسے سورۃ الجمعہ میں حکم دیا گیا ہے: ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانۡتَشِرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰﴾﴾ ''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو' اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ''۔ چنانچہ نماز کے بعد بھی حتیٰ کہ کاروبارِ زندگی کی مصروفیات کے دوران بھی اللہ کے ذکر

میں مشغول رہو۔ ادعیہ ماثورہ اور اورادِ مسنونہ کا اہتمام کرو' اپنی زبانوں' ذہنوں اور دلوں کو اُس کے ذکر سے ہر وقت تروتازہ رکھو۔

﴿فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ ۚ﴾ ''پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو نماز کو قائم کرو (تمام آداب وشرائط کے ساتھ)۔''

یعنی نماز کی مذکورہ شکل (صلوٰۃ الخوف) صرف اضطراری حالت میں ہوگی' مگر جب خوف جاتا رہے اور حالتِ امن بحال ہو جائے تو نماز کو شریعت کے احکام اور آداب کے عین مطابق ادا کرنا ضروری ہے۔

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتۡ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ كِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ﴿١٠٣﴾﴾ ''یقیناً نماز اہلِ ایمان پر فرض کی گئی ہے وقت کی پابندی کے ساتھ۔''

یعنی نماز کی فرضیت باقاعدہ اس کے اوقات کے ساتھ ہے۔ نماز کے اوقات کی تفصیل ایک حدیث میں مذکور ہے۔ اس حدیث کے مطابق حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دو دن رسول اللہ ﷺ کو نمازیں پڑھائیں۔ ایک دن پانچوں نمازیں اوّل وقت میں جبکہ دوسرے دن تمام نمازیں آخر وقت میں پڑھائیں اور بتایا کہ نمازوں کے اوقات ان حدود کے مابین ہیں۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَلَا تَهِنُوۡا فِى ابۡتِغَآءِ الۡقَوۡمِ ؕ﴾ ''اور اس دشمن گروہ کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ۔''

حق و باطل کی جنگ اب فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو رہی ہے۔ اس آخری مرحلے میں آ کر کہیں تھک نہ جانا اور دشمن کا پیچھا کرنے کے معاملے میں ہمت نہ ہار دینا۔

﴿اِنۡ تَكُوۡنُوۡا تَاۡلَمُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ يَاۡلَمُوۡنَ كَمَا تَاۡلَمُوۡنَ ۚ﴾ ''اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تمہاری طرح انہیں بھی تو تکلیف پہنچتی ہے۔''

یہ نصیحت کا بڑا پیارا انداز ہے کہ اس کشمکش میں اگر تم لوگ نقصان اٹھا رہے ہو تو کیا ہوا؟ تمہارے دشمن بھی تو ویسے ہی نقصان سے دوچار ہو رہے ہیں' انہیں بھی تو تکالیف پہنچ رہی ہیں' وہ بھی تو زخم پر زخم کھا رہے ہیں' ان کے لوگ بھی تو مر رہے ہیں۔

﴿وَتَرۡجُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرۡجُوۡنَ ؕ﴾ ''اور تم اللہ سے ایسی اُمیدیں رکھتے ہو جیسی امیدیں وہ نہیں رکھتے۔''

تمہیں تو جنت کی اُمید ہے' اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی اُمید ہے' جبکہ انہیں ایسی کوئی اُمید نہیں ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے تمہیں تو ان سے کہیں بڑھ کر پُرجوش ہونا چاہیے۔ سورۂ آل عمران کی آخری آیت میں بھی اہل ایمان کو ایسی ہی نصیحت کی گئی ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟﴾ ''اے ایمان والو' صبر سے کام لو اور صبر میں اپنے دشمنوں سے بڑھ جاؤ اور مربوط رہو''۔ تو آپ لوگوں کو تو صبر واستقامت میں ان سے بہت آگے ہونا چاہیے' کیونکہ تمہارا اسہارا تو اللہ ہے: ﴿وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (النحل: ١٢٧) ''آپ صبر کیجیے' اور آپ کا صبر تو بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے''۔ تمہارے دشمنوں کے تو مَن گھڑت قسم کے خدا ہیں۔ اُن کے

دیوتاؤں اور دیویوں کی خود ان کے دلوں میں کوئی حقیقی قدر و قیمت نہیں ہے‘ پھر بھی وہ اپنے باطل معبودوں کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہے ہیں تو اے مسلمانو! تمہیں تو ان سے کئی گنا زیادہ قربانیوں کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾﴾ ’’اور یقیناً اللہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔‘‘

اہل ایمان سے اس مختصر خطاب کے بعد اب اگلے رکوع میں پھر منافقین کا ذکر آ رہا ہے۔

آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵

إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ
خَصِيْمًا ۙ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ
أَنْفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيْمًا ۚ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ
مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾
هٰٓأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَمْ
مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾
وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ ع ۱۶
اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُّضِلُّوْكَ ۚ وَمَا يُضِلُّوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ وَمَا
يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ
وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ
مَعْرُوْفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ
أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ
الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۷

آیت ۱۰۵ ﴿إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) یقیناً ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے حق کے ساتھ تاکہ آپ لوگوں کے مابین فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے۔‘‘

یعنی ایک تو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو کتاب دی ہے‘ قانون دیا ہے‘ اس کے ساتھ آپ کو بصیرتِ خاص دی ہے۔ مثلاً عدالت میں ایک جج بیٹھا ہے‘ اس کے سامنے قانون کی کتاب ہے‘ مقدمے کا متعلقہ ریکارڈ ہے‘

شہادتیں ہیں' اب ایک اس کی اپنی عقل (چھٹی حِس) اور قوتِ فیصلہ بھی ہوتی ہے' جس کو بروئے کار لا کر وہ فیصلہ کرتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسا ہم آپؐ کو دکھاتے ہیں اس کے مطابق آپؐ فیصلہ کریں۔

﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ ''اور آپؐ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔''

یعنی آپؐ ان کی طرف سے وکالت نہ فرمائیں۔ ایک شخص جو کہنے کو تو مسلمان ہے لیکن ہے خائن' آپؐ کو اس کی طرف داری نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے پس منظر میں دراصل ایک واقعہ ہے۔ ایک منافق نے کسی مسلمان کے گھر میں چوری کے لیے نقب لگائی اور وہاں سے آٹے کا ایک تھیلا اور کچھ اسلحہ چرا لیا۔ آٹے کے تھیلے میں سوراخ تھا' جب وہاں سے وہ اپنے گھر کی طرف چلا تو سوراخ میں سے آٹا تھوڑا تھوڑا گرتا گیا۔ اس طرح اس کے راستے اور گھر کی نشاندہی ہوتی گئی' مگر اسے خبر نہیں تھی کہ آٹے کی لکیر اس کا راز فاش کر رہی ہے۔ گھر پہنچ کر اسے خیال آیا کہ ممکن ہے مجھ پر شک ہو جائے' چنانچہ اُس نے اسی وقت جا کر وہ سامان ایک یہودی کے ہاں امانتاً رکھوا دیا' لیکن آٹے کا نشان وہاں بھی پہنچ گیا۔ اگلے روز جب تلاش شروع ہوئی تو آٹے کی لکیر کے ذریعے لوگ کھوج لگاتے ہوئے اس کے مکان پر پہنچ گئے' لیکن پوچھ گچھ پر اس نے صاف انکار کر دیا۔ تلاشی لی گئی' مگر کوئی چیز برآمد نہ ہوئی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ آٹے کے نشانات مزید آگے جا رہے ہیں تو وہ کھوج لگاتے ہوئے یہودی کے گھر پہنچے' اس کے ہاں سے سامان بھی برآمد ہو گیا۔ یہودی نے حقیقت بیان کر دی کہ یہ سامان رات کو فلاں شخص نے اُس کے پاس امانتاً رکھوایا تھا۔ منافق کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ یہودی جھوٹ بولتا ہے' وہی چور ہے۔ جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو یہ جھگڑا حضورﷺ کے سامنے لایا گیا۔ منافق کے قبیلے والوں نے قسمیں کھا کھا کر خوب وکالت کی کہ ہمارا یہ آدمی تو بہت نیک ہے' اس پر خواہ مخواہ کا جھوٹا الزام لگ رہا ہے۔ یہاں تک کہ حضورﷺ کا دل بھی اس شخص کے بارے میں کچھ پسیجنے لگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ خیانت کرنے والے کے حمایتی نہ بنیں' اس کی طرف سے وکالت نہ کریں' اس کا سہارا نہ بنیں' اس کو مدد نہ پہنچائیں۔ یہاں خَصِيْمًا کے معنی ہیں جھگڑا کرنے والا' بحث کرنے والا۔ لِلْخَآئِنِيْنَ کا مطلب ہے ''خائن لوگوں کے حق میں''۔ لیکن اگر عَلَى الْخَائِنِيْنَ ہوتا تو اس کا مطلب ہوتا ''خائن لوگوں کے خلاف''۔

آیت ١٠٦ ﴿وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ''اور اللہ سے استغفار کریں' یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔''

یعنی اس منافق کے حق میں آپؐ کی طبیعت میں جو نرمی پیدا ہو گئی تھی اُس پر اللہ سے استغفار کیجیے' مغفرت طلب کیجیے۔

آیت ١٠٧ ﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ﴾ ''اور آپؐ مت جھگڑیئے اُن لوگوں کی طرف سے جو اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔''

اس حکم کے حوالے سے ذرا مسئلہ شفاعت پر بھی غور کریں۔ ہم یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ حضور ﷺ ہماری طرف سے شفاعت کریں گے' چاہے ہم نے بے ایمانیاں کی ہیں' حرام خوریاں کی ہیں' شریعت کی دھجیاں بکھیری ہیں۔ لیکن یہاں آپؐ کو دوٹوک انداز میں خائن لوگوں کی وکالت سے منع کیا جا رہا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا ﴿١٠٧﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں ہیں خیانت میں بہت بڑھے ہوئے اور گنہگار لوگ۔''

آیت ۱۰۸ ﴿یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ﴾ ''یہ لوگوں سے تو چُھپتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چُھپ سکتے''

یہ لوگ انسانوں سے اپنی حرکات چھپا سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔

﴿وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ ؕ﴾ ''اور وہ تو ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو چھپ کر اُس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔''

یہ منافقین کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ جب وہ مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف چوری چھپے سازشیں کر رہے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ اگر اللہ پر ان کا ایمان ہوتا تو انہیں معلوم ہوتا کہ اللہ ہماری باتیں سن رہا ہے۔ یہ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں' ان سے اپنی باتوں کو خفیہ رکھتے ہیں' مگر ان بدبختوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ان کے ساتھ موجود ہے' اس سے تو کچھ نہیں چھپ سکتا۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ﴿١٠٨﴾﴾ ''اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

یعنی اس کی پکڑ سے یہ کہیں باہر نہیں نکل سکتے۔

آیت ۱۰۹ ﴿هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫﴾ ''یہ تم لوگ ہو جنہوں نے دنیا کی زندگی میں ان (مجرموں) کی طرف سے جھگڑا کر لیا۔''

﴿فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ ''مگر قیامت کے دن اللہ سے ان کے بارے میں کون جھگڑا کرے گا؟''

﴿اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿١٠٩﴾﴾ ''یا کون ہوگا جو (وہاں) ان کا وکیل بن سکے گا؟''

یہ خطاب ہے اُس منافق چور کے قبیلے کے لوگوں سے کہ اے لوگو! تم نے دنیا کی زندگی میں تو مجرموں کی طرف سے خوب وکالت کر لی' یہاں تک کہ اللہ کے رسول (ﷺ) کو بھی قائل کرنے کی حد تک تم پہنچ گئے۔ مگر یہاں تم انہیں چھڑا بھی لیتے اور بالفرض رسول اللہ (ﷺ) کو بھی قائل کر لیتے تو قیامت کے دن انہیں اللہ کی پکڑ سے کون چھڑاتا؟ اس ضمن میں حضور ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم اس طرح ہے کہ میرے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوتا ہے' اس میں ایک فریق زیادہ چرب زبان ہوتا ہے' وہ اپنی بات بہتر طور پر پیش کرتا ہے اور میرے ہاں سے

اپنے حق میں غلط طور پر فیصلہ لے جاتا ہے۔ (فرض کیجیے کسی زمین کے ٹکڑے کے بارے میں کوئی تنازعہ تھا اور ایک شخص غلط طور پر بات ثابت کر کے اپنے حق میں فیصلہ لے گیا۔) لیکن اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح وہ زمین کا ٹکڑا نہیں بلکہ جہنم کا ٹکڑا لے کر گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی شہادتوں کے اعتبار سے فیصلے کرتے تھے۔ ظاہر ہے اللہ کی طرف سے ہر وقت اور ہر مرحلے پر تو وحی نازل نہیں ہوتی تھی' البتہ جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا آپ کو متنبہ فرما دیتا تھا۔ اس لیے آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ فرما دی کہ اگر کچھ لوگ اس دنیا میں جھوٹ' فریب اور غلط فیصلے کے ذریعے کوئی مفاد حاصل کر بھی لیتے ہیں تو انہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ایک دن اُس کی عدالت میں بھی پیش ہونا ہے جہاں جھوٹ اور غلط بیانی سے کام نہیں چلے گا' وہاں ان کے حق میں اللہ سے کون جھگڑے گا؟

آیت ۱۱۰ ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۱۰﴾
''اور جو کوئی بُری حرکت کرے یا اپنی جان پر کوئی ظلم کر بیٹھے اور پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو پائے گا بخشنے والا' بہت رحم کرنے والا۔''

اس سلسلے میں سیدھی روش یہی ہے کہ غلطی یا خطا ہو گئی ہے تو اس کا اعتراف کر لو' اس جرم کی جو دُنیوی سزا ہے وہ بھگت لو اور اللہ سے استغفار کرو۔ اس طرح آخرت کی سزا سے چھٹکارا مل جائے گا۔

آیت ۱۱۱ ﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱۱﴾ ''اور جو کوئی بھی گناہ کماتا ہے تو وہ اس کا وبال اپنی ہی جان پر لیتا ہے۔ اور اللہ علیم اور حکیم ہے۔''

آیت ۱۱۲ ﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــــًٔـا﴾ ''اور جو کوئی کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب کرتا ہے' پھر اس کا الزام کسی بے گناہ پر لگا دیتا ہے''

﴿فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۱۱۲﴾ ''تو اس نے اپنے سر ایک بہت بڑا بہتان اور بہت صریح گناہ کا بوجھ لے لیا۔''

کسی نے کوئی گناہ کمایا' کوئی خطا کی' کوئی جرم کیا' اور پھر اس کی تہمت کسی بے قصور شخص پر لگا دی تو اُس نے گویا بہت بڑے بہتان اور کھلم کھلا گناہ کا بار سمیٹ لیا۔ مذکورہ معاملے میں یہودی تو بے قصور تھا' چنانچہ جو لوگ اس کو سزا دلوانے پر تُل گئے' ان کا یہ فعل یَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــــًٔـا کے زُمرے میں آ گیا۔ بہرحال کسی بے گناہ پر اس طرح کا بہتان لگانا اللہ کے نزدیک بہت سنجیدہ معاملہ ہے۔

اس کے بعد اب اُس یہودی اور منافق کے مقدمے کے کچھ مزید پہلوؤں کے بارے میں حضور ﷺ سے خطاب ہو رہا ہے۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو اُن (منافقین) کا ایک گروہ تو

اس پر تُل گیا تھا کہ آپ کو گمراہ کر دے۔‘‘

وہ لوگ تو اس پر کمر بستہ تھے کہ آپؐ کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے آپؐ سے غلط فیصلہ کروالیں۔ ان کا منصوبہ تھا کہ عدالتِ محمدی ﷺ سے ظلم پر مبنی فیصلہ صادر ہو جائے‘ گناہگار چھوٹ جائے اور جو اصل مجرم نہیں تھا‘ بالکل بے گناہ تھا‘ اس کو پکڑ لیا جائے۔

﴿وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ﴾ ’’اور حقیقت میں وہ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اور (اے نبی ﷺ!) وہ آپ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔‘‘

ہم ایسے مواقع پر بروقت آپ ﷺ کو مطلع کرتے رہیں گے۔

﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ﴾ ’’اور اللہ نے آپؐ پر کتاب نازل کی ہے اور حکمت بھی‘ اور آپؐ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپؐ نہیں جانتے تھے۔‘‘

﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ؀١١٣﴾ ’’اور یقیناً اللہ کا فضل ہے آپؐ پر بہت بڑا۔‘‘

آیت ۱۱۴ ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىھُمْ﴾ ’’ان (منافقین) کی سرگوشیوں میں سے اکثر میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی‘‘

یہ منافقین کی منفی سرگرمیوں کی طرف اشارہ ہے۔ علیحدہ بیٹھ کر سرگوشیاں کرنا‘ دوسروں کو دیکھ کر مسکرانا اور ساتھ اشارے بھی کرنا تاکہ دیکھنے والے کے دل میں خلجان پیدا ہو کہ میرے بارے میں بات ہو رہی ہے۔ یہ سارے معاملات جوں کے توں انسانی معاشرے کے اندر آج بھی موجود ہیں۔ مگر اللہ کا فرمان ہے کہ اس انداز کی خفیہ سرگوشیوں کا زیادہ حصہ ایسا ہوتا ہے جس میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔

﴿اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ﴾ ’’اِلّا یہ کہ کوئی تلقین کرے صدقہ و خیرات کی‘ یا نیکی کی یا لوگوں کے معاملات کو درست کرنے کی۔‘‘

خیر والی سرگوشی یہ ہو سکتی ہے کہ خاموشی سے کسی کو علیحدگی میں لے جا کر اس کو صدقہ و خیرات کی تلقین کی جائے کہ بھائی دیکھو آپ کو اللہ نے غنی کیا ہے‘ فلاں شخص محتاج ہے‘ میں اس کو جانتا ہوں‘ آپ کو اس کی مدد کرنی چاہیے‘ وغیرہ۔ پھر معروف اور بھلائی کے امور میں خفیہ صلاح مشورے اگر کیے جائیں تو اس میں بھی حرج نہیں۔ اسی طرح کسی غلط فہمی یا جھگڑے کی صورت میں فریقین میں صلح صفائی کرانے کی غرض سے بھی خفیہ مذاکرات کسی سازش کے زمرے میں نہیں آتے۔ مثلاً دو بھائی جھگڑ پڑے ہیں‘ اب آپ ایک کی بات علیحدگی میں سنیں اور دوسرے کے پاس جا کر اس بات کو بہتر انداز میں پیش کریں کہ آپ کو مغالطہ ہوا ہے‘ انہوں نے یہ بات یوں نہیں‘ یوں کہی تھی۔ اس طرح کی علیحدہ علیحدہ گفتگو جو نیک نیتی سے کی جا رہی ہو‘ یہ یقیناً نیکی اور بھلائی کی بات ہے جو باعثِ اجر و ثواب ہے۔

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ؀١١٤﴾ ’’اور جو شخص اس

طرح (کی سرگوشی) کرے گا اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے تو عنقریب ہم اسے دیں گے بہت بڑا اجر۔''

آیت ۱۱۵ ﴿وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى﴾ ''اور جو رسولؐ کی مخالفت پر تُل گیا اِس کے بعد کہ اُس پر ہدایت واضح ہو چکی''

یعنی جو کوئی خفیہ سازشوں اور چوری چھپے کی لگائی بجھائی کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف بھڑکاتا ہے کہ دیکھو جی یہ اپنے لوگوں کو نواز رہے ہیں۔ جیسا کہ غزوۂ حنین میں ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے ان مسلمانوں کو جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے' مالِ غنیمت میں سے ان کی دلجوئی کے لیے (جسے قرآن میں تالیفِ قلوب کہا گیا ہے) ذرا زیادہ مال دے دیا تو اس پر بعض لوگوں نے شور مچا دیا کہ دیکھ لیا' جب کڑا وقت تھا تو اسے ہم جھیلتے رہے' اب جب اچھا وقت آیا ہے تو اپنے رشتہ دار یاد آ گئے ہیں۔ ظاہر ہے مکہ والے حضور ﷺ کے رشتہ دار تھے' قریش کا قبیلہ حضور ﷺ کا اپنا قبیلہ تھا۔ تو طرح طرح کی باتیں جو آج کے دور میں بھی ہوتی ہیں ویسی ہی باتیں ہمیشہ ہوتی رہی ہیں۔ یہ انسان کی فطرت ہے جو ہمیشہ ایک سی رہی ہے' اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔

﴿وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ ''اور وہ اہلِ ایمان کے راستے کے سوا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے''

﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ﴾ ''تو ہم بھی اس کو اُسی طرف پھیر دیتے ہیں جس طرف اُس نے خود رُخ اختیار کر لیا ہو اور ہم اسے پہنچائیں گے جہنم میں۔''

﴿وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۝١١٥﴾ ''اور وہ بہت بُری جگہ ہے لوٹنے کی۔''

یہ آیت اس اعتبار سے بڑی اہم ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اجماعِ اُمت کی سند اس آیت میں ہے۔ یہ بات تو بہت واضح ہے کہ اسلامی قوانین کے لیے بنیادی ماخذ قرآن ہے' پھر حدیث وسنت ہے۔ اسی طرح اجتہاد کا معاملہ بھی سمجھ میں آتا ہے' مگر اجماع کس چیز کا نام ہے؟ اس کا ذکر قرآن میں کہاں ہے؟ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اجماع کی دلیل قرآن سے تلاش کرنے کی کوشش کی اور قرآن کو شروع سے آخر تک تین سو مرتبہ پڑھا مگر مجھے اجماع کی کوئی دلیل نہیں ملی۔ پھر بالآخر تین سو ایک مرتبہ پڑھنے پر میری نظر جا کر اس آیت پر جم گئی: ﴿وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾۔ گویا اہلِ ایمان کا جو راستہ ہے' جس پر اجماع ہو گیا ہو اہل ایمان کا' وہ خود اپنی جگہ بہت بڑی سند ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اِنَّ اُمَّتِیۡ لَا تَجۡتَمِعُ عَلٰی ضَلَالَةٍ))(1) ''میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔''

آیات ۱۱۶ تا ۱۲۶

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ۝١١٦ اِنۡ يَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰـثًا ۚ وَاِنۡ يَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَيۡطٰنًا مَّرِيۡدًا ۝١١٧ۙ

(1) سنن ابن ماجه' كتاب الفتن' باب السواد الاعظم' بروايت انس بن مالكؓ۔

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ
وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ
الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ
الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ
اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ
يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ
مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ
دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ
خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۸/۱۵

آیت ۱۱۶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ﴾ ''اللہ ہرگز نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے' اور بخش دے گا اس کے سوا جس کے لیے چاہے گا۔''

یاد رہے کہ یہ الفاظ اس سورۂ مبارکہ میں قبل ازیں آیت ۴۸ میں بھی آ چکے ہیں۔

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾﴾ ''اور جو شرک کرتا ہے اللہ کے ساتھ وہ تو پھر گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بھی بہت دور نکل گیا۔''

آیت ۱۱۷ ﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾﴾ ''نہیں پکارتے یہ لوگ اللہ کے سوا مگر دیویوں کو' اور وہ نہیں پکارتے کسی کو سوائے سرکش شیطان کے۔''

یہاں اس سورت میں پہلی مرتبہ مشرکینِ مکہ کی بات بھی ہو رہی ہے۔ مشرکینِ مکہ نے اپنی دیویوں کے مؤنث نام رکھے ہوئے تھے' جیسے لات' منات' عزیٰ وغیرہ۔ ان پر واضح کیا جا رہا ہے اصل میں نہ لات کا کوئی وجود ہے اور نہ ہی منات کی کچھ حقیقت ہے۔ البتہ شیطان ضرور موجود ہے جو ان کی پکار سن رہا ہے۔

آیت ۱۱۸ ﴿لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ﴾ ''اللہ نے اُس پر لعنت فرما دی ہے۔''

﴿وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾﴾ ''اور اُس نے کہا (اے اللہ) میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ تو لے کر ہی چھوڑوں گا۔''

ان لوگوں کو میں اپنے ساتھ جہنم میں پہنچا کر رہوں گا۔ گویا: ع

''ہم تو ڈوبے ہیں صنم' تم کو بھی لے ڈوبیں گے!''

آیت ۱۱۹ ﴿وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ﴾ ''اور میں لازماً ان کو بہکاؤں گا اور ان کو بڑی بڑی امیدیں دلاؤں گا''

میں ان کے دلوں میں دلکش امیدوں کے چراغ روشن کروں گا۔ مثلاً یہ کہ یہ بہت تابناک کیریئر ہے' لگے رہو اسی کام میں' اس میں بڑا فائدہ ہے' ناجائز ہے تو خیر ہے' اللہ بخش ہی دے گا۔ اور یہ کہ تم تو اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے اُمتی ہو' تمہیں کس بات کا خوف ہے؟ جیسے میں نے یہودیوں کو یہ زعم دلایا تھا کہ تم اللہ کے بیٹے اور اس کے بڑے چہیتے ہو' وغیرہ۔ تو ان کو میں اس طرح کی لمبی لمبی امیدوں اور لمبے لمبے منصوبوں میں اُلجھادوں گا۔ اسی کو 'طولِ امل' کہتے ہیں۔

﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ﴾ ''اور میں انہیں حکم دوں گا تو (اس کی تعمیل میں) وہ چوپایوں کے کان چیر دیں گے''

اس کی تفصیل سورۃ الانعام (رکوع ۱۶) میں آئے گی کہ فلاں بُت یا فلاں دیوی کے نام پر کسی جانور کے کان چیر کر اسے آزاد کر دیا گیا ہے' اب اس کو کوئی چھیڑ نہیں سکتا' اس کا گوشت نہیں کھایا جا سکتا' اس پر سواری نہیں ہو سکتی۔

﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور میں انہیں حکم دوں گا تو (اس کی تعمیل میں) وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کریں گے۔''

جیسے آج جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مَردوں میں عورتوں کے سے انداز اپنائے جا رہے ہیں اور عورتوں میں مردوں کے سے طور طریقے اختیار کیے جا رہے ہیں۔ لیکن اس حوالے سے سائنس کے میدان (خاص طور پر Genetics) میں جو کچھ آج ہو رہا ہے وہ تو بہت ہی نازک صورتِ حال ہے۔ سائنسی ترقی کے سبب انسان آج اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ وہ اپنا اختیار استعمال کر کے جینیاتی تبدیلیوں کے ذریعے سے اللہ کی تخلیق میں تغیّر و تبدّل کر رہا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ١١٩؁﴾ ''اور جس کسی نے بھی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنا لیا تو وہ بہت کھلے خسارے (اور تباہی) میں پڑ گیا۔''

آیت ۱۲۰ ﴿يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ١٢٠؁﴾ ''وہ (شیطان) ان سے وعدے بھی کرتا ہے اور انہیں اُمیدیں بھی دلاتا ہے' اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر دھوکے کا۔''

شیطان ان کو وعدوں کے بہلاوے دیتا ہے اور آرزوؤں میں پھنساتا ہے' سبز باغ دکھاتا ہے' مگر شیطان کے سب وعدے اور دعوے سراسر فریب ہیں۔

آیت ۱۲۱ ﴿اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ١٢١؁﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے' اور وہاں سے وہ فرار کی کوئی صورت نہیں پائیں گے۔''

وہاں سے بھاگنے کا انہیں کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ دوسری طرف اہل ایمان کی شان کیا ہوگی' اگلی آیت میں اس کی تفصیل ہے۔ دو گروہوں یا دو پہلوؤں کے درمیان فوری تقابل (simultaneous contrast) کا یہ انداز قرآن میں ہمیں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔

آیت ۱۲۲ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں انہیں ہم عنقریب داخل کریں گے ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی''

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ﴾ ''ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ؁﴾ ''اللہ کا یہ وعدہ سچا ہے' اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا ہوسکتا ہے؟''

آیت ۱۲۳ ﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ﴾ ''(اے مسلمانو!) نہ تمہاری خواہشات پر (موقوف ہے) اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر۔''

یہ تنبیہہ آ گئی کہ یہود و نصاریٰ کی طرح تم لوگ بھی بے بنیاد خواہشات اور خوش کن آرزوؤں (wishful thinkings) کے عادی ہو جاؤ گے' شفاعت کی امید پر تم بھی حرام خوریاں کرو گے' اللہ کی نافرمانیاں جیسی کچھ انہوں نے کی تھیں تم بھی کرو گے۔ لیکن جان لو کہ اللہ کا قانون اٹل ہے' بدلے گا نہیں۔ تمہاری خواہشات سے تمہاری آرزوؤں سے اور تمہاری تمناؤں سے کچھ نہیں ہوگا۔ بالکل اسی طرح جیسے اہل کتاب کی خواہشات سے کچھ نہیں ہوا۔ بلکہ:

﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ﴾ ''جو کوئی برا کام کرے گا اس کی سزا اس کو مل کر رہے گی''

یہ بہت سخت الفاظ ہیں۔ اگرچہ اللہ کے ہاں اس قانون میں نرمی کا ایک پہلو موجود ہے' یعنی بعض اوقات بدی کے منفی اثرات کو نیکی دھو دیتی ہے' لیکن اس آیت کی رو سے برائی کا حساب تو بہرحال ہو کر رہنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان سے جس بدی کا ارتکاب ہوتا ہے وہ اس کے بارے میں جواب دہ ہے' اس کا احتساب ہو کر رہے گا۔ اگر کسی نے غلطی کی' پھر صدقِ دل سے توبہ کر لی اور اس کے سبب اس کی بدی کے اثرات جاتے بھی رہے' تب بھی معاملہ account for ضرور ہوگا۔ توبہ کو دیکھا جائے گا' کہ آیا توبہ واقعتاً سچی تھی؟ توبہ کرنے والا اپنے کیے پر نادم ہوا تھا؟ واقعی اس نے عادتِ بد کو چھوڑ دیا تھا؟ یا یہ کہ صرف زبان سے ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ'' کی گردان ہو رہی تھی اور ساتھ نافرمانی اور حرام خوری بھی جوں کی توں چل رہی تھی۔ تو احتساب کے کٹہرے میں ہر شخص اور ہر معاملے کو لایا جائے گا اور کھرا کھوٹا دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ پھر جو مجرم پایا گیا' اسے اس کے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔

﴿وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ؁﴾ ''اور وہ نہیں پائے گا اپنے لیے اللہ کے مقابلے میں کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔''

آیت ۱۲۴ ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ’’اور جو کوئی نیک عمل کرے گا‘ خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور ہو وہ صاحبِ ایمان‘‘

﴿فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٤﴾﴾ ’’تو یہ وہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی تِل کے برابر بھی کوئی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔‘‘

آیت ۱۲۵ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ ’’اور اُس سے بہتر دین کس کا ہوگا جس نے اپنا چہرہ (سر) اللہ کے سامنے جھکا دیا‘ اور (اس کے بعد) احسان (کے درجے) تک پہنچ گیا‘‘

اللہ کی بندگی میں خوبصورتی لا کر‘ خلوص اور للّٰہیت کے ساتھ‘ پورے دین کا اتباع کر کے‘ تفریق بین الدّین سے بچ کر اور total submission کے ذریعے سے اُس نے احسان کے درجے تک رسائی حاصل کر لی۔

﴿وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ ’’اور اُس نے پیروی کی دینِ ابراہیم کی یکسو ہو کر (یا پیروی کی اُس ابراہیمؑ کے دین کی‘ جو یکسو تھا)۔‘‘

﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾﴾ ’’اور اللہ نے تو ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔‘‘

آیت ۱۲۶ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾﴾ ’’اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے‘ اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔‘‘

آیات ۱۲۷ تا ۱۳۴

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝

اب جو آیات آ رہی ہیں ان میں خطاب مسلمانوں ہی سے ہے لیکن ان کی حیثیت ''استدراک'' کی ہے۔ اس حوالے سے ان کا تعلق اس سورۃ کی ابتدائی آیات کے ساتھ ہے جن میں خواتین کے مسائل کے بارے میں کچھ احکام نازل ہوئے تھے' اور یتیم بچیوں سے نکاح کے بارے میں بھی کچھ معاملات زیر بحث آئے تھے۔ ان میں سے کچھ نکات لوگوں کے لیے وضاحت طلب تھے' لہٰذا ایسے نکات کے بارے میں لوگوں نے حضور ﷺ سے کچھ وضاحتیں طلب کیں۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحتیں نازل کی ہیں۔

آیت ۱۲۷ ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے عورتوں کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔''

﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے (وضاحت کرتا ہے) ان کے بارے میں''

﴿وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ﴾ ''اور جو تمہیں (پہلے سے) سنایا جا رہا ہے کتاب میں یتیم لڑکیوں کے بارے میں''

یہ اسی سورۃ کی آیت ۳ کی طرف اشارہ ہے۔ اب آیت زیر نظر کے ساتھ مل کر اُس آیت کی تشریح بھی بالکل واضح ہو گئی اور ثابت ہو گیا کہ وہاں جو فرمایا گیا تھا ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى﴾ تو اس سے اصل مراد ''يَتٰمَى النِّسَآءِ'' تھا۔ یعنی اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے شادی کرو گے تو ان کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے (اس لیے کہ ان کی طرف سے کوئی نہیں جو ان کے حقوق کا پاسدار ہو اور تم سے باز پُرس کر سکے) تو پھر ان سے شادی مت کرو' بلکہ دوسری عورتوں سے شادی کر لو۔ اگر ایک سے زائد نکاح کرنا چاہتے ہو تو اپنی پسند کی دوسری عورتوں سے' دو دو' تین تین یا چار چار سے کر لو ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ﴾۔ مگر ایسی بے سہارا یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کرو' کیونکہ:

﴿الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ ''جن کو تم دیتے نہیں ہو جو اللہ نے اُن کے لیے لکھ دیا ہے اور چاہتے ہو کہ اِن سے نکاح بھی کر لو''

تم انہیں یتیم سمجھ کر مہر ادا کیے بغیر ان سے نکاح کرنے کے خواہش مند رہتے ہو۔

﴿وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ﴾ ''اور (اسی طرح) وہ بچے جو کمزور ہیں (جن پر ظلم ہوتا ہے)''

﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ﴾ ''اور یہ (ہم نے تمہیں اتنے تفصیلی احکام دیے ہیں) کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف پر کاربند رہو۔''

﴿وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيۡمًا ﴿١٢٧﴾﴾ ''اور جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اس سے واقف ہے۔''

وہ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔ اُس نے شریعت کے احکام نازل کر دیے ہیں' بنیادی ہدایات تمہیں دے دی گئی ہیں۔ اب اضافی چیز تو بس یہی ہے کہ تمہاری نیت صاف ہونی چاہیے۔ کیونکہ ﴿وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ ؕ﴾ (البقرۃ: ۲۲۰) یعنی اللہ جانتا ہے کہ کون حقیقت میں شرارتی ہے اور کس کی نیت صحیح ہے۔

آیت ۱۲۸ ﴿وَاِنِ امۡرَاَةٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِهَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا﴾ ''اور اگر کسی عورت کو اندیشہ ہو اپنے شوہر سے زیادتی یا بے رُخی کا''

ایک ''نشوز'' تو وہ تھا جس کا تذکرہ اسی سورۃ کی آیت ۳۴ میں عورت کے حوالے سے ہوا تھا: ﴿وَالّٰتِىۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ﴾ ''اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو''۔ یعنی وہ عورتیں جو اپنے خاوندوں سے سرکشی کرتی ہیں' ان کی اطاعت نہیں کرتیں اور اپنی ضد پر اَڑی رہتی ہیں۔ اب یہاں ذکر ہے اُس ''نشوز'' کا جس کا اظہار خاوند کی طرف سے ہوسکتا ہے۔ یعنی یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ خاوند اپنی بیوی پر ظلم کر رہا ہو' اس کے حقوق ادا کرنے میں پہلو تہی کر رہا ہو' اپنی ''قوامیت'' کے حق کو غلط طریقے سے استعمال کر رہا ہو' اس پر بے جا رُعب ڈالتا ہو' اسے بلاوجہ ستاتا ہو اور تنگ کر کے مہر معاف کروانا چاہتا ہو' یا اگر بیوی کے والدین اچھے کھاتے پیتے ہوں تو ہوسکتا ہے خاوند اسے بلیک میل کر کے اس کے والدین سے دولت ہتھیانا چاہتا ہو۔ یہ ساری خباثتیں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں اور عورتیں بیچاری ظلم وستم کی اس چکی میں پستی رہتی ہیں۔ آیت زیر نظر میں اس مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے اندیشہ ہو جائے کہ وہ زیادتی کرے گا' یا اگر شوہر زیادتی کر رہا ہو اور وہ بیوی کے حقوق ادا نہ کر رہا ہو' یا اس کی طرف میلان ہی نہ رکھتا ہو' کوئی نئی شادی رچا لی ہو اور اب ساری توجہ نئی دلہن کی طرف ہو۔

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا ؕ﴾ ''تو ان دونوں پر کوئی الزام نہیں ہوگا کہ وہ آپس میں صلح کر لیں۔''

یہاں صلح سے مراد یہ ہے کہ سارے معاملات باہم طے کر کے عورت خلع لے لے۔ لیکن خلع لینے میں' جیسا کہ سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۹ میں ہم پڑھ چکے ہیں' عورت کو مہر چھوڑنا پڑے گا' اور اگر لیا تھا تو کچھ واپس کرنا پڑے گا۔

﴿وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ ؕ وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ﴾ ''اور صلح بہرحال بہتر ہے۔ البتہ انسانی نفس پر لالچ مسلّط رہتا ہے۔''

مرد چاہے گا کہ میرا پورا مہر واپس کیا جائے جبکہ عورت چاہے گی کہ مجھے کچھ بھی واپس نہ کرنا پڑے۔ یہ مضامین سورۃ البقرۃ میں بیان ہو چکے ہیں۔

﴿وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿١٢٨﴾﴾ ''اور اگر تم احسان کرو اور

تقویٰ اختیار کرو تو جان لو کہ اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔''

تم مرد ہو' مردانگی کا ثبوت دو' اس معاملے میں اپنے اندر نرمی پیدا کرو' بیوی کا حق فراخ دلی سے ادا کرو۔

آیت ۱۲۹ ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ ''اور تمہارے لیے ممکن ہی نہیں کہ تم عورتوں کے درمیان پورا پورا انصاف کر سکو' چاہے تم اس کے لیے کتنے ہی حریص ہو''

سورۃ کے آغاز (آیت ۳) میں فرمایا گیا تھا: ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ یعنی اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم اپنی بیویوں میں (اگر ایک سے زائد ہیں) عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک پر ہی اکتفا کرو' دوسری شادی مت کرو۔ اگر تمہیں کُلی طور پر اطمینان ہے' اپنے اوپر اعتماد ہے کہ تم عدل کر سکتے ہو تب دوسری شادی کرو' ورنہ نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کچھ چیزیں تو گنتی اور ناپ تول کی ہوتی ہیں' ان میں تو عدل کرنا ممکن ہے' لیکن جو قلبی میلان ہے یہ تو انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ حضورﷺ نے اپنی تمام ازواج کے لیے ہر چیز گن گن کر طے کی ہوئی تھی۔ شب بسری کے لیے سب کی باریاں مقرر تھیں۔ دن میں بھی آپؐ ہر گھر میں چکر لگاتے تھے۔ عصر اور مغرب کے درمیان تھوڑی تھوڑی دیر ہر زوجہ محترمہ کے پاس ٹھہرتے تھے۔ اگر کہیں زیادہ دیر ہو جاتی تو گویا کھلبلی مچ جاتی تھی کہ آج وہاں زیادہ دیر کیوں ٹھہر گئے؟ یہ چیزیں انسانی معاشرے میں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ حضورﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا آپس کا معاملہ بہت اچھا تھا' لیکن سوکناپے کے اثرات کچھ نہ کچھ تو ہوتے ہیں' یہ عورت کی فطرت ہے' جو اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ تو اس لیے فرمایا کہ مکمل انصاف کرنا تمہارے بس میں نہیں۔ اس سے مراد دراصل قلبی میلان ہے۔ اس کی وضاحت ایک حدیث میں بھی ملتی ہے۔ نبی اکرمﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میں نے ظاہری چیزوں میں پورا پورا عدل کیا ہے' باقی جہاں تک میرے دل کے میلان کا تعلق ہے تو مجھے امید ہے کہ اس بارے میں تُو مجھ سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ اسی لیے یہاں فرمایا گیا کہ تم چاہو بھی تو عدل نہیں کر سکتے۔

﴿فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ ''تو ایسا نہ ہو کہ تم ایک ہی کی طرف پورے کے پورے جھک جاؤ کہ دوسری بیوی کو معلق کر کے چھوڑ دو۔''

دوسری بیوی اس طرح معلق ہو کر نہ رہ جائے کہ اب وہ نہ شوہر والی ہے اور نہ آزاد ہے۔ اس سے خاوند کا گویا کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔

﴿وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۲۹﴾ ''اور اگر تم اصلاح کر لو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ بھی غفور اور رحیم ہے۔''

اب اگلی آیت میں طلاق کے معاملے میں ایک اہم نکتہ بیان ہو رہا ہے۔ طلاق یقیناً ایک نہایت سنجیدہ مسئلہ ہے' اس لیے رسول اللہﷺ نے فرمایا: ((اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى الطَّلَاقُ))[1] ''حلال چیزوں میں

(۱) سنن ابی داوٗد' کتاب الطلاق' باب فی کراھیۃ الطلاق۔ وسنن ابن ماجہ' کتاب الطلاق' باب حدثنا سوید بن سعید۔ راوی: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے''۔ لیکن ہمارے معاشرے میں اس کو بسا اوقات کفر تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لڑائیاں ہو رہی ہیں' مقدمات چل رہے ہیں' مزاجوں میں موافقت نہیں ہے' ایک دوسرے کو کوس رہے ہیں' دن رات کا جھگڑا ہے' لیکن طلاق نہیں دیتے۔ یہ طرزِ عمل نہایت احمقانہ ہے اور شریعت کی منشاء کے بھی خلاف ہے۔ لہٰذا اس آیت میں آپ دیکھیں گے کہ ایک طرح سے طلاق کی ترغیب دی گئی ہے۔

آیت ۱۳۰ ﴿وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ ''اور اگر وہ (میاں بیوی) دونوں علیحدہ ہو جائیں گے تو اللہ ان کو اپنی کشادگی سے غنی کر دے گا''۔

ہو سکتا ہے کہ اس عورت کو بھی کوئی بہتر رشتہ مل جائے جو اس کے ساتھ مزاجی موافقت رکھنے والا ہو اور اس مرد کو بھی اللہ تعالیٰ کوئی بہتر بیوی دے دے۔ میاں بیوی کا ہر وقت لڑتے رہنا' دنگا فساد کرنا اور عدمِ موافقت کے باوجود طلاق کا اختیار (option) استعمال نہ کرنا' یہ سوچ ہمارے ہاں دراصل ہندو معاشرت اور عیسائیت کے اثرات کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ ہندومت کی طرح عیسائیت میں بھی طلاق حرام ہے۔ دراصل انجیل میں تو شریعت اور قانون ہے ہی نہیں' صرف اخلاقی تعلیمات ہیں۔ چنانچہ جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ)) ایسی ہی کوئی بات حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی فرمائی تھی تاکہ کوئی شخص بلاوجہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ ظاہر ہے معاشرے میں طلاق کے منفی اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ تو ہوتا ہے۔ طلاق شدہ عورت کی دوسری شادی نہ ہونے کی صورت میں اس کے آوارہ ہو جانے کا امکان بھی ہے اور اگر ایسا ہوا تو اس کا وبال اسے بلاوجہ طلاق دینے والے کے سر ہی جائے گا۔ بہرحال حضرت مسیحؑ کا ایسا فرمان محض ایک اخلاقی نصیحت تھی' کوئی قانونی شق نہیں تھی۔ عیسائیت کا قانون تو وہی ہے جو تورات کے اندر ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت تم پر بدستور نافذ رہے گی' میں اس قانون کو ختم کرنے نہیں آیا۔ قانون بہرحال قانون ہے' اخلاقی ہدایات کو قانون کا درجہ تو نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن عیسائیت میں اس طرح کی اخلاقی تعلیمات کو قانون بنا دیا گیا' جس کی وجہ سے بلاجواز پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ ان کے ہاں کوئی شخص اپنی بیوی کو اُس وقت تک طلاق نہیں دے سکتا جب تک اس پر بدکاری کا جرم ثابت نہ ہو جائے۔ لہٰذا وہ لوگ طلاق دینے کے لیے طرح طرح کے طریقے استعمال کر کے بیوی کو پہلے بدکردار بناتے ہیں' پھر اس کا ثبوت فراہم کرتے ہیں' تب جا کر اس سے جان چھڑاتے ہیں۔ تو جب شریعت کے درست اور آسان راستے چھوڑ دیے جاتے ہیں تو پھر اسی طرح غلط اور مشکل راستے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں عدمِ موافقت کی صورت میں طلاق کے بارے میں ایک طرح کی ترغیب نظر آتی ہے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾﴾ ''اور اللہ بڑی وسعت رکھنے والا' حکمت والا ہے''۔

اللہ کے خزانے بڑے وسیع ہیں اور اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

آیت ۱۳۱ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ ''اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

اور جو کچھ زمین میں ہے۔"

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ﴾ "اور (دیکھو مسلمانو!) تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہیں بھی ہم نے وصیت کی تھی اور اب تمہیں بھی یہی وصیت ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔"

احکامِ شریعت کی تعمیل کے سلسلے میں اصل جذبۂ محرکہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے بغیر شریعت بھی مذاق بن جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک خطبہ کے یہ الفاظ بہت مشہور ہیں اور خطباتِ جمعہ میں بھی اکثر انہیں شامل کیا جاتا ہے: ((اُوْصِيْكُمْ وَنَفْسِيْ بِتَقْوَى اللّٰهِ))(۱) "مسلمانو! میں تمہیں بھی اور اپنے نفس کو بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں"۔ قرآن حکیم میں جا بجا اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہاں بھی تقویٰ کا حکم انتہائی تاکید کے ساتھ دیا جا رہا ہے۔

﴿وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾﴾

"اور اگر تم نہ مانو گے تو (یاد رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے' اور اللہ تعالیٰ تو خود غنی ہے' وہ اپنی ذات میں خود ستودہ صفات ہے۔"

آیت ۱۳۲ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾﴾ "اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے' اور اللہ کافی ہے کارساز ہونے کے اعتبار سے۔"

اگر میاں بیوی میں واقعی نباہ نہیں ہو رہا تو بے شک وہ علیحدگی اختیار کر لیں' دونوں کا کارساز اللہ ہے۔ عورت بھی یہ سمجھے کہ اگر میں اس شوہر سے تعلق منقطع کر لوں گی تو اللہ کارساز ہے' وہ میرے لیے کوئی اور راستہ پیدا کر دے گا۔ اور اسی طرح کی سوچ مرد کی بھی ہونی چاہیے۔ اس کے برعکس یہ سوچ انتہائی احمقانہ اور خلافِ شریعت ہے کہ ہر صورت میں عورت سے نباہ کرنا ہے' چاہے اللہ سے بغاوت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ لہٰذا ہر چیز کو اُس کے مقام پر رکھنا چاہیے۔

آیت ۱۳۳ ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ﴾ "اے لوگو! وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے۔"

اللہ کے مقابلے میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے سامنے تم سب نفسِ واحد کی طرح ہو' اللہ تعالیٰ جب چاہے تم سب کو نسیاً منسیاً کر دے اور تمہاری جگہ نئے لوگوں کو پیدا کر دے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾﴾ "اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔"

آیت ۱۳۴ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ﴾ "جو کوئی بھی دنیا کا

---

(۱) یہ الفاظ اگرچہ مشہور ہیں لیکن دستیاب کتبِ احادیث میں ان کا حوالہ نہیں مل سکا۔ البتہ ((اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ)) کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کے خطبات میں بکثرت ملتے ہیں۔ مثلاً: سنن الترمذی' ابواب العلم' باب ما جاء فی الاخذ بالسنۃ واجتناب البدع۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب السنۃ' باب فی لزوم السنۃ۔ (مرتب)

ثواب چاہتا ہے تو اللہ کے پاس ہے ثواب دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی۔''

جو شخص اپنی ساری بھاگ دوڑ اور دن رات کی محنت دنیا کمانے' دولت اور جائیداد بڑھانے' عہدوں میں ترقی پانے اور مادی طور پر پھلنے پھولنے میں لگا رہا ہے' اور اس وجہ سے اللہ کے احکام اور حقوق کو نظر انداز کر رہا ہے' اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا کے خزانے بھی ہیں اور آخرت کے بھی۔ ورنہ یہ کہ وہ صرف دنیاوی چیزوں کی خواہش کر کے گویا سمندر سے قطرہ حاصل کرنے پر اکتفا کر رہا ہے۔ بقولِ علامہ اقبال ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے!

لہٰذا اللہ سے دنیا بھی مانگو اور آخرت بھی۔ اور اس طرح مانگو جس طرح اس نے مانگنے کا طریقہ بتایا ہے: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾﴾ (البقرة) ''پروردگار! ہمیں اس دنیا میں بھی خیر عطا فرما اور آخرت میں بھی خیر عطا فرما اور ہمیں بچا لے آگ کے عذاب سے''۔ تم لوگ اللہ کے ساتھ اپنے معاملات کو درست کرو' اس کے ساتھ اپنا تعلق خلوص و اخلاص کی بنیادوں پر استوار کرو' اس کی طرف سے جو ذمہ داریاں ہیں ان کو ادا کرو' پھر اللہ تعالیٰ یقیناً دنیا میں بھی تمہیں نوازے گا اور آخرت میں بھی۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۱۳۴﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔''

آیات ۱۳۵ تا ۱۴۱

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾ ع ۲۰

آیت ۱۳۵ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ ''اے اہلِ ایمان' کھڑے ہو جاؤ پوری قوت کے ساتھ عدل کو قائم کرنے کے لیے اللہ کے گواہ بن کر''

یہ آیت قرآن کریم کی عظیم ترین آیات میں سے ہے۔ سورۂ آلِ عمران (آیت ۱۸) میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ۭ﴾ ''اللہ گواہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں' اور سارے فرشتے اور اہل علم بھی اس پر گواہ ہیں' وہ عدل کا قائم کرنے والا ہے''۔ اللہ تعالیٰ اس زمین پر عدل قائم کرنا چاہتا ہے' اس کے لیے وہ اپنے دین کا غلبہ چاہتا ہے' اور اس عظیم کام کے لیے اُس کے کارندے اور سپاہی اہل ایمان ہی ہیں۔ انہی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اس دنیا میں عدل قائم کرے گا۔ لیکن اہلِ ایمان کو اس عظیم مقصد کے لیے کوشش کرنی ہو گی' جانوں کا نذرانہ پیش کرنا ہو گا' ایثار کرنا ہو گا' قربانیاں دینی ہوں گی' تب جا کر کہیں دین غالب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت ہی اہم معاملہ ہے۔ معاشرے میں عدل وقِسط کے قیام کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اس کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو ''اللہ کے گواہ'' کہا گیا ہے۔ عدلِ اجتماعی (Social Justice) پر اسلام نے جتنا زور دیا ہے بدقسمتی سے آج ہمارا مذہبی طبقہ اتنا ہی اس سے بے بہرہ ہے۔ آج کے مسلم معاشروں میں سرے سے شعور ہی نہیں کہ عدلِ اجتماعی کی بھی کوئی اہمیت اسلام میں ہے۔ اسلامی قوانین اور حدود و تعزیرات کے نفاذ کی اہمیت تو سب جانتے ہیں' لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ باطل نظام کی ناانصافیاں کیسے ختم ہوں گی؟ اس جاگیردارانہ ظلم و ستم اور غریبوں کے استحصال (exploitation) کی بیخ کنی کس طرح ہو گی؟ سرمایہ دار غریبوں کا خون چوس چوس کر روز بروز موٹے ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ نظام ایک ایسی چکّی ہے جو آٹا پیس پیس کر ایک ہی طرف ڈالتی جا رہی ہے' جبکہ دوسری طرف محرومی ہی محرومی ہے۔ یہاں دولت کی تقسیم کا نظام ہی غلط ہے' ایک طرف وسائل کی ریل پیل ہے تو دوسری طرف بھوک ہی بھوک۔ ایک طرف امیر امیر تر ہو رہے ہیں تو دوسری طرف غریب غریب تر' اور غربت تو ایسی لعنت ہے جو انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے' ازروئے حدیثِ نبویؐ: ((كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا))(۱) ''قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے''۔ لہٰذا سب سے پہلے وہ نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے جس میں عدل ہو' انصاف ہو' جس میں ضمانت دی گئی ہو کہ ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی کفالت ہو گی۔ کفالتِ عامہ کی یہ ضمانت نظامِ خلافت میں دی جاتی ہے۔ جب نظام درست ہو جائے تو پھر حدود و تعزیرات کا نفاذ ہو۔ پھر جو کوئی چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ لیکن موجودہ حالات میں اگر اسلامی قوانین نافذ ہوں گے تو ان کا فائدہ الٹا لٹیروں اور حرام خوروں کو ہو گا' بلیک مارکیٹنگ کرنے والے ان سے مستفید ہوں گے۔ جنہوں نے حرام خوری سے دولت جمع کر رکھی ہے' وہ خوب پاؤں پھیلا کر سوئیں گے۔ چور کا ہاتھ کٹے گا تو انہیں چوری کا ڈر رہے گا نہ ڈاکے کا۔ تو اصل کام نظام کا بدلنا ہے۔ اس کا یہ

---

(۱) رواه البيهقى فى شعب الايمان۔ بحواله مشكوٰة المصابيح' كتاب الآداب' باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات ۔ راوى: انس بن مالك رضی اللہ عنہ

مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) شریعت نافذ نہ کی جائے' بلکہ مقصد یہ ہے کہ شریعت نافذ کرنے سے پہلے نظام (system) کو بدلا جائے' دین کا نظام قائم کیا جائے اور پھر اس نظام کو قائم رکھنے کے لیے' اس کو مستحکم اور مضبوط کرنے کے لیے' اسے مستقل طور پر چلانے کے لیے قانون نافذ کیا جائے۔ کیونکہ قانون ہی کسی نظام کے استحکام کا ذریعہ بنتا ہے' قانون کے صحیح نفاذ سے ہی کوئی نظام مضبوط ہوتا ہے۔

یہی مضمون آگے چل کر سورۃ المائدہ (آیت ۸) میں بھی آئے گا' لیکن وہاں اس کی ترتیب بدل گئی ہے۔ وہاں ترتیب اس طرح ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ﴾ ۔اس ترتیب کے بدلنے میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ اللہ اور عدل وقسط گویا مترادف الفاظ ہیں۔ ایک جگہ حکم ہے ''گواہ بن جاؤ اللہ کے'' اور دوسری جگہ فرمایا: ''گواہ بن جاؤ قسط کے''۔ ایک جگہ فرمایا: ''کھڑے ہو جاؤ قسط (عدل وانصاف) کے لیے'' جبکہ دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ ''کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے''۔ معلوم ہوا کہ اللہ اور قسط کے الفاظ جو ایک دوسرے کی جگہ آئے ہیں' آپس میں مترادف ہیں۔

﴿وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ﴾ ''خواہ یہ (انصاف کی بات اور شہادت) تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین کے یا تمہارے قرابت داروں کے۔''

ایک مؤمن کا تعلق عدل وانصاف اور قسط کے ساتھ ہونا چاہیے' رشتہ داری کے ساتھ نہیں۔ یہاں پر حرفِ جار کے بدلنے سے معانی میں ہونے والی تبدیلی مدِّنظر رہے۔ شھادۃ علٰی کا مطلب ہے لوگوں پر گواہی' اُن کے خلاف گواہی' جبکہ شھادۃ لِلّٰہ کا مطلب ہے اللہ کے لیے گواہی' لٰہذا شُهَدَآءَ لِلّٰهِ کے معنی ہیں اللہ کے گواہ۔

﴿اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا ۫﴾ ''چاہے وہ شخص غنی ہے یا فقیر' اللہ ہی دونوں کا پُشت پناہ ہے۔''

ہر کسی کا رازق اور کفیل اللہ تعالیٰ ہے' تم کسی کے کفیل اور ذمہ دار نہیں ہو۔ تمہیں تو وہ فیصلہ کرنا ہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو۔ تمہیں کسی کی جانب داری نہیں کرنی' نہ ماں باپ کی' نہ بھائی کی' نہ خود اپنی اور نہ کسی غریب و مسکین کی۔ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا کے الفاظ نے یہاں جانبدارانہ فیصلوں کا یہ چور دروازہ بھی بند کر دیا ہے کہ اس کا حق تو نہیں بنتا' لیکن یہ غریب ہے' لٰہذا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے۔ فرمایا کہ فریقِ معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب' تمہیں اس کی جانب داری نہیں کرنی۔ یہ حکم ہمیں واضح طور پر ہمارا فرض یاد دلاتا ہے کہ ہم سب اللہ کے گواہ بن کر کھڑے ہو جائیں۔ ہر حق بات جو اللہ کی طرف سے ہو اس کے علمبردار بن جائیں اور اس حق کو قائم کرنے کے لیے تن' من اور دھن کی قربانی دینے کے لیے اپنی کمر کس لیں۔

﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾﴾ ''تو تم خواہشات کی پیروی نہ کرو' مبادا کہ تم عدل سے ہٹ جاؤ۔ اگر تم زبانوں کو مروڑو گے یا اعراض کرو گے تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے۔''

یعنی اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا حق گوئی سے پہلو تہی کی تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ کو اس کی پوری

پوری خبر ہے۔ ''تَـلْوٗا'' کا صحیح مفہوم آج کی زبان میں ہوگا chewing the words۔ یعنی اس طریقے سے زبان کو حرکت دینا کہ بات کہنا بھی چاہتے ہیں لیکن کہہ بھی نہیں پا رہے ہیں' حق بات زبان سے نکالنا نہیں چاہتے' غلط بات نکل نہیں رہی ہے۔ یا پھر ویسے ہی حق بات کہنے والی صورتِ حال کا سامنا کرنے سے کنی کترا رہے ہیں' موقع سے ہی بچ نکلنا چاہتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ ایسی کسی کوشش سے انسانوں کو تو دھوکہ دیا جا سکتا ہے مگر اللہ تو تمہاری ہر سوچ' ہر نیت اور ہر حرکت سے باخبر ہے۔

اس کے بعد جو مضمون آ رہا ہے وہ شاید اس سورۂ مبارکہ کا اہم ترین مضمون ہے۔

آیت ۱۳۶ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ ''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر' اُس کے رسولؐ پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے نازل فرمائی اپنے رسولؐ پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے پہلے نازل فرمائی۔''

ایمان والوں سے یہ کہنا کہ ایمان لاؤ بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ ''اے ایمان والو' ایمان لاؤ!'' چہ معنی دارد؟ اس کا مطلب ہے کہ اقرار باللّسان والا ایمان تو تمہیں موروثی طور پر حاصل ہو چکا ہے۔ مسلمان ماں باپ کے گھر پیدا ہو گئے تو وراثت میں ایمان بھی مل گیا' یا یہ کہ جب پورا قبیلہ اسلام لے آیا تو اس میں پکے مسلمانوں کے ساتھ کچھ کچے مسلمان بھی شامل ہو گئے۔ زبان سے تو سب نے ''اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھ لیا۔ اس طرح اقرار باللسان کے درجے میں تو ایمان سب کو حاصل ہو گیا۔ لیکن واضح رہے کہ یہ ایمان کا محض قانونی درجہ ہے۔ پیچھے اسی سورۃ (آیت ۹۴) میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ اگر کوئی شخص راستے میں ملے اور وہ اپنا اسلام ظاہر کرے تو تم اس کے ایمان کو جھٹلا نہیں سکتے' کیونکہ جس نے زبان سے کلمۂ شہادت ادا کر لیا تو قانونی طور پر وہ مؤمن ہے۔ لیکن کیا حقیقی ایمان یہی ہے؟ نہیں' بلکہ حقیقی ایمان تو یقینِ قلبی کا نام ہے۔ اس لیے فرمایا: ''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر......''۔ اس نکتے کو سمجھنے کے لیے ہم اِس آیت کا ترجمہ اس طرح کریں گے کہ ''اے اہل ایمان! ایمان لاؤ اللہ پر جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے' مانو اللہ کے رسول ﷺ کو جیسا کہ ماننے کا حق ہے......'' اور یہ حق اُسی وقت ادا ہوگا جب اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان دل میں گھر کر گیا ہو۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سورۃ الحجرات (آیت ۷) میں فرمایا گیا: ﴿وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّـنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ﴾ ''اللہ نے ایمان کو تمہارے نزدیک محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں مُزیّن کر دیا ہے''۔ آگے چل کر اسی سورۃ (آیت ۱۴) میں کچھ لوگوں کے بارے میں یوں فرمایا: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ ''یہ بدو لوگ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اے نبی (ﷺ) ان سے کہہ دیجیے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' ہاں یوں کہہ سکتے ہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں' لیکن ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا''۔ چنانچہ اصل ایمان وہ ہے جو دل میں داخل ہو جائے۔ یہ درجہ تصدیق بالقلب کا ہے۔ یاد رہے کہ آیت زیر مطالعہ میں دراصل روئے سخن منافقین کی طرف ہے' جو زبانی ایمان تو لائے تھے لیکن اس کے ساتھ دل کی تصدیق شامل نہیں تھی۔

(عربی زبان سے واقفیت رکھنے والے حضرات یہ نکتہ بھی نوٹ کریں کہ قرآن کے لیے اس آیت میں لفظ نَزَّلَ اور تورات کے لیے اَنْزَلَ استعمال ہوا ہے۔)

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾﴾

''اور جو کوئی کفر (انکار) کرے گا اللہ کا' اس کے فرشتوں کا' اس کی کتابوں کا' اس کے رسولوں کا اور قیامت کے دن کا' تو وہ گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بہت دُور نکل گیا۔''

آیت ١٣٧ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا﴾ ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے' پھر کفر کیا' پھر ایمان لائے' پھر کفر کیا' پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے''

یہاں کفر سے مراد کفرِ حقیقی' کفرِ معنوی یا کفرِ باطنی یعنی نفاق ہے' قانونی کفر نہیں۔ کیونکہ منافقین کے ہاں کفر و ایمان کے درمیان جو بھی کشمکش اور کھینچا تانی ہو رہی تھی' وہ اندر ہی اندر ہو رہی تھی' لیکن ظاہری طور پر ان لوگوں نے اسلام کا انکار نہیں کیا تھا۔

﴿لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿١٣٧﴾﴾ ''تو اللہ نہ ان کی مغفرت کرنے والا ہے اور نہ وہ انہیں راہِ راست دکھائے گا۔''

واضح رہے کہ منافقت کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ ایک ہی دن میں کوئی شخص منافق ہو گیا ہو۔ منافقین میں ایک تو شعوری منافق تھے' جو باقاعدہ ایک فیصلہ کر کے اپنی حکمتِ عملی اختیار کرتے تھے' جیسے ہم سورۂ آل عمران (آیت ۷۲) میں ان کی پالیسی کے بارے میں پڑھ آئے ہیں کہ صبح ایمان کا اعلان کریں گے' شام کو پھر کافر ہو جائیں گے' مرتد ہو جائیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ ایمان انہیں نصیب ہوا ہی نہیں اور انہیں بھی معلوم تھا کہ وہ مؤمن نہیں ہیں۔ وہ دل سے جانتے تھے کہ ہم ایمان لائے ہی نہیں ہیں' ہم تو مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ شعوری منافقت ہے۔

اس کے برعکس کچھ لوگ غیر شعوری منافق تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام قبول تو کیا تھا' ان کے دل میں دھوکہ دینے کی نیت بھی نہیں تھی' لیکن انہیں اصل صورتِ حال کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ پھولوں کی سیج ہے' لیکن ان کی توقعات کے بالکل برعکس وہ نکلا کانٹوں والا بستر۔ اب انہیں قدم قدم پر رکاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔ ارادے میں چونکہ پختگی اور ایمان میں گہرائی نہیں تھی' لہٰذا ان کا معاملہ ''ہر چہ بادا باد'' والا نہیں تھا۔ ایسے لوگوں کا حال ہم سورۃ البقرۃ کے آغاز (آیت ۲۰) میں پڑھ آئے ہیں کہ کچھ روشنی ہوئی تو ذرا چل پڑے' اندھیرا ہوا تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ حالات بہتر ہوئے تو کچھ ہمت کی' دو چار قدم چلے' پھر حالات ناموافق دیکھ کر ٹھٹک گئے' رُک گئے' پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ لوگ ان کو ملامت کرتے کہ یہ تم کیا کرتے ہو؟ چنانچہ ملامت سے بچنے کے لیے وہ جھوٹے بہانے بنانے لگے' اور پھر جب یہ مرض مزید بڑھا تو جھوٹی قسمیں کھانی شروع کر دیں' کہ خدا کی قسم یہ مجبوری تھی' اس لیے میں رُک گیا تھا' ایسا تو نہیں کہ میں جہاد میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ میری بیوی مر رہی تھی' اُسے چھوڑ کر میں کیسے جا سکتا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی جھوٹی

قسمیں کھانا ایسے منافقین کا آخری درجے کا حربہ ہوتا ہے۔ تو ایمان اور کفر کا یہ معاملہ ان کے ہاں یوں ہی چلتا رہتا ہے' اگرچہ اوپر ایمان باللسان کا پردہ موجود رہتا ہے۔ جب کوئی شخص ایمان لے آیا اور اُس نے ارتداد کا اعلان بھی نہیں کیا تو قانونی طور پر تو وہ مسلمان ہی رہتا ہے' لیکن جہاں تک ایمان بالقلب کا تعلق ہے تو وہ ''مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ'' کی کیفیت میں ہوتا ہے اور اس کے اندر ہر وقت تذبذب اور اہتزاز (oscillation) کی کیفیت رہتی ہے کہ ابھی ایمان کی طرف آیا' پھر کفر کی طرف گیا' پھر ایمان کی طرف آیا' پھر کفر کی طرف گیا۔ اس کی مثال بعینہٖ اُس شخص کی سی ہے جو دریا یا تالاب کے گہرے پانی میں ڈوبتے ہوئے کبھی نیچے جاتا ہے' پھر ہاتھ پاؤں مارتا ہے تو ایک لمحے کے لیے اوپر آ جاتا ہے مگر اوپر ٹھہر نہیں سکتا اور فوراً نیچے چلا جاتا ہے۔ بالآخر نیچے جا کر اوپر نہیں آتا اور ڈوب جاتا ہے۔ بالکل یہی نقشہ ہے جو اس آیت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اگلی آیت میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ کن لوگوں کا تذکرہ ہے۔

آیت ۱۳۸ ﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ان منافقوں کو بشارت دے دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

یعنی واضح طور پر فرما دیا گیا کہ یہ لوگ منافق ہیں اور ان کو عذاب کی بشارت بھی دے دی گئی۔ یہ عذاب کی بشارت دینا طنزیہ انداز ہے۔

یہاں پر قبولِ حق کے دعوے داروں کو یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جو لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں' اللہ کو اپنا ربّ مانتے ہیں' ان کے لیے یہاں پھولوں کی سیج نہیں ہے' اس لیے جو شخص اس گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ یکسو ہو کر آئے' دل میں تحفظات (reservations) رکھ کر نہ آئے۔ یہاں تو قدم قدم پر آزمائشیں آئیں گی' یہ اللہ کا اٹل فیصلہ ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾ (البقرة:١٥٥) ''اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے''۔ یہاں تو علی الاعلان بتایا جا رہا ہے: ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِیْرًا ؕ﴾ (آل عمران:١٨٦) ''(مسلمانو! یاد رکھو) تمہیں لازماً آزمایا جائے گا تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی۔ اور تمہیں لازماً سننی پڑیں گی' ان لوگوں سے بھی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان سے بھی جنہوں نے شرک کیا' بڑی تکلیف دہ باتیں۔'' یہاں تو مال و جان کا نقصان اٹھانا پڑے گا' ہر قسم کی تلخ و ناز یبا باتیں سننی پڑیں گی' کڑوے گھونٹ بھی حلق سے اُتارنے پڑیں گے' غرض قدم قدم پر خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بے شرطِ اوّل قدم ایں است کہ مجنوں باشی!

(لیلیٰ سے وصال کے راستے میں تو بہت سے خطرات پیش آئیں گے۔ اس راہ میں پہلا قدم رکھنے کی شرط یہ ہے کہ تم مجنوں بن جاؤ!)

آیت ۱۳۹ ﴿الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ﴾ ''جو اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کفار

کو اپنا دوست بناتے ہیں۔''

ان منافقین کا وطیرہ یہ بھی تھا کہ وہ کفار کے ساتھ بھی دوستی رکھتے تھے۔ یعنی اپنی طرف سے وہ اس پالیسی پر عمل پیرا تھے: Don't keep all your eggs in one basket کہ اپنے تمام کے تمام انڈے ایک ہی ٹوکری میں مت رکھو۔ ان کا خیال تھا کہ آج اگر ہم سب تعلق' دوستیاں چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تو کل کا کیا پتا؟ کیا معلوم کل حالات بدل جائیں' حالات کا پلڑا کفار کی طرف جھک جائے۔ تو ایسے مشکل وقت میں پھر یہی لوگ کام آئیں گے' اس لیے وہ ان سے دوستیاں رکھتے تھے۔

﴿اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ﴾ ''کیا وہ ان کے قرب سے عزت چاہتے ہیں؟''

کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ کیا ان کی محفلوں میں جگہ پا کر وہ معزز بننا چاہتے ہیں؟ جیسے ہمارے حکمرانوں کے لیے آج امریکہ جانا اور صدرِ امریکہ سے ملنا بہت بڑا اعزاز ہے' جسے پانے کے لیے ہمارے ہاں کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ چند منٹ کی ایسی ملاقات کے لیے کس کس انداز سے lobbying ہوتی ہے' خواہ اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہو۔

﴿فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾﴾ ''حالانکہ عزت تو کُل کی کُل اللہ کے اختیار میں ہے۔''

لیکن وہ اللہ کو چھوڑ کر کہاں عزت ڈھونڈ رہے ہیں؟

آیت ۱۴۰ ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ﴾ ''اور یہ بات وہ تم پر نازل کر چکا ہے کتاب میں''

﴿اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَیُسْتَھْزَاُ بِھَا﴾ ''کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے''

﴿فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖٓ﴾ ''تو ان کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں''

یہ سورۃ الانعام کی آیت ۶۸ کا حوالہ ہے جس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ جب تمہارے سامنے کافر لوگ اللہ کی آیات کا استہزاء کر رہے ہوں' قرآن کا مذاق اڑا رہے ہوں تو تم وہاں سے اُٹھ جاؤ۔ یہ مکی آیت ہے۔ چونکہ اُس وقت مسلمانوں میں اتنا زور نہیں تھا کہ کفار کو ایسی حرکتوں سے زبردستی منع کر سکتے اس لیے ان کو بتایا گیا کہ ایسی محفلوں میں تم لوگ مت بیٹھو۔ اگر کسی محفل میں ایسی کوئی بات ہو جائے تو احتجاجاً وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ ایسی باتوں سے تمہاری غیرتِ ایمانی میں بھی کچھ کمی آ جائے یا تمہاری ایمانی حِس کُند پڑ جائے۔ ہاں جب وہ لوگ دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں تو پھر دوبارہ ان کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں۔ واضح رہے کہ یہ غیر مسلموں سے تعلق منقطع کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اس لیے کہ تبلیغ کی غرض سے ان کے پاس جانا بھی ضروری ہے۔

﴿اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ﴾ ''ورنہ تم بھی انہی کی مانند ہو جاؤ گے۔''

اگر اس حالت میں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو گے تو پھر تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝١٤٠﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ جمع کرنے والا ہے منافقوں کو بھی اور کافروں کو بھی جہنم میں سب کے سب۔''

آیت ۱۴۱ ﴿الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ﴾ ''وہ لوگ جو تمہارے لیے انتظار کی حالت میں ہیں۔''

منافق تمہارے معاملہ میں گردشِ زمانہ کے منتظر ہیں۔ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ یہ لوگ ''تیل دیکھو' تیل کی دھار دیکھو'' کی پالیسی اپنائے ہوئے ہیں اور نتیجے کے انتظار میں ہیں کہ آخری فتح کس کی ہوتی ہے۔ اس لیے ان کا طے شدہ منصوبہ ہے کہ دونوں طرف کچھ نہ کچھ تعلقات رکھو' تا کہ وقت جیسا بھی آئے' جو بھی صورت حال ہو' ہم اس کے مطابق اپنے بچاؤ کی کچھ صورت بنا سکیں۔

﴿فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۡ﴾ ''تو اگر تم لوگوں کو اللہ کی طرف سے کوئی فتح حاصل ہو جائے تو یہ کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟''

اگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے مسلمان فتح حاصل کر لیتے ہیں تو وہ آ جائیں گے باتیں بناتے ہوئے کہ ہم بھی تو آپ کے ساتھ تھے' مسلمان تھے' مالِ غنیمت میں سے ہمارا بھی حصہ نکالیے۔

﴿وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ﴾ ''اور اگر کوئی حصہ پہنچ جائے کافروں کو''

اگر کبھی وقتی طور پر کفار کو فتح حاصل ہو جائے' جنگ میں ان کا پلڑا بھاری ہو جائے۔

﴿قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ﴾ ''تو وہ کہیں گے (اپنے کافر ساتھیوں سے) کیا ہم نے تمہارا گھیراؤ نہیں کر لیا تھا؟ اور کیا ہم نے بچایا نہیں تم کو مسلمانوں سے؟''

یعنی ہم نے تو آپ کو مسلمانوں سے بچانے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا' ہم تو آپ کے لیے آڑ بنے ہوئے تھے۔ آپ سمجھتے تھے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جنگ کرنے آئے تھے؟ نہیں' ہم تو اس لیے آئے تھے کہ وقت آنے پر مسلمانوں کے حملوں سے آپ کو بچا سکیں۔

﴿فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ﴾ ''تو اللہ ہی فیصلہ کرے گا تمہارے مابین قیامت کے دن۔''

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝١٤١﴾ ''اور اللہ اہلِ ایمان کے مقابلے میں کافروں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔''

جیسا کہ اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سورۃ النساء کا بڑا حصہ منافقین سے خطاب پر مشتمل ہے' اگرچہ اُن سے براہِ راست خطاب میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا کے الفاظ کہیں استعمال نہیں ہوئے' بلکہ انہیں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے ہی مخاطب کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی ایمان کے دعوے دار تھے' ایمان کے مدعی تھے اور قانونی طور پر مسلمان تھے۔ یہ ایک طویل مضمون ہے جو آئندہ آیاتِ مبارکہ میں انجام پذیر (conclude) ہو رہا ہے۔

آیات ۱۴۲ تا ۱۵۲

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ
النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ڰ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ
وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي
الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا
بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا
عَظِيْمًا ۝ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝ لَا يُحِبُّ
اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْۗءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ
تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْۗءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ
اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا
مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰۗىِٕكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ
اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ع۲۱

الجزء السادس (٦)

آیت ۱۴۲ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ ”یقیناً منافق کوشش کر رہے ہیں اللہ کو دھوکہ دینے کی“

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں بھی آ چکا ہے۔ مُخادَعۃ بابِ مفاعلہ کا مصدر ہے۔ اس باب میں کسی کے مقابلے میں کوشش کے معنی شامل ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں دو فریقوں میں مقابلہ ہوتا ہے اور پتا نہیں ہوتا کہ کون جیتے گا اور کون ہارے گا۔ لہٰذا اس جملے کا صحیح ترجمہ یوں ہوگا کہ ”منافقین اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں“۔ اس کے جواب میں اللہ کی طرف سے فرمایا گیا:

﴿وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ﴾ ”حالانکہ وہ انہی کو دھوکہ میں ڈالنے والا ہے۔“

خَادِع ثلاثی مجرد سے اسمِ فاعل ہے اور یہ نہایت زوردار تاکید کے لیے آتا ہے۔ یہاں منافقین کے لیے دھوکہ والا پہلو یہ ہے کہ اللہ نے ان کو جو ڈھیل دی ہوئی ہے اس سے وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہو رہے ہیں' ہمارے اوپر ابھی تک کوئی آنچ نہیں آئی' ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوئی' کوئی گرفت نہیں ہوئی' ہم دونوں طرف سے بچے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے وہ اپنی اس ڈھیل کی وجہ سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اور درحقیقت یہی وہ دھوکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈال رکھا ہے۔

﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ﴾ ''اور جب وہ کھڑے ہوتے ہیں نماز کے لیے تو کھڑے ہوتے ہیں بڑی کسل مندی کے ساتھ''

یہ منافقین جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ طبیعت میں بشاشت اور آمادگی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا بھی ضروری ہے لہٰذا مجبوراً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قَامَ فعل ہے اور اس کے معنی ہیں کھڑے ہونا' جبکہ قَائِم اس سے اسم فاعل ہے۔ مختلف زبانوں میں عام طور پر verb کے بعد prepositions کی تبدیلی سے معنی اور مفہوم بدل جاتے ہیں۔ مثلاً انگریزی میں to give ایک خاص مصدر ہے۔ اگر to give up ہو تو معنی یکسر بدل جائیں گے۔ پھر اگر یہ to give in ہو تو بالکل ہی الٹی بات ہو جائے گی۔ اسی طرح عربی میں بھی حروفِ جار کے تبدیل ہونے سے معانی بدل جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر قَامَ عَلٰی ہو' جیسے آیت ﴿الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ میں ہے تو اس کے معنی ہوں گے حاکم ہونا' سربراہ ہونا' کسی کے حکم کا نافذ ہونا۔ لیکن اگر قَامَ اِلٰی ہو (جیسے آیت زیرِ نظر میں ہے) تو اس کا مطلب ہوگا کسی شے کے لیے کھڑے ہونا' کوئی کام کرنے کے لیے اٹھنا' کوئی کام کرنے کا ارادہ کرنا۔ اس سے پہلے ہم قَامَ بِ' کے ساتھ بھی پڑھ چکے ہیں' یعنی: قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ اور قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔ یہاں اس کے معنی ہیں کسی شے کو قائم کرنا۔ تو آپ نے ملاحظہ کیا کہ حروفِ جار (prepositions) کی تبدیلی سے کسی فعل کے اندر کس طرح اضافی معانی پیدا ہو جاتے ہیں۔

﴿يُرَآءُوْنَ النَّاسَ﴾ ''(وہ کھڑے ہوتے ہیں) محض لوگوں کو دکھانے کے لیے''

﴿وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝﴾ ''اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت کم۔''

یعنی ذکرِ الٰہی جو نماز کا اصل مقصد ہے ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝﴾ (طٰہٰ) وہ انہیں نصیب نہیں ہوتا۔ مگر ممکن ہے اس بے دھیانی میں کسی وقت کوئی آیت بجلی کے کڑکے کی طرح کڑک کر ان کے شعور میں کچھ نہ کچھ اثرات پیدا کر دے۔

آیت ۱۴۳ ﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ﴾ ''یہ اس کے مابین مذبذب (ہو کر رہ گئے) ہیں۔''

کفر اور ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول ہیں' کسی طرف بھی یکسو نہیں ہو رہے۔ اسی لیے قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ حَنِيف کا لفظ بار بار آتا ہے۔ دین کے بارے میں اللہ کی طرف سے ترغیب یہی ہے کہ یکسو ہو جاؤ۔ دنیا میں اگر انسان کفر پر بھی یکسو ہوگا تو کم از کم اس کی دنیا تو بن جائے گی' لیکن اگر دنیا اور آخرت دونوں بنانے ہیں تو پھر ایمان کے ساتھ یکسو ہونا ضروری ہے۔ لیکن جو لوگ بیچ میں رہیں گے' نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے' ان کے لیے تو ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ﴾ کے مصداق دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا اور نقصان ہوگا۔

﴿لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ﴾ ''نہ تو یہ اِن کی جانب ہیں اور نہ ہی اُن کی جانب ہیں۔''

نہ اہلِ ایمان کے ساتھ مخلص ہیں اور نہ ہی اہلِ کفر کے ساتھ۔ نہ اِن کے ساتھ یکسو ہیں اور نہ اُن کے ساتھ۔

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝۱۴۳﴾ ''اور جسے اللہ ہی نے گمراہ کر دیا ہو تو اس کے لیے تم کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔''

یعنی جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے مہرِ تصدیق ثبت ہو چکی ہو اُس کے راہِ راست پر آنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

آیت ۱۴۴ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ﴾ ''اے اہلِ ایمان' مت بناؤ کافروں کو اپنا دلی دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر۔''

یہ مضمون اس سے پہلے آیت ۱۳۹ میں بھی آ چکا ہے۔ یہ بھی نفاق کی ایک علامت ہے کہ اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کے ساتھ دوستیوں کی پینگیں بڑھائی جائیں' ان کو اپنا حمایتی' مددگار اور رازدار بنایا جائے۔

﴿اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝۱۴۴﴾ ''کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے خلاف اللہ کے ہاتھ میں ایک صریح حُجت دے دو؟''

اس طرح تم لوگ خود ہی اپنے خلاف ایک حجت فراہم کر رہے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہارا محاسبہ کرے گا' تب اس سوال کا تم کیا جواب دو گے کہ تمہاری دوستیاں کافروں کے ساتھ کیوں تھیں؟ اس طرح تمہارا یہ فعل تمہارے خلاف حجتِ قاطع بن جائے گا۔

اب جو آیت آ رہی ہے وہ ایک اعتبار سے منافقین کے حق میں قرآنِ حکیم کی سخت ترین آیت ہے۔ اگرچہ بعض دوسرے اعتبارات سے' بلکہ ایک خاص لطیف پہلو سے سورۃ التوبہ کی آیت ۸۰ اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ دراصل طویل سورتوں میں سے سورۃ النساء اور سورۃ التوبہ دو ایسی سورتیں ہیں جن میں نفاق کا مضمون بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

آیت ۱۴۵ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝۱۴۵﴾ ''یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے' اور تم نہ پاؤ گے ان کے لیے کوئی مددگار۔''

اگلی آیت میں ان لوگوں کے لیے ایک رعایت کا اعلان ہے۔ منافقت کا پردہ کلّی طور پر تو سورۃ التوبہ میں چاک ہوا ہے۔ یعنی اُن کے لیے آخری احکام سن ۹ ہجری میں آئے تھے' جبکہ ابھی اس سورت میں سن ۴ ہجری کے دور کی باتیں ہو رہی ہیں۔ تو ابھی ان کے لیے رعایت رکھی گئی ہے کہ توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ فرمایا:

آیت ۱۴۶ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ ''سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور اصلاح کر لیں اور اللہ سے چمٹ جائیں''

اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لیں' ایمان کے ساتھ یکسو ہو جائیں۔ ''كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ'' (آل عمران: ۷۹) کے مصداق اللہ والے بن جائیں۔ شیطان سے محبت کی پینگیں نہ بڑھائیں' شیطان کے ایجنٹوں سے دوستیاں نہ کریں' اور اپنے آپ کو دین اسلام کے ساتھ وابستہ کر لیں کہ ہر چہ بادا باد' اب تو ہم اسلام کی کشتی پر سوار ہو گئے

ہیں' اگر یہ کشتی تیرتی ہے تو ہم تیریں گے' اور اگر خدانخواستہ اس کے مقدر میں کوئی حادثہ ہے تو ہم بھی اس حادثے میں شامل ہوں گے۔

﴿وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ﴾ ''اور اپنی اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کر لیں''

یہ نہ ہو کہ زندگی کے کچھ حصے میں تو اطاعت اللہ کی ہو رہی ہے' جبکہ کسی دوسرے حصے میں کسی اور کی اطاعت کی جا رہی ہے کہ کیا کریں جی! یہ معاملہ تو رواج کا ہے' اب برادری کو چھوڑ تو نہیں سکتے نا! گویا اطاعت کے علیحدہ علیحدہ حصے کر لیے ہیں اور پھر ان میں انتخاب کیا جاتا ہے کہ یہ حصہ برادری کی اطاعت کا ہے اور یہ حصہ اللہ کی اطاعت کا۔ بہر حال اطاعت جب تک کُل کی کُل اللہ کے لیے نہ ہو' اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۹۳) میں ہم نے پڑھا تھا: ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ﴾ ''اور لڑو ان سے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے''۔ یہاں پر دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعی سطح پر دین اللہ کے لیے ہو جائے' یعنی اسلامی ریاست قائم ہو جائے' پورا اسلامی نظام قائم ہو جائے' شریعتِ اسلامی کا نفاذ عمل میں آ جائے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو کم از کم ہر مسلمان انفرادی سطح پر تو اپنی اطاعت اللہ کے لیے خالص کر لے۔ یہ گویا انفرادی توحیدِ عملی ہے۔

﴿فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ١٤٦﴾ ''تو پھر یہ لوگ اہل ایمان میں شامل ہو جائیں گے' اور اللہ اہل ایمان کو عنقریب بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔''

یعنی ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے' سچی توبہ کرنے کے بعد ان کو معافی مل سکتی ہے۔ ابھی ان کے لیے point of no return نہیں آیا ہے۔

آیت ۱۴۷ ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ﴾ ''(اے منافقو ذرا سوچو!) اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟''

اللہ تعالیٰ معاذ اللہ کوئی ایذا پسند (sadist) ہستی نہیں ہے کہ اُسے لوگوں کو دکھ پہنچا کر خوشی ہوتی ہے۔ اس طرح کے رویے تو perverted قسم کے انسانوں کے ہوتے ہیں' جن کی شخصیتیں مسخ ہو چکی ہوتی ہیں' جو دوسروں کو تکلیف میں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں' دوسروں کو تکلیف اور کوفت پہنچا کر انہیں راحت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تو ایسا نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تمہیں عذاب دے کر تم سے کیا لے گا؟

﴿اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ﴾ ''اگر تم شکر اور ایمان کی روش اختیار کرو۔''

﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِـيْمًا ١٤٧﴾ ''اور اللہ بہت ہی قدر دانی فرمانے والا اور ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔''

جو بندہ اُس کے لیے کام کرے' محنت کرے' اللہ تعالیٰ اس کی قدر فرماتا ہے۔ اور جو کوئی جو کچھ بھی کرتا ہے سب اُس کے علم میں ہوتا ہے۔ انسان کا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو اللہ کے ہاں unaccounted رہ جائے' اور اسے اس کا اجر نہ مل سکے۔

اب اس سورۃ کے آخری حصے میں فلسفۂ دین کے بہت اہم بنیادی نکات کی کچھ تفصیل آئے گی۔ اس ضمن میں پہلی بات تو تمدنی اور معاشرتی معاملات ہی سے متعلق ہے۔ معاشرے کے اندر کسی بری بات کا چرچا کرنا بالفعل کوئی اچھی بات نہیں ہے' لیکن اس میں ایک استثناء رکھا گیا ہے' اور وہ ہے مظلوم کا معاملہ۔ اگر مظلوم کی زبان سے ظلم کے ردِّعمل کے طور پر کچھ نازیبا کلمات' جلے کٹے الفاظ بھی نکل جائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا۔

آیت ۱۴۸ ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ﴾ ''اللہ کو بالکل پسند نہیں ہے کہ کسی بری بات کو بلند آواز سے کہا جائے' سوائے اُس کے جس پر ظلم ہوا ہے۔''

جس کا دل دکھا ہے' جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے' نہ صرف یہ کہ اس کے جواب میں اس کی زبان سے نکلنے والے کلمات پر گرفت نہیں' بلکہ مظلوم کی دعا کو بھی قبولیت کی سند عطا ہوتی ہے۔ کسی فارسی شاعر نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے: ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

کہ مظلوم کی آہوں سے ڈرو کہ اس کی زبان سے نکلنے والی فریاد ایسی دعا بن جاتی ہے جس کی قبولیت خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا استقبال کرنے کے لیے عرش سے آتی ہے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾﴾ ''اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

اسے سب معلوم ہے کہ جس کے دل سے یہ آواز نکلی ہے وہ کتنا دکھی ہے۔ اس کے احساسات کتنے مجروح ہوئے ہیں۔

آیت ۱۴۹ ﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ ''اگر تم بھلائی کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ''

جہاں تک تو خیر کا معاملہ ہے تم اسے بلند آواز سے کہو' ظاہر کرو یا چھپاؤ' برابر کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے خیر تو ہر حال میں خیر ہی ہے' عیاں ہو یا خفیہ۔

﴿اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾﴾ ''یا تم برائی کو معاف کر دیا کرو تو یقیناً اللہ بھی معاف فرمانے والا' قدرت رکھنے والا ہے۔''

اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو معاف کر دینا یقیناً نیکی کا ایک اونچا درجہ ہے۔ اس لیے یہاں ترغیب کے انداز میں مظلوم سے بھی کہا جا رہا ہے کہ اگرچہ تمہیں چھوٹ ہے' تمہاری بدگوئی کی بھی تم پر کوئی گرفت نہیں' لیکن زیادتی کی تلافی کا اس سے اعلیٰ اور بلند تر درجہ بھی ہے' تم اس بلند درجے کو حاصل کیوں نہیں کرتے؟ وہ یہ کہ تم اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو معاف کر دو۔ اس کے ساتھ اللہ کی قدرت کا ذکر بھی ہوا ہے کہ انسان تو بسا اوقات بدلہ لینے کی طاقت نہ ہونے کے باعث معاف کرنے پر مجبور بھی ہو جاتا ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے' وہ تو جب چاہے' جیسے چاہے (there & then) خطا کار کو فوراً سزا دے کر حساب چکا سکتا ہے۔ لیکن اتنی قدرت کے باوجود بھی وہ معاف فرما دیتا ہے۔

اب آئندہ آیت میں پھر وحدت الادیان جیسے اہم مضمون کا تذکرہ ہونے جا رہا ہے اور اس سلسلے میں یہاں تمام غلط نظریات کی جڑ کاٹی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے بھی یہ بات زیر بحث آ چکی ہے کہ فلسفۂ وحدتِ ادیان کا ایک حصہ صحیح ہے۔ وہ یہ کہ اصل (origin) سب ادیان کی ایک ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ مختلف ادیان کی موجودہ شکلوں میں بھی یک رنگی اور ہم آہنگی ہے تو اس سے بڑی حماقت' جہالت' ضلالت اور گمراہی کوئی نہیں۔

یہاں پر اب کانٹے کی بات بتائی جا رہی ہے کہ دین میں جس چیز کی وجہ سے بنیادی خرابی پیدا ہوتی ہے وہ اصل میں کیا ہے۔ وہ غلطی یا خرابی ہے اللہ اور رسولوں میں تفریق! ایک تفریق تو وہ ہے جو رسولوں کے درمیان کی جاتی ہے' اور دوسری تفریق اللہ اور رسول ﷺ کو علیحدہ علیحدہ کر دینے کی شکل میں سامنے آتی ہے' اور یہ سب سے بڑی جہالت ہے۔ فتنۂ انکارِ حدیث اور انکارِ سنت اسی جہالت و گمراہی کا شاخسانہ ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہلِ قرآن سمجھتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ رسول ﷺ کا کام قرآن پہنچا دینا تھا' سو آپؐ نے پہنچا دیا' اب اصل معاملہ ہمارے اور اللہ کے درمیان ہے۔ اللہ کی کتاب عربی زبان میں ہے' ہم اس کو خود سمجھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے میں مسلمانوں کو جو اس کی تشریح سمجھائی تھی اور اُس زمانے کے لوگوں نے اسے قبول کیا تھا' وہ اُس زمانے کے لیے تھی۔ گویا رسول اللہ ﷺ کی تشریح کوئی دائمی چیز نہیں' دائمی شے صرف قرآن ہے۔ اس طرح انہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کو جدا کر دیا۔ یہاں اسی گمراہی کا ذکر آ رہا ہے۔

آیت ۱۵۰ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کا اور وہ چاہتے ہیں کہ تفریق کر دیں اللہ اور اس کے رسولوں کے مابین''

مغل بادشاہ اکبر کے ''دینِ الٰہی'' کا بنیادی فلسفہ بھی یہی تھا کہ بس دین تو اللہ ہی کا ہے' رسول ﷺ کی نسبت ضروری نہیں' کیونکہ جب دین کی نسبت رسول ﷺ کے ساتھ ہو جاتی ہے تو پھر دین رسول کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے کہ یہ دینِ موسیٰؑ ہے' یہ دینِ عیسیٰؑ ہے' یہ دینِ محمد ﷺ ہے۔ اگر رسولوں کا یہ تفرقی عنصر (differentiating factor) درمیان سے نکال دیا جائے تو مذاہب کے اختلافات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اللہ تو سب کا مشترک (common) ہے' چنانچہ جو دین اللہ کے ساتھ منسوب ہوگا صرف وہی دینِ الٰہی ہوگا۔

﴿وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ کو مانیں گے اور کچھ کو نہیں مانیں گے''

یعنی اللہ کو مانیں گے' رسولوں کا ماننا ضروری نہیں ہے۔ اللہ کی کتاب کو مانیں گے' رسول ﷺ کی سنت کا ماننا کوئی ضروری نہیں ہے' وغیرہ وغیرہ۔

﴿وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾﴾ ''اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے بین بین ایک راستہ نکال لیں۔''

اللہ کو ایک طرف کر دیں اور رسول (ﷺ) کو ایک طرف۔

آیت ۱۵۱ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝١٥١﴾ ''یہی لوگ حقیقت میں پکے کافر ہیں' اور ہم نے ان کافروں کے لیے بڑا اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

آیت ۱۵۲ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ ''اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں پر اور انہوں نے ان میں سے کسی کے مابین کوئی تفریق نہیں کی''

نہ اللہ کو رسول سے جدا کیا اور نہ رسول کو رسول سے جدا کیا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم سب کو مانتے ہیں: ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ (البقرۃ: ۲۸۵) ''ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے''۔ ہم اُن رسولوں کو بھی مانتے ہیں جن کے نام قرآن مجید میں آ گئے ہیں' اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کے علاوہ بھی اللہ کی طرف سے بے شمار نبی اور رسول علیہم السلام آئے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١٥٢﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اللہ ان کے اجر عطا فرمائے گا' اور اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔''

آیات ۱۵۳ تا ۱۶۲

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ
فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ
بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ
مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ
وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَّبِكُفْرِهِمْ
وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ
اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ
مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ
عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ
بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ ع

آیت ۱۵۳ ﴿يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) اہل کتاب آپ سے یہ مطالبہ کررہے ہیں کہ آپ ان پر ایک کتاب آسمان سے اتار لائیں''

یعنی جیسے تورات اُتری تھی' ویسے ہی تحریری شکل میں ایک کتاب آسمان سے اترنی چاہیے۔ آپؐ تو کہتے ہیں مجھ پر وحی آتی ہے' لیکن کہاں لکھی ہوئی ہے وہ وحی؟ کون لایا ہے؟ ہمیں تو پتا نہیں۔ موسیٰؑ کو تو اُن کی کتاب لکھی ہوئی ملی تھی اور وہ پتھر کی تختیوں کی صورت میں اسے لے کر آئے تھے۔ آپؐ پر بھی اسی طرح کی کتاب نازل ہو تو ہم مانیں۔

﴿فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ﴾ ''(یہ تعجب کی بات نہیں) انہوں نے موسیٰؑ سے اس سے بھی بڑھ کر مطالبے کیے تھے''

اے نبی ﷺ آپ فکر نہ کریں' ان کی پروانہ کریں۔ انہوں نے اور ان کے آباء واَجداد نے حضرت موسیٰؑ سے اس سے بھی بڑے بڑے مطالبات کیے تھے۔

﴿فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ ''انہوں نے تو (اُن سے یہ بھی) کہا تھا کہ ہمیں دکھاؤ اللہ کو علانیہ''

کہ ہم خود اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھنا چاہتے ہیں' جب دیکھیں گے تب مانیں گے۔

﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ﴾ ''تو ان کو آ پکڑا تھا کڑک نے ان کے اس گناہ کی پاداش میں۔''

﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ ''پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا اس کے بعد کہ اُن کے پاس بہت واضح نشانیاں آچکی تھیں''

ان لوگوں کی ناہنجاری کا اندازہ کریں کہ نو نو معجزے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں دیکھنے کے بعد بھی انہوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کردی۔

﴿فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٥٣﴾﴾ ''تو ہم نے ان تمام چیزوں سے بھی درگزر کیا' اور ہم نے موسیٰ کو عطا کیا بڑا واضح غلبہ۔''

فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کردیا۔

آیت ۱۵۴ ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ ''اور ہم نے ان کے سروں پر معلق کردیا تھا طور پہاڑ کو جب کہ ان سے عہد لیا جارہا تھا اور ہم نے اُن سے کہا کہ دروازے میں داخل ہوں جھک کر''

یعنی جب اریحا (Jericho) شہر تمہارے ہاتھوں فتح ہو جائے اور اس میں داخل ہونے کا مرحلہ آئے تو

اپنے سروں کو جھکا کر عاجزی کے ساتھ داخل ہونا۔

﴿وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِی السَّبْتِ﴾ ''اور ہم نے ان سے (یہ بھی) کہا تھا کہ سبت (ہفتے کے دن کے قانون) میں حد سے تجاوز نہ کرنا''۔

﴿وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۱۵۴﴾﴾ ''اور ہم نے ان سے (ان تمام باتوں کے بارے میں) بڑے گاڑھے قول وقرار لیے تھے۔''

آیت ۱۵۵ ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ﴾ ''تو انہوں نے جو اپنے اس میثاق کو توڑ ڈالا اس کے سبب''

اب ان کے جرائم کی فہرست آ رہی ہے' اور یوں سمجھئے کہ مبتدأ ہی کی تکرار ہو رہی ہے اور اس میں جو اصل خبر ہے وہ گویا محذوف ہے۔ گویا یہ جملہ یوں ہوگا: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ کہ انہوں نے جو اپنے میثاق کو توڑا اور توڑتے رہے' ہمارے ساتھ انہوں نے جو بھی وعدے کیے تھے' جب ان کا پاس انہوں نے نہ کیا تو ہم نے ان پر لعنت کر دی۔ لیکن یہ ''لَعَنّٰهُمْ'' اتنی واضح بات تھی کہ اس کو کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی' بلکہ ان کے جرائم کی فہرست بیان کر دی گئی۔

﴿وَكُفْرِهِمْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ﴾ ''اور اُن کے اللہ کی آیات کے انکار اور انبیاء کو ناحق قتل کرنے (کے سبب سے)''

﴿وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۵۵﴾﴾ ''اور ان کے اس طرح کہنے (کی پاداش) میں کہ ہمارے دِل تو غلافوں میں بند ہیں۔ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے ان (کے دلوں) پر مہر کر دی ہے ان کے کفر کے باعث' پس اب وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت ہی شاذ۔''

آیت ۱۵۶ ﴿وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰی مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًا ﴿۱۵۶﴾﴾ ''اور بسبب ان کے کفر کے اور اُن باتوں کے جو انہوں نے مریم کے خلاف کیں ایک بہت بڑے بہتان کے طور پر۔''

حضرت مریم سلام علیہا پر یہودیوں نے بہتان لگایا کہ انہوں نے (معاذ اللہ) زنا کیا ہے اور مسیحؑ دراصل یوسف نجار کا بیٹا ہے۔ ان کی روایات کے مطابق یوسف نجار کے ساتھ حضرت مریم کی نسبت ہو چکی تھی' لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ ان کے مابین تعلق قائم ہو گیا' جس کے نتیجے میں یہ بیٹا پیدا ہو گیا۔ اس طرح انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو ولدُ الزّنا قرار دیا۔ یہ ہے وہ اتنی بڑی بات جو یہودی کہتے ہیں اور آج بھی اس گمراہ کن نظریے پر مبنی ''Son of Man'' جیسی فلمیں بنا کر امریکہ میں چلاتے ہیں' جن میں عیسائیوں کو بتایا جاتا ہے کہ جس مسیح کو تم لوگ Son of God کہتے ہو وہ حقیقت میں son of man ہے۔

آیت ۱۵۷ ﴿وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ﴾ ''اور بسبب ان کے یہ کہنے کے کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم کو' اللہ کے رسول کو!''

یعنی اللہ کے رسول کو قتل کر دیا! یہاں یہ ''رَسُوْلَ اللّٰہِ'' کے الفاظ اُن کے نہیں ہیں' بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں استعجابیہ نشان (sign of exclamation) کے ساتھ' کہ اچھا ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول کو قتل کیا ہے! جبکہ رسول تو قتل ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ کا تو فیصلہ ہے' ایک طے شدہ امر ہے' اللہ کی طرف سے لکھا ہوا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے: ﴿کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ط﴾ (المجادلۃ: ٢١) تو ان کی یہ جرأت کہ وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول کو قتل کیا ہے!

﴿وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ ط﴾ ''حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ ہی اسے سولی دی' بلکہ اس کی شبیہہ بنا دی گئی ان کے لیے۔''

معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا اور ایک شخص کی حضرت مسیحؑ جیسی صورت بنا دی گئی' ان کے ساتھ مشابہت کر دی گئی۔ چنانچہ انہوں نے جس کو مسیح سمجھ کر سولی پر چڑھایا' وہ مسیحؑ نہیں تھا' ان کی جگہ کوئی اور تھا۔ انجیل برنباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا نام ''یہودا اسخریوطی'' (Judas Iscariot) تھا اور وہ آپؑ کے حواریوں میں سے تھا۔ ویسے اُس کی نیت کچھ اور تھی' اُس میں بدنیتی بہرحال نہیں تھی (تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے) لیکن چونکہ اُس نے آپؑ کو گرفتار کرایا تھا' چنانچہ اس گستاخی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کی شکل حضرت مسیح علیہ السلام جیسی بنا دی۔ اس وجہ سے حضرت مسیحؑ کی جگہ وہ پکڑا گیا اور اسے سولی چڑھا دیا گیا۔

﴿وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ ط﴾ ''اور جو لوگ اس کے بارے میں اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں وہ یقیناً شکوک و شبہات میں ہیں۔''

انہیں خود پتا نہیں کہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟

﴿مَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا ﴿١٥٧﴾﴾ ''اُن کے پاس اس ضمن میں کوئی علم نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ گمان کی پیروی کر رہے ہیں' اور یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا۔''

حضرت مسیح علیہ السلام ہرگز قتل نہیں ہوئے اور نہ ہی آپؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا۔

آیت ١٥٨ ﴿بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ ط وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ﴿١٥٨﴾﴾ ''بلکہ اللہ نے اُسے اٹھا لیا اپنی طرف' اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے کمال حکمت والا۔''

اس واقعہ کی تفصیل انجیل برنباس میں موجود ہے۔

آیت ١٥٩ ﴿وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ ج﴾ ''اور نہیں ہو گا اہل کتاب میں سے کوئی بھی مگر اُس پر ایمان لا کر رہے گا اس کی موت سے قبل۔''

یعنی حضرت مسیح علیہ السلام فوت نہیں ہوئے' زندہ ہیں' انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ آپؑ دوبارہ زمین پر آئیں گے' اور جب آئیں گے تو اہل کتاب میں سے کوئی شخص نہیں رہے گا کہ جو ان پر ایمان نہ لے آئے۔

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾﴾ ''اور قیامت کے دن وہی ان کے خلاف گواہ (بن کر کھڑا) ہوگا۔''

یہ اسی گواہی کا ذکر ہے جس کی تفصیل ہم آیت ۴۱ میں پڑھ آئے ہیں: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ○﴾ کہ ہر نبی کو اپنی اُمت کے خلاف گواہی دینی ہے۔ لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام اپنی اُمت کے خلاف گواہی دیں گے۔

آیت ۱۶۰ ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ ''تو بسبب اُن یہودی بن جانے والوں کی ظالمانہ روش کے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں بھی حرام کر دیں جو اصلاً ان کے لیے حلال تھیں''

اللہ تعالیٰ کی ایک سنت یہ بھی ہے کہ کوئی قوم اگر کسی معاملے میں حد سے گزرتی ہے تو سزا کے طور پر اسے حلال چیزوں سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہاں پر یہی اصول بیان ہو رہا ہے۔ مثلاً اگر حضرت یعقوبؑ نے ذاتی وجوہات کی بنا پر اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا اور بنی اسرائیل نے اسے اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تو اللہ تعالیٰ نے تورات میں اس کی صراحت نہیں کی کہ یہ حرام نہیں ہے' بلکہ اللہ نے کہا کہ ٹھیک ہے' ان کی یہی سزا ہے کہ ان پر تنگی رہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے کرتوتوں کی سزا کے طور پر حلال چیزیں بھی اُن پر حرام کر دیں۔

﴿وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾﴾ ''اور بسبب اس کے کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے (خود رُکتے ہیں اور دوسروں کو بھی) روکتے ہیں۔''

یہ لوگ اللہ کے راستے سے خود بھی رکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی روکتے ہیں۔ تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور ان پر بعض حلال چیزیں بھی حرام کر دیں۔

آیت ۱۶۱ ﴿وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ﴾ ''اور بسبب ان کے سود کھانے کے جبکہ اس سے انہیں منع کیا گیا تھا''

شریعتِ موسوی میں سود حرام تھا' آج بھی حرام ہے' لیکن انہوں نے اس حکم کا اپنا ایک من پسند مفہوم نکال لیا' جس کے مطابق یہودیوں کا آپس میں سود کا لین دین تو حرام ہے' کوئی یہودی دوسرے یہودی سے سودی لین دین نہیں کر سکتا' لیکن غیر یہودی سے سود لینا جائز ہے' کیونکہ غیر یہودی ان کے نزدیک Gentiles اور Goyims ہیں' یعنی انسان نما حیوان ہیں' جن سے فائدہ اٹھانا اور ان کا استحصال کرنا ان کا حق ہے۔ ہم سورۂ آل عمران (آیت ۷۵) میں یہود کا یہ قول پڑھ چکے ہیں: ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ﴾ کہ ان اُمّیین کے بارے میں ہم پر کوئی گرفت ہے ہی نہیں۔ ہم جیسے چاہیں ان سے لوٹ مار کریں' جس طرح چاہیں انہیں دھوکہ دیں' ہم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ لہٰذا سود کھانے میں اُن کے ہاں عمومی طور پر کوئی قباحت نہیں ہے۔

﴿وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ﴾ ''اور بسبب ان کے لوگوں کے مال ناحق ہڑپ

کرنے کے۔“

﴿وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾﴾ ”اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لیے ہم نے بہت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

آیت ۱۶۲ ﴿لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ”البتہ جو لوگ ان میں سے پختہ علم والے ہیں اور اہل ایمان ہیں“

یعنی یہود میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے اہل علم اور راست باز لوگ جنہوں نے تورات کے علم کی بنا پر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور وہ آپؐ پر ایمان لائے۔

﴿يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ”وہ ایمان رکھتے ہیں اُس پر جو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ پر نازل کیا گیا اور اُس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا“

﴿وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ”اور وہ نماز قائم کرنے والے ہیں‘ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں‘ اور ایمان رکھنے والے ہیں اللہ پر بھی اور یومِ آخرت پر بھی“

﴿اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم ضرور اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔“

ان آیات میں ابھی بھی تھوڑی سی گنجائش رکھی جا رہی ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی ایسا عنصر اگر اب بھی موجود ہو جو حق کی طرف مائل ہو‘ اب بھی اگر کوئی سلیم الفطرت فرد کہیں کونے کھدرے میں پڑا ہو تو وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا لے۔ اور اگر اس کان میں ہیرے کا کوئی ٹکڑا کہیں ابھی تک پڑا رہ گیا ہو تو وہ بھی نکل آئے‘ اس سے پہلے کہ آخری دروازہ بھی بند کر دیا جائے۔ چنانچہ ابھی آخری دروازہ نہ تو منافقین پر بند کیا گیا ہے اور نہ ہی ان اہل کتاب پر‘ بلکہ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ فرما کر ایک دفعہ پھر صلائے عام دے دی گئی ہے کہ اہل کتاب میں سے اب بھی اگر کچھ لوگ مائل بہ حق ہیں تو وہ متوجہ ہو جائیں۔

آیات ۱۶۳ تا ۱۶۹

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ

اِلَيۡكَ اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ ۚ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ يَشۡهَدُوۡنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ۞ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ۞ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَظَلَمُوۡا لَمۡ يَكُنِ
اللّٰهُ لِيَـغۡفِرَ لَهُمۡ وَلَا لِيَـهۡدِيَهُمۡ طَرِيۡقًا ۞ اِلَّا طَرِيۡقَ جَهَـنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ وَكَانَ
ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ۞

اس رکوع کے شروع میں انبیاء و رسل علیہم السلام کے ناموں کا ایک خوبصورت گلدستہ نظر آتا ہے۔ قرآن پاک میں متعدد ایسے مقامات ہیں جہاں ایسے گلدستے خوبصورتی سے سجائے گئے ہیں۔ یہاں آپ کو پے بہ پے انبیاء و رسل علیہم السلام کے نام ملیں گے اور پھر اُن میں سے بعض کی اضافی شانوں کا ذکر بھی ملے گا۔ اس کے بعد فلسفۂ قرآن کے اعتبار سے ایک بہت اہم آیت بھی آئے گی، جس میں نبوت کا بنیادی مقصد اور اساسی فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۱۶۳ ﴿اِنَّاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ كَمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ۚ﴾ ”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) ہم نے آپ کی جانب بھی وحی کی ہے جیسے ہم نے نوحؑ اور ان کے بعد بہت سے انبیاء پر وحی کی تھی۔“

﴿وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ﴾ ”اور ہم نے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اُن کی اولاد کی طرف بھی وحی کی“

﴿وَعِيۡسٰى وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَيۡمٰنَ ۚ وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ۞﴾ ”اور عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف (بھی وحی کی)۔ اور داؤدؑ کو تو ہم نے زبور (جیسی کتاب) عطا فرمائی۔“

آیت ۱۶۴ ﴿وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ ؕ﴾ ”اور (بھیجے) وہ رسول جن کا ہم اس سے پہلے آپؐ کے سامنے تذکرہ کر چکے ہیں اور ایسے رسول (بھی) جن کے حالات ہم نے آپؐ کے سامنے بیان نہیں کیے۔“

ظاہر ہے پوری دنیا کی تاریخ بیان کرنا تو قرآن مجید کا مقصد نہیں ہے کہ تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام کی مکمل فہرست دے دی جاتی۔ یہ تو کتابِ ہدایت ہے، تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا ۞﴾ ”اور موسیٰؑ سے تو کلام کیا اللہ نے جیسے کہ کلام کیا جاتا ہے۔“

یہ خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امتیازی شان کا ذکر ہے۔ لیکن واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کا یہ مکالمہ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ تھا، یعنی پردے کے پیچھے سے، البتہ تھا دُو بدو کلام۔ اب اس کے بعد وہ آیت آرہی ہے جس میں نبوت کا اساسی مقصد بیان ہوا ہے کہ یہ تمام رسولؑ کس لیے بھیجے گئے تھے۔

آیت ۱۶۵ ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ﴾ ”یہ رسولؑ (بھیجے گئے) بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر“

﴿لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ﴾ ”تا کہ نہ رہ جائے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت (دلیل) رسولوں کے آنے کے بعد۔“

یہاں پر ایک طرف لِلنَّاسِ کا 'ل' نوٹ کیجیے اور دوسری طرف عَلَی اللّٰہِ کا عَلٰی۔ یہ دونوں حروف متضاد معانی پیدا کر رہے ہیں۔ لِلنَّاسِ کے معنی ہیں لوگوں کے حق میں حجت' جبکہ عَلَی اللّٰہِ کے معنی ہیں اللہ کے خلاف حجت۔

﴿وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ۱۶۵﴾ ''اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

اس آیت کے حوالے سے یہاں احتسابِ آخرت کے فلسفے کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ قیامت کے دن ہر کسی کا امتحان ہوگا اور اس امتحان سے نتائج نکلیں گے' کوئی پاس ہوگا اور کوئی فیل۔ لیکن ظاہر ہے امتحان سے پہلے کچھ پڑھایا جانا بھی ضروری ہے' کسی کو جانچنے سے پہلے اُسے کچھ دیا بھی جاتا ہے۔ چنانچہ ہمیں دیکھنا ہے کہ قیامت کے امتحان کے لیے ہمیں کیا پڑھایا گیا ہے؟ اور اس آخری جانچ پڑتال سے پہلے ہمیں کیا کچھ دیا گیا ہے؟ قرآن مجید کے بنیادی فلسفہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمع' بصر اور عقل تین بڑی چیزیں دی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر روح بھی ودیعت کی ہے اور نفسِ انسانی میں خیر اور شر کا علم بھی رکھا ہے۔ ان باتوں کی بنا پر انسان وحیٔ الٰہی کی راہنمائی کے بغیر بھی اللہ کے حضور جواب دہ (accountable) ہے کہ جب اس کی فطرت میں نیکی اور بدی کی تمیز رکھ دی گئی تھی تو وہ بدی کی طرف کیوں گیا؟ تو گویا اگر کوئی نبی یا رسول نہ بھی آتا' کوئی کتاب نازل نہ بھی ہوتی' تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت کا محاسبہ ناحق نہیں تھا۔ اس لیے کہ وہ بنیادی چیزیں جو امتحان اور احتساب کے لیے ضروری تھیں وہ اللہ تعالیٰ انسان کو دے چکا تھا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ وہ اس کے علاوہ بھی انسانوں پر اتمامِ حجت کرتا ہے۔ اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ حجت کیا ہے؟ بنیادی حجت تو عقل ہے جو اللہ نے ہمیں دے رکھی ہے: ﴿اِنَّ السَّمۡعَ وَ الۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡـُٔوۡلًا ۳۶﴾ (بنی اسرائیل) ''یقیناً سماعت' بصارت اور عقل سبھی کے بارے میں باز پرس کی جائے گی''۔ اس کے علاوہ انسانی نفس کے اندر نیکی اور بدی کی تمیز بھی ودیعت کر دی گئی ہے: ﴿وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰىہَا ۪ۙ۷ فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَ تَقۡوٰىہَا ۪ۙ۸﴾ (الشمس) ''اور قسم ہے نفسِ انسانی کی اور جیسا کہ اس کو سنوارا۔ پس اس کے اندر نیکی اور بدی کا علم الہام کر دیا''۔ پھر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح بھی پھونکی گئی ہے۔ ان تمام صلاحیتوں اور اہلیتوں کی بنا پر جوابدہی (accountability) کا جواز برحق ہے۔ کوئی نبی آتا یا نہ آتا' اللہ کی یہ حجت تمام انسانوں پر بہرحال قائم ہے۔

اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے اتمامِ حجت کرنے کے لیے اپنے نبی اور رسول بھیجے۔ یہ گویا اتمامِ حجت کا اضافی انتظام تھا کہ اللہ نے انسانوں میں سے ہی کچھ لوگوں کو چُنا' جو بڑے ہی اعلیٰ کردار کے لوگ تھے۔ ان کے دامنِ کردار پر کوئی داغ دھبہ نہیں تھا' ان کی سیرت واخلاق کھلی کتاب کی مانند ان کی قوموں کے سامنے تھی۔ ان کے پاس اللہ نے اپنی وحی بھیجی اور واضح طور پر بتا دیا کہ انسان کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ اس طرح اُس نے انسانوں کے لیے اس امتحان کو آسان کر دیا' تاکہ اب کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے' کوئی یہ دلیل پیش نہ کر سکے کہ مجھے تو علم ہی نہیں تھا۔ پروردگار! میں تو بے دین ماحول میں پیدا ہو گیا تھا' وہاں سب کے سب اسی

رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ پروردگار! میں تو اپنی دو وقت کی روٹی کے دھندے میں ہی ایسا مصروف رہا کہ مجھے کبھی ہوش ہی نہیں آیا کہ دین و ایمان اور اللہ و آخرت کے بارے میں سوچتا۔ بہرحال رسولوں کے آنے کے بعد حق کھل کر سامنے آ جاتا ہے' حق و باطل کے درمیان امتیاز بالکل واضح طور پر قائم ہو جاتا ہے اور لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے محاسبہ کے مقابلے میں پیش کرنے کے لیے کوئی حجت باقی نہیں رہتی۔ تو یہ ہے اتمام حجت کا فلسفہ اور طریقہ اللہ کی طرف سے۔ رسولؑ اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں؟ وہ کسی کو زبردستی تو ہدایت پر نہیں لا سکتے۔ ہاں جن لوگوں کے اندر احساس جاگ جائے گا وہ رسولؑ کی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں گے' ان سے فائدہ اٹھائیں گے اور سیدھے راستے پر چلیں گے۔ ان کے لیے اللہ کے رسول ''مبشّر'' ہوں گے' یعنی اللہ کے فضل اور جنت کی نعمتوں کی بشارت دینے والے: ﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴾ (الواقعہ) کہ ان کے لیے آخرت میں راحت و سرور اور نعمتوں والی جنت ہو گی۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی غلط راستوں پر چلتے رہیں گے' تعصب میں' ضد اور ہٹ دھرمی میں' مفادات کے لالچ میں' اپنی چودھراہٹیں قائم رکھنے کے لالچ میں' ان کے لیے رسولؑ ''نذیر'' ہوں گے۔ یعنی اُن کو وہ خبردار کریں گے کہ اب تمہارے لیے بدترین انجام کے طور پر جہنم تیار ہے۔ تو رسولوںؑ کی بعثت کا بنیادی مقصد یہی ہے' یعنی تبشیر اور انذار۔

تبشیر و انذار کے اس فلسفے کو سمجھ لینے کے بعد اب دوبارہ آیت کے الفاظ کو سامنے رکھیے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ ''رسول بھیجے گئے بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر'' —— یہ تبشیر اور انذار کس لیے؟ ﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ﴾ ''تاکہ باقی نہ رہ جائے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت' کوئی عذر' کوئی بہانہ' رسولوں کے آنے کے بعد''۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴾ ''اور اللہ زبردست ہے' حکیم ہے''۔ وہ عزیز ہے' غالب ہے' زبردست ہے' وہ بغیر رسولوں کے بھی محاسبہ کر سکتا ہے' اس کا اختیار مطلق ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ حکیم بھی ہے' اُس نے محاسبۂ اُخروی کے لیے یہ مبنی برحکمت نظام بنایا ہے۔

اس ضمن میں ایک بات اور نوٹ کر لیجیے کہ رسالت کا ایک تکمیلی مقصد بھی ہے جو حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر کامل ہوا' اور وہ ہے روئے ارضی پر اللہ کے دین کو غالب کرنا۔ آپؐ نے دعوت کا آغاز اسی تبشیر اور انذار ہی سے فرمایا' جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾﴾ ''اے نبی (ﷺ)! یقیناً ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر اور بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا۔ اور اللہ کی طرف بلانے والا اُس کے حکم سے اور ایک روشن چراغ بنا کر''۔ بحیثیتِ رسولؐ یہ آپؐ کی رسالت کے بنیادی مقصد کا اظہار ہے' لیکن اس سے بلند تر درجے میں آپؐ کی رسالت کی تکمیلی حیثیت کا اظہار سورۃ التوبہ آیت ۳۳' سورۃ الفتح آیت ۲۸ اور سورۃ الصف آیت ۹ میں بایں الفاظ ہوا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ ''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دینِ حق دے کر تاکہ وہ اسے غالب کر دے پورے دین پر''۔ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام میں یہ آپؐ کی امتیازی شان ہے۔ میری کتاب ''نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت'' میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

آیت ۱۶۶ ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۱۶۶﴾ ''لیکن اللہ گواہ ہے کہ جو کچھ اُس نے نازل کیا ہے (اے نبی ﷺ) آپ کی طرف وہ اُس نے نازل کیا ہے اپنے علم سے' اور فرشتے بھی اس پر گواہ ہیں' اگرچہ اللہ (اکیلا ہی) گواہ ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔''

آیت ۱۶۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۶۷﴾ ''بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا (خود کو بھی اور دوسروں کو بھی) تو یقیناً وہ گمراہی میں بہت دُور نکل گئے ہیں۔''

اب آخری رسولؐ کے آجانے کے بعد بھی جو لوگ کفر پر اَڑے رہے' اللہ کے راستے سے رُکے رہے اور دوسروں کو بھی روکتے رہے' وہ راہِ حق سے بھٹک کر بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

آیت ۱۶۸ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝۱۶۸﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ظلم (شرک) کے مرتکب ہوئے اللہ انہیں ہرگز بخشنے والا نہیں ہے' اور نہ انہیں کسی راستے کی ہدایت دے گا۔''

آیت ۱۶۹ ﴿اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۱۶۹﴾ ''سوائے جہنم کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔''

اب ذرا اس آیت کا تقابل کیجیے آیت ۱۴۷ کے ساتھ ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ......﴾ ''اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا......؟'' یقیناً اللہ ایذا پسند (sadist) نہیں ہے' اُسے لوگوں کو عذاب دے کر خوشی نہیں ہوگی۔ لیکن یہ اُس کا ضابطہ اور قانون ہے' اسی پر اس نے دنیا بنائی ہے' اور اپنے اسی ضابطے اور قانون کے عین مطابق وہ مستحقین کو جزا و سزا دے گا۔ یہ اُس پر کوئی بھاری گزرنے والی بات نہیں ہے کہ وہ اپنی ہی مخلوق کو سزا دے۔ بعض ملنگ قسم کے صوفی اس طرح کی باتیں بھی کرتے ہیں کہ اللہ بڑا رحیم ہے' کیا وہ اپنی ہی مخلوق کو جہنم میں جھونک دے گا؟ یہ تو ایسے ہی ڈراوے کے لیے' لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے عذاب اور سزا کی باتیں کی گئی ہیں۔ جیسے باپ بچوں کو ڈانٹتا ہے میں تیری ہڈیاں توڑ دوں گا' ماں کہتی ہے میں تیرا قیمہ کر دوں گی۔ تو کیا وہ سچ مچ اپنے بچوں کا قیمہ کر دے گی؟ لہٰذا یہ تو صرف ڈراوا ہے' حقیقت میں ایسا نہیں ہوگا' وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے خیالات و نظریات گمراہ کن ہیں۔ ماں کے لیے تو اپنے بچے کو بڑے سے بڑے قصور پر بھی آگ میں ڈالنا ممکن نہیں ہے' مگر اللہ تعالیٰ نے جہنم کے عذاب کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: ﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝﴾ اللہ کے لیے یہ بہت آسان ہے' بہت ہلکی بات ہے۔

آیات ۱۷۰ تا ۱۷۵

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ
لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِيْنِكُمْ
وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى
مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
وَكِيْلًا ۝ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ ع ٢٣
عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ
عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ
بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ
فَسَيُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

اب اگلی آیات اِس سورۃ کا ''حرفِ آخر'' ہیں۔

آیت ۱۷۰ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ﴾ ''اے لوگو! تمہارے پاس آچکا ہے رسولؐ حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے' تو اب تم ایمان لے آؤ' یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔''

بلکہ آخری الفاظ کی صحیح تر ترجمانی یوں ہوگی کہ ''ایمان لے آؤ' اسی میں تمہاری خیریت ہے''۔ اس آیت کے ایک ایک لفظ میں بہت زور اور جلال ہے اور اب بات بالکل دوٹوک انداز اور حتمی طور پر کی جارہی ہے کہ اے لوگو! اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کی طرف سے کوئی راہنمائی نہیں کی گئی' ہمیں کچھ پتا نہیں تھا' ہم پر بات واضح نہیں ہوئی تھی۔ ہمارے آخری نبی ﷺ کے آجانے کے بعد تمہارا یہ بہانہ اب ختم ہوگیا۔

﴿وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۷۰﴾ ''اور اگر تم لوگ کفر پر اَڑے رہو گے تو (اللہ کا کیا بگاڑ لو گے؟) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے' اور اللہ علیم بھی ہے' حکیم بھی۔''

آگے اہل کتاب سے جو خطاب ہے اس کے مخاطب خاص طور پر عیسائی ہیں' جو حضرت مسیح علیہ السلام کی عقیدت ومحبت میں حد سے گزر گئے تھے۔

آیت ۱۷۱ ﴿یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ﴾ ''اے اہلِ کتاب' اپنے دین میں غلو (مبالغہ) نہ کرو' اور اللہ کی طرف کوئی شے منسوب نہ کرو سوائے اس کے جو حق ہو۔''

تم آپس کے معاملات میں تو جھوٹ بولتے ہی ہو' مگر اللہ کے بارے میں جھوٹ گھڑنا' جھوٹ بول کر اللہ پر اسے تھوپنا کہ اللہ کا یہ حکم ہے' اللہ نے یوں کہا ہے' یہ تو وہی بات ہوئی: بازی بازی باریش بابا ہم بازی!

﴿اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ﴾ ''دیکھو مسیح عیسیٰؑ ابنِ مریم تو بس اللہ کے رسولؑ تھے''

وہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک رسولؑ تھے اور بس! اُلوہیت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے' وہ خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔

﴿وَکَلِمَتُہٗ ۚ اَلْقٰھَاۤ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ ۫﴾ ''اور وہ اُس کا ایک کلمہ تھے' جو اُس نے اِلقا کیا مریمؑ پر اور ایک روح تھے اُس کی طرف سے''

یعنی حضرت مریمؑ کے رحم میں جو حمل ہوا تھا وہ اللہ کے کلمہ ''کُن'' کے طفیل ہوا۔ بچے کی پیدائش کے طبعی عمل میں ایک حصہ باپ کا ہوتا ہے اور ایک ماں کا۔ اب حضرت مسیحؑ کی ولادت میں ماں کا حصہ تو پورا موجود ہے۔ حضرت مریمؑ کو حمل ہوا' نو مہینے آپؑ رحم میں رہے' لیکن یہاں باپ والا حصہ بالکل نہیں ہے اور باپ کے بغیر ہی آپؑ کی پیدائش ممکن ہوئی۔ ایسے معاملات میں جہاں اللہ کی مشیّت سے ایک لگے بندھے طبعی عمل میں سے اگر کوئی کڑی اپنی جگہ سے ہٹائی جاتی ہے تو وہاں پر اللہ کا مخصوص امر کلمہ ''کُن'' کی صورت میں کفایت کرتا ہے۔ یہاں پر اللہ کے ''کلمہ'' کا یہی مفہوم ہے۔

جہاں تک حضرت مسیح علیہ السلام کو ''رُوْحٌ مِّنْہُ'' قرار دینے کا تعلق ہے تو اگرچہ سب انسانوں کی روح اللہ ہی کی طرف سے ہے' لیکن ظاہر ہے تمام روحیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ ذرا تصور کریں روحِ محمدی ﷺ کی شان اور عظمت کیا ہو گی! روحِ محمدیؐ کو عام طور پر ہمارے علماء ''نورِ محمدیؐ'' کہتے ہیں۔ اس لیے کہ روح ایک نورانی شے ہے۔ ملائکہ بھی نور سے پیدا ہوئے ہیں اور انسانی ارواح بھی نور سے پیدا ہوئی ہیں۔ لیکن سب انسانوں کی ارواح برابر نہیں ہیں۔ حضور ﷺ کی روح کی اپنی ایک شان ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کی اپنی ایک شان ہے۔

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ۫ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ ؕ﴾ ''پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر' اور تثلیث (تین خداؤں) کا دعویٰ مت کرو۔''

﴿اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ ؕ﴾ ''باز آجاؤ' اسی میں تمہاری بہتری (خیریت) ہے۔''

یہ مت کہو کہ الوہیت تین میں ہے۔ ایک میں تین اور تین میں ایک کا عقیدہ مت گھڑو۔

﴿اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ یَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ﴾ ''جان لو کہ اللہ تو بس ایک ہی الٰہ واحد ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ اُس کا کوئی بیٹا ہو۔''

﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیۡلًا ﴿۱۷۱﴾﴾ ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ اُسی کا ہے' اور اللہ کافی ہے بطور کارساز۔''

آیت ۱۷۲ ﴿لَنۡ یَّسۡتَنۡكِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّكُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰهِ وَلَا الۡمَلٰٓئِكَةُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ﴾ ''مسیحؑ کو تو اس میں ہرگز کوئی عار نہیں ہے کہ وہ بنے اللہ کا بندہ اور نہ ہی ملائکہ مقربین کو اس میں کوئی عار ہے (کہ انہیں اللہ کا بندہ سمجھا جائے)۔''

مسیح علیہ السلام کو تو اللہ کا بندہ ہونے میں یقیناً فخر محسوس ہوگا۔ جیسے ہم بھی حضور ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں: وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ''اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔ تو عبدیت کی شان تو بہت بلند و بالا ہے' رسالت سے بھی اعلیٰ اور اَرفع۔ (یہ ایک علیحدہ مضمون ہے' جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔) چنانچہ حضرت مسیحؑ کے لیے یہ کوئی عار کی بات نہیں ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔

﴿وَمَنۡ یَّسۡتَنۡكِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَیَسۡتَكۡبِرۡ فَسَیَحۡشُرُهُمۡ اِلَیۡهِ جَمِیۡعًا ﴿۱۷۲﴾﴾ ''اور جو کوئی بھی عار سمجھے گا اُس کی بندگی میں اور تکبر کرے گا تو اللہ ان سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔''

آیت ۱۷۳ ﴿فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَیَزِیۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ۚ﴾ ''پس جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہوں گے تو ان کو تو ان کا پورا پورا اجر بھی دے گا اور انہیں مزید بھی دے گا اپنے خاص فضل میں سے۔''

ایسے لوگوں کو ان کے اجر کے علاوہ بونس بھی ملے گا۔ جیسے آپ کسی کام کرنے والے کو اچھا کام کرنے پر اُجرت کے علاوہ انعام (tip) بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ فضل سے انہیں ان کے مقررہ اجر سے بڑھ کر نوازے گا۔

﴿وَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡتَنۡكَفُوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا فَیُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۙ﴾ ''اور جنہوں نے (عبدیت کے اندر) عار محسوس کی تھی اور تکبر کیا تھا تو ان کو وہ دردناک عذاب دے گا''۔

﴿وَّلَا یَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا ﴿۱۷۳﴾﴾ ''اور وہ نہیں پائیں گے اپنے لیے اللہ کے مقابلے میں کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔''

آیت ۱۷۴ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ﴾ ''اے لوگو! آ چکی ہے تمہارے پاس ایک برہان تمہارے ربّ کی طرف سے''

یہ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ دونوں کی طرف اشارہ ہے۔ تعارفِ قرآن کے دوران ذکر ہو چکا ہے کہ کتاب اور رسول ﷺ مل کر بَیِّنَــــہ بنتے ہیں' جیسا کہ سورۃ البیّنۃ (آیات ۱ تا ۳) میں ارشاد ہوا ہے۔ آیت

زیر مطالعہ میں اسی بیّنہ کو بُرھان کہا گیا ہے۔

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ﴿۱۷۴﴾﴾ ''اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کر دیا ہے۔''

یہاں چونکہ نور کے ساتھ لفظ انزال آیا ہے اس لیے اس سے مراد لازماً قرآن مجید ہی ہے۔

آیت ۱۷۵ ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ﴾ ''پس جولوگ اللہ پر ایمان لائیں گے اور اُس کے ساتھ چمٹ جائیں گے''

یکسو ہو جائیں گے' خالص اللہ والے بن جائیں گے' مذبذب نہیں رہیں گے کہ کبھی اِدھر کبھی اُدھر' بلکہ پوری طرح سے یکسو ہو کر اللہ کے دامن سے وابستہ ہو جائیں گے۔

﴿فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۱۷۵﴾﴾ ''تو انہیں وہ داخل کرے گا اپنی رحمت اور اپنے فضل میں' اور انہیں ہدایت دے گا اپنی طرف صراطِ مستقیم کی۔''

یعنی انہیں سیدھے راستے (صراطِ مستقیم) پر چلنے کی توفیق بخشے گا اور سہج سہج' رفتہ رفتہ انہیں اپنے خاص فضل وکرم اور جوارِ رحمت میں لے آئے گا۔

آیت ۱۷۶

یَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا
نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ یَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا
تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ
تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع ۲۴

اس آخری آیت میں پھر ایک استفتاء ہے۔ آیت ۱۲ میں قانونِ وراثت کے ضمن میں ایک لفظ آیا تھا کلالہ' یعنی وہ مرد یا عورت جس کے نہ تو والدین زندہ ہوں اور نہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ اس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ اگر اُس کے بہن بھائی ہوں تو اس کی وراثت کا حکم یہ ہے۔ لیکن وہ حکم لوگوں پر واضح نہیں ہو سکا تھا۔ لہٰذا یہاں اس حکم کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔ آیت ۱۲ کے حکم کو صرف اَخیافی بہن بھائیوں کے ساتھ مخصوص مان لینے کے بعد اس توضیحی حکم میں کلالہ کی وراثت کا ہر پہلو واضح ہو جاتا ہے۔

آیت ۱۷۶ ﴿یَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ) یہ آپ سے فتویٰ مانگ رہے ہیں۔ کہو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دے رہا ہے۔''

﴿اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ﴾ ''اگر کوئی شخص فوت ہو گیا اور اس کی کوئی اولاد نہیں (اور نہ ماں باپ ہیں) اور اس کی صرف ایک بہن ہے تو اس کے لیے اس کے ترکے میں سے نصف ہے۔''

ایسی صورت میں اس کی بہن ایسے ہی ہے جیسے ایک بیٹی ہو تو اسے ترکے میں سے آدھا حصہ ملے گا۔

﴿وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ﴾ ''اور وہ مرد (بھائی) اس (بہن) کا مکمل وارث ہوگا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہیں۔''

یعنی اگر کلالہ عورت تھی جس کی کوئی اولاد نہیں' کوئی والدین نہیں تو اس کا وارث اس کا بھائی بن جائے گا' اس کی پوری وراثت اس کے بھائی کو چلی جائے گی۔

﴿فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ﴾ ''پھر اگر دو (یا دو سے زیادہ) بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی حق دار ہوں گی۔''

﴿وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ﴾ ''اور اگر کئی بہن بھائی ہوں تو ایک مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہوگا۔''

یعنی بھائی کو بہن سے دوگنا ملے گا۔ البتہ یہ بات اہم ہے کہ آیت ۱۲ میں جو حکم دیا گیا تھا وہ اَخیافی بہن بھائیوں کے بارے میں تھا۔ یعنی ایسے بہن بھائی جن کی ماں ایک ہو اور باپ علیحدہ علیحدہ ہوں۔ اُس زمانے کے عرب معاشرے میں تعددِ ازواج کے عام رواج کی وجہ سے ایسے مسائل معمولات کا حصہ تھے۔ باقی عینی یا علاتی بہن بھائیوں (جن کے ماں اور باپ ایک ہی ہوں یا مائیں الگ الگ ہوں اور باپ ایک ہی ہو) کا وہی عام قانون ہوگا جو بیٹے اور بیٹی کا ہے۔ جس نسبت سے بیٹے اور بیٹی میں وراثت تقسیم ہوتی ہے ایسے ہی ان بہن بھائیوں میں تقسیم ہوگی۔

﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾﴾ ''اللہ واضح کیے دیتا ہے تمہارے لیے مبادا کہ تم گمراہ ہو جاؤ' اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

تعارفِ قرآن کے دوران میں نے بتایا تھا کہ قرآن حکیم کی ایک تقسیم سات احزاب یا منزلوں کی ہے۔ اس اعتبار سے سورۃ النساء پر پہلی منزل ختم ہوگئی ہے۔ **فالحمد للّٰہ علی ذٰلک!**

بارک اللّٰہ لی ولکم فی القرآنِ العظیم ۔ ونفعنی وایاکم بالآیات والذکر الحکیم○○

بیانُ القرآن

سُورَۃُ المَآئِدَۃ

(۵)

سُوۡرَۃُ الۡمَآئِدَۃ

تمہیدی کلمات

سورۃ المائدۃ سے قرآن مجید کی دوسری منزل کا آغاز ہوتا ہے‘ لیکن قرآن حکیم کے مکی اور مدنی سورتوں کے جو گروپس ہیں‘ ان کے اعتبار سے پہلا گروپ ابھی ختم نہیں ہوا‘ بلکہ سورۃ المائدۃ اس گروپ کی آخری سورت ہے۔ ان گروپس کی تفصیل قبل ازیں بیان ہو چکی ہے۔ اُن میں سے پہلا گروپ ایک مکی سورۃ (الفاتحہ) اور چار مدنی سورتوں (البقرۃ‘ آل عمران‘ النساء اور المائدۃ) پر مشتمل ہے۔ مضامین کی مماثلت کے اعتبار سے سورۃ المائدۃ کا ''جوڑا'' سورۃ النساء کے ساتھ بنتا ہے۔ ان دونوں سورتوں کا اسلوب بھی کافی حد تک آپس میں ملتا جلتا ہے۔ اس گروپ کی مدنی سورتوں (البقرۃ‘ آل عمران‘ النساء اور المائدۃ) کے بنیادی موضوعات دو ہیں‘ یعنی اہلِ کتاب پر اتمامِ حجت اور احکامِ شریعتِ اسلامی۔ ان سورتوں میں ان دونوں موضوعات کا ایک تسلسل ہے جو تدریجاً آگے بڑھتا نظر آتا ہے۔ لہٰذا شریعتِ اسلامی کا جو ابتدائی خاکہ ہمیں سورۃ البقرۃ میں ملتا ہے اور پھر سورۂ آل عمران اور سورۃ النساء میں اس کے خدوخال مزید واضح ہوئے ہیں‘ یہاں سورۃ المائدۃ میں آ کر یہ تکمیلی رنگ اختیار کرتا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کی بلند ترین (حکومتی) سطح کے احکام بھی ہمیں اس سورۃ میں ملتے ہیں۔ اسی طرح اہلِ کتاب سے جس خطاب کی ابتدا سورۃ البقرۃ میں ہوئی تھی‘ یہاں آ کر وہ بھی فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔

سورۃ النساء کا آغاز ''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ'' سے ہوا تھا‘ جبکہ سورۃ المائدۃ کا آغاز ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡٓا'' کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

آیات ۱ تا ۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ڛ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ
مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ
وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ
رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ
الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ
السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَي النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ
اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ
مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳ يَسْــَٔـلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ
الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ
اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴ اَلْيَوْمَ
اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ
وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ
بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ ع

آیت ۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ڛ﴾ ''اے اہلِ ایمان! اپنے عہد و پیمان (قول و قرار) کو پورا کیا کرو۔''

عقدہ گرہ کو کہتے ہیں جس میں مضبوطی سے بندھنے کا مفہوم شامل ہے۔ لہٰذا ''عُـقُـود'' سے مراد وہ معاہدے ہیں جو باقاعدہ طے پا گئے ہوں۔ معاہدوں اور قول و قرار کی اہمیت یوں سمجھ لیجیے کہ ہماری پوری کی پوری سماجی و معاشرتی زندگی قائم ہی معاہدوں پر ہے۔ معاشرتی زندگی کا بنیادی یونٹ ایک خاندان ہے، جس کی بنیاد

ایک معاہدے پر رکھی جاتی ہے۔ شادی کیا ہے؟ مرد اور عورت کے درمیان ایک ساتھ زندگی گزارنے کا معاہدہ ہے۔ اس معاہدے سے انسانی معاشرے کی بلند و بالا عمارت کی بنیادی اینٹ رکھی جاتی ہے۔ اس معاہدے کے مطابق فریقین کے کچھ حقوق ہیں اور کچھ فرائض۔ ایک طرف بیوی کے حقوق و فرائض ہیں اور دوسری طرف شوہر کے حقوق و فرائض۔ بڑے بڑے کاروبار بھی معاہدوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ آجر اور مستاجر کا تعلق بھی ایک معاہدے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح کاروبارِ حکومت‘ حکومتی اداروں میں عہدے اور مناصب‘ چھوٹے بڑے اہلکاروں کی ذمہ داریاں‘ ان کی مراعات اور اختیارات وغیرہ کا معاملہ ہے۔ گویا تمام معاشرتی‘ معاشی اور سیاسی معاملات قرآن حکیم کے ایک حکم پر عمل کرنے سے درست سمت پر چل سکتے ہیں‘ اور وہ حکم ہے ''اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ''۔

﴿اُحِلَّتْ لَکُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ﴾ ''تمہارے لیے حلال کر دیے گئے ہیں مویشی قسم کے تمام حیوانات‘ سوائے اِن کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جا رہے ہیں''

جن کا حکم آگے چل کر تمہیں بتایا جائے گا‘ یعنی خنزیر‘ مردار وغیرہ حرام ہیں۔ باقی جو مویشی قسم کے جانور ہیں‘ وحوش نہیں (مثلاً شیر‘ چیتا وغیرہ وحشی ہیں) وہ حلال ہیں‘ جیسے ہرن‘ نیل گائے اور اس طرح کے جانور جو عام طور پر گوشت خور نہیں ہیں بلکہ سبزے پر ان کا گزارا ہے‘ ان کا گوشت تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ البتہ استثنائی صورتوں کی تفصیل بعد میں تمہیں بتا دی جائے گی۔

﴿غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ ''نہ جائز کرتے ہوئے شکار کو جبکہ تم حالتِ احرام میں ہو۔''

یعنی اگر تم نے حج یا عمرے کے لیے احرام باندھا ہوا ہے تو تم اس حالت میں ان حلال جانوروں کا بھی شکار نہیں کر سکتے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ۝۱﴾ ''بے شک اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے۔''

یہ اللہ کا اختیار ہے‘ وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے‘ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

آیت ۲ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ ''اے اہلِ ایمان! مت بے حرمتی کرو اللہ کے شعائر کی اور نہ حرمت والے مہینے کی''

یعنی اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو اپنی خواہش کے مطابق حلال مت کر لیا کرو۔

﴿وَلَا الْهَدْیَ﴾ ''اور نہ ہَدی کے جانوروں کی (بے حرمتی کرو)''

یعنی قربانی کے وہ جانور جو حج یا عمرے پر جاتے ہوئے لوگ ساتھ لے کر جاتے تھے۔ عربوں کے ہاں رواج تھا کہ وہ حج یا عمرے پر جاتے وقت قربانی کے جانور ساتھ لے کر جاتے تھے۔ یہاں ان جانوروں کی بے حرمتی کی ممانعت بیان ہو رہی ہے۔

﴿وَلَا الْقَلَآئِدَ﴾ ''اور نہ (اُن جانوروں کی بے حرمتی ہونے پائے) جن کی گردنوں میں پٹے ڈال دیے گئے ہوں''

یہ پٹے (قلادے) علامت کے طور پر ڈال دیے جاتے تھے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں اور کعبے کی طرف

جا رہے ہیں۔

﴿وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ ''اور نہ عازمینِ بیت الحرام (کی عزت واحترام میں فرق آنے پائے)''

یعنی وہ لوگ جو بیت الحرام کی طرف جا رہے ہوں، حج یا عمرے کا قصد کر کے سفر کر رہے ہوں، اب ان کی بھی اللہ کے گھر کے ساتھ ایک نسبت ہوگئی ہے، وہ اللہ کے گھر کے مسافر ہیں، جیسا کہ اہلِ عرب حُجّاجِ کرام کو کہتے ہیں: مَرْحَبًا بِضُيُوْفِ الرَّحْمٰن ''مرحبا ان لوگوں کو جو رحمٰن کے مہمان ہیں''۔ یعنی تمام حجاج کرام اصل میں اللہ کے مہمان ہیں، اللہ ان تمام زائرینِ کعبہ کا میزبان ہے۔ تو اللہ کے ان تمام مہمانوں کی ہتکِ عزت اور بے حرمتی سے منع کر دیا گیا۔

﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا﴾ ''وہ طلب گار ہیں اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کے۔''

یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں، اللہ کو راضی کرنے کی کوشش میں مکانِ محترم (کعبہ) کی طرف جا رہے ہیں۔

﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ ''ہاں جب تم حلال ہو جاؤ (احرام کھول دو) تو پھر تم شکار کرو۔''

حلال ہو جانا ایک اصطلاح ہے، یعنی احرام کھول دینا، حالتِ احرام سے باہر آ جانا۔ اب تمہیں شکار کی آزادی ہے، اس پر پابندی صرف احرام کی حالت میں تھی۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ﴾ ''اور تمہیں آمادہ نہ کر دے کسی قوم کی دشمنی''

﴿اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''کہ انہوں نے روکے رکھا تمہیں مسجد حرام سے''

﴿اَنْ تَعْتَدُوْا﴾ ''کہ (تم بھی ان پر) زیادتی کرنے لگو۔''

یعنی جیسے اہلِ مکہ نے تم لوگوں کو چھ سات برس تک حج وعمرہ سے روکے رکھا، اب کہیں اس کے جواب میں تم لوگ بھی ان پر زیادتی نہ کرنا۔

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ ''اور تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو''

﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ''اور گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو''

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔''

دیکھئے یہ انداز بالکل وہی ہے جو سورۃ النساء کا تھا، وہی معاشرتی معاملات اور ان کے بارے میں بنیادی اصول بیان ہو رہے ہیں۔ اب آ رہے ہیں وہ استثنائی احکام جن کا ذکر آغازِ سورۃ میں اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ کے الفاظ میں ہوا ہے۔ کھانے پینے کے لیے جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں ان کا ذکر یہاں آخری مرتبہ آ رہا ہے اور وہ بھی بہت وضاحت کے ساتھ:

آیت ۳ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ ”حرام کیا گیا تم پر مُردار“

وہ جانور جو خود اپنی موت مر گیا ہو وہ حرام ہے۔

﴿وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ﴾ ”اور خون اور خنزیر کا گوشت“

﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ ”اور جس پر پکارا گیا اللہ کے سوا کسی اور کا نام“

یعنی وہ جانور جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے نامزد ہے اور غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کو ذبح کیا جا رہا ہے۔

﴿وَالْمُنْخَنِقَةُ﴾ ”اور وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مر گیا ہو“

﴿وَالْمَوْقُوْذَةُ﴾ ”اور چوٹ لگنے سے جس جانور کی موت واقع ہو گئی ہو“

﴿وَالْمُتَرَدِّيَةُ﴾ ”اور جو جانور کسی اونچی جگہ سے گر کر مر گیا ہو“

﴿وَالنَّطِيْحَةُ﴾ ”اور جو جانور کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے ہلاک ہو گیا ہو“

﴿وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ﴾ ”اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے“

یعنی ”اَلْمَيْتَة“ کی یہ پانچ قسمیں ہیں۔ کوئی جانور ان میں سے کسی سبب سے مر گیا، ذبح ہونے کی نوبت نہیں آئی، اس کے جسم سے خون نکلنے کا امکان نہ رہا، بلکہ خون اس کے جسم کے اندر ہی جم گیا اور اس کے گوشت کا حصہ بن گیا تو وہ مردار کے حکم میں ہوگا۔

﴿اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ ”مگر یہ کہ جسے تم (زندہ پا کر) ذبح کر لو۔“

یعنی مذکورہ بالا اقسام میں سے جو جانور ابھی مرا نہ ہو اور اسے ذبح کر لیا جائے تو اسے کھایا جا سکتا ہے۔ مثلاً شیر نے ہرن کا شکار کیا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ ہرن مرتا شیر نے کسی سبب سے اسے چھوڑ دیا۔ اس حالت میں اگر اسے ذبح کر لیا گیا اور اس میں سے خون بھی نکلا تو وہ حلال جانا جائے گا۔ جہاں جہاں شیر کا منہ لگا ہو وہ حصہ کاٹ کر پھینک دیا جائے تو باقی گوشت کھانا جائز ہے۔

﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ ”اور وہ جانور جو کسی استھان پر ذبح کیا گیا ہو“

یعنی کسی خاص آستانے پر، خواہ وہ کسی ولی اللہ کا مزار ہو یا دیوتا، دیوی کا کوئی استھان ہو، ایسی جگہوں پر جا کر ذبح کیا گیا جانور بھی حرام ہے۔

﴿وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ﴾ ”اور یہ کہ جوئے کے تیروں کے ذریعے سے تقسیم کرو۔“

یہ بھی جوئے کی ایک قسم تھی۔ عربوں کے ہاں رواج تھا کہ وہ قربانی کے بعد گوشت کے ڈھیر لگا دیتے تھے اور تیروں کے ذریعے گوشت پر جوا کھیلتے تھے۔

﴿ذٰلِكُمْ فِسْقٌ﴾ ”یہ تمام گناہ کے کام ہیں۔“

﴿اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ﴾ ”اب یہ کافر لوگ تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں“

یعنی یہ لوگ اب یہ حقیقت جان چکے ہیں کہ اللہ کا دین غالب ہوا چاہتا ہے اور اس کا راستہ روکنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' سورۃ المائدۃ نزول کے اعتبار سے آخری سورتوں میں سے ہے۔ یہ اُس دور کی بات ہے جب عرب میں اسلام کے غلبہ کے آثار صاف نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔

﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ﴾ ''تو ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو۔''

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے''

﴿وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ ''اور تم پر اِتمام فرما دیا ہے اپنی نعمت کا''

﴿وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ﴾ ''اور تمہارے لیے میں نے پسند کر لیا ہے اسلام کو بحیثیت دین کے۔''

میرے ہاں پسندیدہ اور مقبول دین ہمیشہ ہمیش کے لیے صرف اسلام ہے۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ﴾ ''لیکن جو شخص بھوک میں مضطر ہو جائے (اور کوئی حرام شے کھالے)''

اگر کسی انسان پر شدید فاقہ کی کیفیت ہو' بھوک سے اس کی جان نکل رہی ہو تو وہ ان حرام کردہ چیزوں میں سے جان بچانے کے بقدر کھا سکتا ہے۔

﴿غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ﴾ ''(بشرطیکہ) اس کا گناہ کی طرف کوئی رُجحان نہ ہو''

نیت میں کوئی فتور نہ ہو' بلکہ حقیقت میں جان پر بنی ہو اور دل میں نافرمانی کا کوئی خیال نہ ہو۔

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③﴾ ''تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

آیت ۴ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کیا حلال ہے؟''

﴿قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ﴾ ''آپ (ﷺ انہیں) بتائیں کہ تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں''

﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ؗ﴾ ''اور یہ جو تم سدھاتے ہو شکاری جانوروں کو' پھر چھوڑتے ہو ان کو شکار کے لیے' انہیں تم نے سکھایا ہے اس میں سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے''

﴿فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ ''تو تم ان کے اُس شکار میں سے کھاؤ جو وہ تمہارے لیے روکے رکھیں''

﴿وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠﴾ ''اور اس پر اللہ کا نام لے لو۔''

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ﴾ ’’اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④﴾ ’’یقیناً اللہ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔‘‘

اسے حساب لینے میں دیر نہیں لگتی۔

آیت ۵ ﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ﴾ ’’آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔‘‘

یہ وہی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ .... والا انداز ہے۔

یعنی اس سے پہلے اگر مختلف مذاہب کے احکام کی وجہ سے‘ یہود کی شریعت یا حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذاتی پسند و ناپسند کی بنا پر اگر کچھ رکاوٹیں پیدا ہو گئی تھیں یا معاشرے میں رائج مشرکانہ رسومات واوہام کی وجہ سے تمہارے ذہنوں میں کچھ اُلجھنیں تھیں تو آج ان سب کو صاف کیا جا رہا ہے اور آج تمہارے لیے تمام صاف ستھری اور پاکیزہ چیزوں کے حلال ہونے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠﴾ ’’اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔‘‘

لیکن یہ صرف اُس صورت میں ہے کہ وہ کھانا اصلاً بھی حلال ہو‘ کیونکہ اگر ایک عیسائی سؤر کھا رہا ہو گا تو وہ ہمارے لیے حلال نہیں ہو گا۔ اِس کھانے میں اُن کا ذبیحہ بھی شامل ہے‘ دو بنیادی شرائط کے ساتھ: ایک یہ کہ جانور حلال ہو اور دوسرے یہ کہ اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔

﴿وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۠﴾ ’’اسی طرح تمہارا کھانا بھی ان کے لیے حلال ہے۔‘‘

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ ’’اور (تمہارے لیے حلال ہیں) اہلِ ایمان میں سے خاندانی عورتیں‘‘

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ’’اور خاندانی عورتیں اُن لوگوں کی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی‘‘

یعنی مسلمان مرد عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کر سکتا ہے۔

﴿اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ ’’جب کہ تم انہیں ادا کر دو ان کے مہر‘‘

﴿مُحْصِنِيْنَ﴾ ’’قیدِ نکاح میں لا کر ان کے محافظ بنتے ہوئے‘‘

نیت یہ ہو کہ تم نے ان کو اپنے گھر میں بسانا ہے‘ مستقل طور پر ایک خاندان کی بنیاد رکھنی ہے۔

﴿غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ ’’نہ کہ آزاد شہوت رانی کے لیے‘‘

﴿وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ﴾ ’’اور نہ ہی چوری چھپے آشنائی کرنے کے لیے۔‘‘

بلکہ معروف طریقے سے علی الاعلان نکاح کر کے تم انہیں اپنے گھروں میں آباد کرو اور ان کے محافظ بنو۔ اس ضمن میں یہاں بعض اشکالات کا رَفع کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک شریعتِ اسلامی کا حکم ہے تو شریعت محمد رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہو چکی ہے‘ اب اس میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ اس لحاظ سے یہ قانون اپنی جگہ قائم ہے اور

قائم رہے گا۔ یہ تو ہے اس کا جواز' لیکن اگر آج اس کے خلاف کسی کو کوئی مصلحت نظر آتی ہے تو وہ اپنی جگہ درست ہوسکتی ہے' بہرحال اس کے باوجود قانون کو بدلا نہیں جاسکتا۔ البتہ ایک خالص اسلامی ریاست کے تحت حالات کی سنگینی کے پیش نظر کچھ عرصے کے لیے کسی ایسی اجازت یا حکم کو موقوف کیا جاسکتا ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے زمانے میں قحط کے سبب قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا کو موقوف کر دیا تھا۔ اس طرح کسی قانون میں اسلامی حکومت کے کسی عارضی انتظامی حکم (Executive Order) کے ذریعے سے کوئی عارضی تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ مزید برآں اس اجازت کے پس منظر میں جو فلسفہ اور حکمت ہے اس کی اصل روح کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ یہ اجازت صرف مسلمان مردوں کو دی گئی ہے کہ وہ عیسائی یا یہودی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں' مسلمان عورت عیسائی یا یہودی مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر مرد عورت پر غالب ہوتا ہے' لہٰذا امکانِ غالب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اسلام کی طرف راغب کر لے گا۔ دوسرے یہ کہ اُس زمانے میں یہ بات مسلّمہ تھی کہ اولاد مرد کی ہے' اور مرد کے غالب اور فعال ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ایسے میاں بیوی کی اولاد عیسائی یا یہودی نہیں بلکہ مسلمان ہوگی۔ اُس وقت ویسے بھی مسلمانوں کا غلبہ تھا اور یہودی اور عیسائی ان کے تابع ہو چکے تھے۔ آج کل حالات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ آج عیسائی اور یہودی غالب ہیں' جبکہ مسلمان انتہائی مغلوب۔ دوسری طرف بین الاقوامی سیاست میں عورتوں کا غلبہ ہے۔ لہٰذا موجودہ حالات میں مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی شادیاں نہ ہوں' لیکن بہرحال ان کو حرام نہیں کہا جاسکتا' کیونکہ اس کے جواز کا واضح حکم موجود ہے۔ ہاں اگر کوئی اسلامی ریاست کہیں قائم ہو جائے تو وہ عارضی طور پر (جب تک حالات میں کوئی تبدیلی نہ آجائے) اس اجازت کو منسوخ کر سکتی ہے۔

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ؗ﴾ ''تو جس شخص نے ایمان کے ساتھ کفر کیا اُس کے تمام اعمال ضائع ہو گئے''

اس میں اشارہ اہلِ کتاب کی طرف بھی ہوسکتا ہے کہ جب تک محمدٌ رسول اللہ ﷺ تشریف نہیں لائے تھے تب تک وہ اہلِ ایمان تھے لیکن اب اگر وہ نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان نہیں لا رہے تو گویا وہ کفر کر رہے ہیں۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان کا مدعی ہو کر کافرانہ حرکتیں کرے تو اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

﴿وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵﴾ ''اور آخرت میں وہ ہوگا خسارہ اٹھانے والوں میں۔''

آیات ۶ تا ۱۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ
مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ ع

آیت ۶ ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ﴾ ’’اے اہلِ ایمان! جب تم کھڑے ہو نماز کے لیے‘‘

یعنی جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو۔

﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ﴾ ’’تو دھولیا کرو اپنے چہرے اور دونوں ہاتھ بھی کہنیوں تک‘‘

﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ﴾ ’’اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو‘‘

﴿وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ؕ﴾ ’’اور (دھولیا کرو) اپنے دونوں پاؤں بھی ٹخنوں تک۔‘‘

یہاں پر واضح رہے کہ اَرْجُلَکُمْ اور اَرْجُلِکُمْ دونوں قراءتیں مستند ہیں‘ لہٰذا اہل تشیع اس کو مستقلاً اَرْجُلِکُمْ پڑھتے ہیں۔ اس طرح ان کے نزدیک اس میں پاؤں پر مسح کا حکم ہے۔ چنانچہ وہ ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلِکُمْ﴾ کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: ’’اور مسح کرلیا کرو اپنے سروں پر بھی اور اپنے پاؤں پر بھی‘‘۔ لیکن اہلِ سنت کے نزدیک یہ اَرْجُلَکُمْ ہے اور اِلَی الْکَعْبَیْنِ کے اضافے سے یہاں پاؤں کو دھونے کا حکم بالکل واضح ہوگیا ہے۔ اگر صرف مسح کرنا مطلوب ہوتا تو اس میں کوئی حد بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لہٰذا اِلَی الْکَعْبَیْنِ کی شرط سے یہ ٹکڑا ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ﴾ کے بالکل مساوی ہوگیا ہے۔ جیسے ہاتھوں کا دھونا ہے کہنیوں تک‘ ایسے ہی پاؤں کا دھونا ہے ٹخنوں تک۔ اس حکم میں وضو کے فرائض بیان ہوئے ہیں۔

﴿وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا ؕ﴾ ’’اور اگر تم حالتِ جنابت میں ہو تو پھر تم اور زیادہ پاکی حاصل کرو۔‘‘

یعنی پورے جسم کا غسل کرو۔ جنابت کی حالت میں نماز پڑھنا‘ قرآن کی تلاوت کرنا یا قرآن کو ہاتھ لگانا

جائز نہیں۔

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ ”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو“

﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ ”یا تم میں سے کوئی کسی نشیبی جگہ سے ہو کر آئے“

یہ استعارہ ہے قضائے حاجت کے لیے۔ عام طور پر لوگ قضائے حاجت کے لیے نشیبی جگہوں پر جاتے تھے۔

﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ ”یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو“

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ ”اور تمہیں پانی دستیاب نہ ہو“

﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ ”تو ارادہ کر لو پاک مٹی کا“

یعنی پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔

﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ﴾ ”تو اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو مل لو۔“

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾ ”اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے“

﴿وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ﴾ ”بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کر دے“

﴿وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑥﴾ ”اور تم پر اپنی نعمت کا اِتمام فرمائے تا کہ تم شکر گزار بن سکو۔“

آیت ۷ ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ﴾ ”اور اللہ نے تمہیں جو اپنی نعمت عطا کی ہے اس کو یاد رکھو اور اس معاہدے کو بھی جو اُس نے تم سے باندھ لیا ہے (یا جس میں اس نے تمہیں باندھ لیا ہے)“

ایک میثاق وہ تھا جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا‘ اب ایک میثاق یہ ہے جو اہلِ ایمان سے ہو رہا ہے۔ چونکہ یہ سورۃ شروع ہوئی تھی یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا سے‘ یعنی اس کے آغاز میں اہلِ ایمان سے خطاب ہے‘ لہٰذا اس میثاق میں بھی اہل ایمان ہی مخاطب ہیں۔

﴿اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ﴾ ”جب تم نے کہا تھا ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی۔“

سورۃ البقرۃ کی آخری آیت سے پہلے والی آیت میں اہل ایمان کا یہ اقرار موجود ہے: ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ⑳﴾۔ اب جو مسلمان بھی سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہتا ہے وہ گویا ایک میثاق اور ایک بہت مضبوط معاہدے کے اندر اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندھ جاتا ہے۔ یعنی اب اُسے اللہ کی شریعت کی پابندی کرنی ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو‘ یقیناً اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔“

آیت ۸ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو‘

اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ''

یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان دونوں آیات میں الفاظ کی ترتیب عکسی ہے (دونوں سورتوں کی نسبتِ زوجیت بھی مدِنظر رہے)۔ وہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ اور یہاں الفاظ ہیں: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز﴾۔ اس سے ایک نکتہ تو یہ معلوم ہوا کہ گویا ''اللہ'' اور ''قسط'' مترادف الفاظ ہیں۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے: ''قسط کے لیے کھڑے ہو جاؤ'' اور دوسری جگہ فرمایا جا رہا ہے: ''اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ''۔ اسی طرح ایک جگہ اللہ کے گواہ بن جانے اور دوسری جگہ قسط کے گواہ بننے کا حکم ہے۔ تو گویا ان دونوں آیات میں ''اللہ'' اور ''قسط'' کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر آئے ہیں۔

دوسرا اہم نکتہ اِس آیت سے ہمارے سامنے یہ آ رہا ہے کہ معاشرے میں عدل قائم کرنے کا حکم ہے۔ انسان فطرتاً انصاف پسند ہے۔ انصاف عام انسان کی نفسیات اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ آج پوری نوعِ انسانی انصاف کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ انصاف ہی کے لیے انسان نے بادشاہت سے نجات حاصل کی اور جمہوریت کو اپنایا تاکہ انسان پر انسان کی حاکمیت ختم ہو' انصاف میسر آئے' مگر جمہوریت کی منزل سراب ثابت ہوئی اور ایک دفعہ انسان پھر سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کی لعنت میں گرفتار ہو گیا۔ اب سرمایہ دار اس کے آقا اور ڈکٹیٹر بن گئے۔ اس لعنت سے نجات کے لیے اُس نے کمیونزم (Communism) کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر یہاں بھی متعلقہ پارٹی کی آمریت (One Party Dictatorship) اس کی منتظر تھی۔ گویا ''رُست از یک بند تا اُفتاد در بندے دِگر'' یعنی ایک مصیبت سے نجات پائی تھی کہ دوسری آفت میں گرفتار ہو گئے۔ اب انسان عدل اور انصاف حاصل کرنے کے لیے آخر کہاں جائے؟ کیا کرے؟ یہاں پر ایک روشنی تو انسان کو اپنی فطرت کے اندر سے ملتی ہے کہ اس کی فطرت انصاف کا تقاضا کرتی ہے اور اپنی فطرت کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لیے وہ عدل قائم کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے' مگر اس سے اوپر بھی ایک منزل ہے اور وہ یہ ہے کہ ''العدل'' اللہ کی ذات ہے جس کا دیا ہوا نظام ہی عادلانہ نظام ہے۔ ہم اُس کے بندے ہیں' اُس کے وفادار ہیں' لہٰذا اُس کے نظام کو قائم کرنا ہمارے ذمے ہے' ہم پر فرض ہے۔ چنانچہ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز﴾ میں اسی بلند تر منزل کا ذکر ہے کہ اے اہل ایمان! یہ صرف فطرتِ انسانی ہی کا تقاضا نہیں بلکہ تمہاری عبدیت کا تقاضا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہاری وفاداری کے رشتے کا تقاضا ہے کہ تم پوری قوت کے ساتھ' اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ' جو بھی اسباب و ذرائع تمہیں میسر ہوں ان سب کو جمع کر کے کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے! اور اللہ کے دین میں جو تصور ہے عدل' انصاف اور قسط کا اُس عدل و انصاف اور قسط کو قائم کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ ہے اس حکم کا تقاضا۔

اب دیکھیے' وہاں (سورۃ النساء آیت ۱۳۵ میں) فرمایا گیا ہے: ''اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ واسطے کے گواہ بن جاؤ''۔ ﴿وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ﴾ ''اگرچہ اس کی

(تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی) زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔''

انصاف سے روکنے والے عوامل میں سے ایک اہم عامل مثبت تعلق یعنی محبت ہے۔ اپنی ذات سے محبت' والدین اور رشتہ داروں وغیرہ کی محبت انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ میں اپنے خلاف کیسے فتویٰ دے دوں؟ اپنے ہی والدین کے خلاف کیونکر فیصلہ سنا دوں؟ سچی گواہی دے کر اپنے عزیز رشتہ دار کو کیسے پھانسی چڑھا دوں؟ لہٰذا ''وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ ......'' فرما کر اس نوعیت کی تمام عصبیتوں کی جڑ کاٹ دی گئی کہ بات اگر حق کی ہے' انصاف کی ہے تو پھر خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ جا رہی ہو' تمہارے والدین پر ہی اس کی زد کیوں نہ پڑ رہی ہو' تمہارے عزیز رشتہ دار ہی اس کی کاٹ کے شکار کیوں نہ ہو رہے ہوں' اس کا اظہار بغیر کسی مصلحت کے ڈنکے کی چوٹ پر کرنا ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا عامل منفی تعلق ہے' یعنی کسی فرد یا گروہ کی دشمنی' جس کی وجہ سے انسان حق بات کہنے سے پہلوتہی کر جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ بات تو حق کی ہے مگر ہے تو وہ میرا دشمن' لہٰذا اپنے دشمن کے حق میں آخر کیسے فیصلہ دے دوں؟ آیت زیر نظر میں اس عامل کو بیان کرتے ہوئے دشمنی کی بنا پر بھی کتمانِ حق سے منع کر دیا گیا:

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ﴾ ''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل سے منحرف ہو جاؤ۔''

﴿اِعْدِلُوْا ۟﴾ ''عدل سے کام لو''

﴿هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۫﴾ ''یہی قریب تر ہے تقویٰ کے''

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ یقیناً اس سے باخبر ہے۔''

تمہارا کوئی عمل اور کوئی قول اس کے علم سے خارج نہیں' لہٰذا ہر وقت چوکس رہو' چوکنے رہو۔ (آیت زیر نظر اور سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ کے معانی و مفہوم کا باہمی ربط اور الفاظ کی عکسی اور reciprocal ترتیب کا حسن لائقِ توجہ ہے۔)

آیت ۹ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ⑨﴾ ''اللہ کا وعدہ ہے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے مغفرت بھی ہے اور اجرِ عظیم بھی۔''

آیت ۱۰ ﴿وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ⑩﴾ ''اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ جہنم والے ہیں۔''

آیت ۱۱ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ

اَیۡدِیَھُمۡ ﴾ ''اے اہل ایمان ! ذرا یاد کرو اللہ کے اس انعام کو جو اس نے تم پر کیا جب ارادہ کیا تھا ایک قوم نے کہ تمہارے خلاف اپنے ہاتھ بڑھائیں''

﴿ فَکَفَّ اَیۡدِیَھُمۡ عَنۡکُمۡ ۚ ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو روک دیا تم سے۔''

یہ غزوۂ احزاب کے بعد کے حالات پر تبصرہ ہے۔ اس غزوہ کے بعد ابھی کفّار میں سے بہت سے لوگ پیچ و تاب کھا رہے تھے اور بعید نہیں تھا کہ وہ دوبارہ مہم جوئی کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیے اور ان کے دلوں میں ایسا رُعب ڈال دیا کہ وہ دوبارہ لشکر کشی کی جرأت نہ کر سکے۔ اس صورتِ حال کا ذکر اللہ تعالیٰ یہاں اپنے انعام کے طور پر کر رہے ہیں۔ اس میں خاص طور پر صلح حدیبیہ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اُس وقت بھی قریش لڑائی کے لیے بیتاب ہو رہے تھے، ان کے نوجوانوں کا خون کھول رہا تھا، لیکن بالآخر انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو گیا کہ اب ہم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا اور ان کے ہاتھوں کو مسلمانوں کے خلاف اٹھنے سے روک دیا۔

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾ ﴾ ''اور تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور اہلِ ایمان کو تو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔''

آیات ۱۲ تا ۱۹

وَلَقَدۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۚ وَبَعَثۡنَا مِنۡھُمُ اثۡنَیۡ عَشَرَ نَقِیۡبًا ؕ وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیۡ
مَعَکُمۡ ؕ لَئِنۡ اَقَمۡتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیۡتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنۡتُمۡ بِرُسُلِیۡ وَعَزَّرۡتُمُوۡھُمۡ وَاَقۡرَضۡتُمُ اللّٰہَ
قَرۡضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ ۚ فَمَنۡ
کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقۡضِھِمۡ مِّیۡثَاقَھُمۡ لَعَنّٰھُمۡ وَجَعَلۡنَا
قُلُوۡبَھُمۡ قٰسِیَۃً ۚ یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ ۙ وَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوۡا بِہٖ ۚ وَلَا تَزَالُ
تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنۡھُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡھُمۡ فَاعۡفُ عَنۡھُمۡ وَاصۡفَحۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ
الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَھُمۡ فَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوۡا بِہٖ ۪
فَاَغۡرَیۡنَا بَیۡنَھُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ؕ وَسَوۡفَ یُنَبِّئُھُمُ اللّٰہُ بِمَا کَانُوۡا
یَصۡنَعُوۡنَ ﴿۱۴﴾ یٰۤاَھۡلَ الۡکِتٰبِ قَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمۡ کَثِیۡرًا مِّمَّا کُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ
الۡکِتٰبِ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ ۬ؕ قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۵﴾ یَّھۡدِیۡ بِہِ اللّٰہُ مَنِ
اتَّبَعَ رِضۡوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخۡرِجُھُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِہٖ وَیَھۡدِیۡھِمۡ اِلٰی
صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ ؕ قُلۡ فَمَنۡ
یَّمۡلِکُ مِنَ اللّٰہِ شَیۡئًا اِنۡ اَرَادَ اَنۡ یُّھۡلِکَ الۡمَسِیۡحَ ابۡنَ مَرۡیَمَ وَاُمَّہٗ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ

جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؀ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؀ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۗءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؀ ع

اب یہاں سے آگے بنی اسرائیل کی تاریخ کے چند واقعات کا ذکر ہے۔

آیت ۱۲ ﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی میثاق لیا تھا۔''

یعنی اے مسلمانو! جس طرح آج تم سے یہ میثاق لیا گیا ہے اور اللہ نے تمہیں شریعت کے میثاق میں باندھ لیا ہے' بالکل اسی طرح کا میثاق اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے بنی اسرائیل سے بھی لیا تھا۔

﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ﴾ ''اور ان میں ہم نے مقرر کیے تھے بارہ نقیب۔''

بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے' ہر قبیلے میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک نقیب مقرر کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی انصار میں بارہ نقیب مقرر فرمائے تھے' نو خزرج میں سے اور تین اوس میں سے۔

﴿وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ﴾ ''اور اللہ نے (ان سے) فرمایا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

میری مدد' میری تائید' میری نصرت تمہارے شاملِ حال رہے گی۔

﴿لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ﴾ ''اگر تم نے نماز کو قائم رکھا اور تم زکوٰۃ ادا کرتے رہے''

﴿وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ﴾ ''اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے''

﴿وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ﴾ ''اور ان (رسولوں) کی تم مدد کرتے رہے''

یہ ان رسولوں کا ذکر ہے جو پے در پے بنی اسرائیل میں آتے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تو بنی اسرائیل میں رسالت کا یہ سلسلہ ایک تار کی مانند تھا جو چھ سو برس تک ٹوٹا ہی نہیں۔ پھر ذرا سا وقفہ چھ سو برس کا آیا اور اس کے بعد نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائے۔

﴿وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ''اور (اگر) تم اللہ کو قرضِ حسنہ دیتے رہے''

یعنی اللہ کے دین کے لیے مال خرچ کرتے رہے۔

﴿لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ ''تو میں لازماً دور کردوں گا تم سے تمہاری برائیاں''

﴿وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ﴾ ''اور میں لازماً داخل کردوں گا تمہیں ان

باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔"

﴿فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٢﴾﴾ "تو جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک کر رہ گیا۔"

آیت ۱۳ ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ﴾ "پس ان کے اپنے اس عہد کو توڑنے کے باعث ہم نے ان پر لعنت فرمائی"

قبل ازیں سورۃ النساء آیت ۱۵۵ میں "لَعَنّٰهُمْ" کے محذوف ہونے کا ذکر ہوا تھا' لیکن یہاں پر یہ واضح ہو کر آ گیا ہے کہ ہم نے ان کے اس میثاق کو توڑنے کی پاداش میں اُن پر لعنت فرمائی۔

﴿وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ﴾ "اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔"

جیسے سورۃ البقرہ (آیت ۷۴) میں فرمایا: ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ﴾ "پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس کے بعد' پتھروں کی طرح بلکہ پتھروں سے بھی بڑھ کر سخت"۔ یہاں پر وہی بات دہرائی گئی ہے۔

﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ﴾ "وہ کلام کو اس کے اصل مقام سے ہٹاتے تھے"

﴿وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ﴾ "اور جو کچھ ان کو دیا گیا تھا نصیحت کے طور پر اس کے اکثر حصے کو وہ بھول گئے۔"

اور انہوں نے اس سے فائدہ اٹھانا چھوڑ دیا۔

﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ﴾ "اور (اے نبی ﷺ!) آپ ہمیشہ ان کی طرف سے خیانت کی اطلاع پاتے رہیں گے"

رسول اللہ ﷺ جیسے ہی مدینہ پہنچے تھے تو آپ ﷺ نے اس نئی جگہ پر اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے پہلے چھ مہینوں میں جو تین کام کیے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ نے یہود کے تینوں قبیلوں سے مدینہ کے مشترکہ دفاع کے معاہدے کر لیے کہ اگر مدینے پر حملہ ہوگا تو سب مل کر اس کا دفاع کریں گے' لیکن بعد میں ان میں سے ہر قبیلے نے ایک ایک کر کے غداری کی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کی طرف سے مسلسل خیانتیں ہوتی رہیں گی' لہٰذا آپ کو ان کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیے اور ان کی سازشوں کا توڑ کرنے کے لیے پہلے سے تیار رہنا چاہیے۔

﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ﴾ "سوائے ان میں سے چند ایک کے"

ان میں سے بہت تھوڑے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ﴾ "لہٰذا (ابھی) آپ انہیں معاف کرتے رہیں اور درگزر سے کام لیں۔"

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''

آیت ۱۴ ﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ﴾ ''اور جن لوگوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے بھی میثاق لیا''

﴿فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ ''تو وہ بھی بھول گئے بڑا حصہ اُس کا جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی۔''

وہ اس نصیحت سے فائدہ اٹھانا بھول گئے۔

﴿فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ''تو ہم نے ڈال دی ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک۔''

اس میں عیسائیوں کی یہودیوں کے ساتھ دشمنی کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔ ماضی میں عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان پورے انیس سو برس شدید دشمنی رہی ہے۔ موجودہ دور میں صورتِ حال عارضی طور پر کچھ تبدیل ہوگئی ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بلکہ خدا سمجھتے ہیں جبکہ یہودیوں نے انہیں ولد الزنا قرار دیا اور کافر و مرتد کہتے ہوئے واجب القتل ٹھہرایا۔ یہ بنیادی اختلاف دونوں مذاہب کے پیروکاروں میں اس قدر اہم اور شدید ہے کہ اس کی موجودگی میں دونوں میں اتحاد و اتفاق ممکن ہی نہیں۔ لیکن آیت زیرِ نظر میں بنیادی طور پر عیسائیوں کی آپس کی دشمنی اور ان کا باہمی بغض و عناد مراد ہے۔ ان کے مختلف فرقوں کے درمیان نظریاتی اختلافات ان کی دلی کدورتوں اور نفرتوں سے بڑھ کر بارہا باہمی جنگ و جدل کی شکل میں نمودار ہوتے رہے ہیں۔ مذہبی بنیادوں پر عیسائی فرقوں کی آپس کی خانہ جنگیوں کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مذہب کے نام پر عیسائیوں کی خون ریزی اور قتل و غارت گری کی عبرت آموز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی تفصیلات ''Blood on the Cross'' نامی ضخیم کتاب میں ملتی ہیں، جو لندن سے شائع ہوئی ہے۔ خاص طور پر پروٹسٹنٹس (Protestants) اور کیتھولکس (Catholics) کی باہمی چپقلش تو کوئی پوشیدہ راز نہیں، جس کی ہلکی سی جھلک آج بھی ہمیں آئرلینڈ میں نظر آتی ہے۔

﴿وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١٤﴾﴾ ''اور عنقریب اللہ تعالیٰ جتلا دے گا انہیں جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔''

اگلی آیات کا انداز سورۃ النساء کی آخری آیات سے ملتا جلتا ہے۔

آیت ۱۵ ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا﴾ ''اے اہل کتاب! آگیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول''

﴿يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ ''جو ظاہر کر رہا ہے تم پر وہ بہت سی باتیں جن کو تم چھپا رہے تھے کتاب میں سے''

﴿وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ ۬﴾ ''اور بہت سی باتوں سے تو درگزر بھی کر رہا ہے۔''

﴿قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۵﴾﴾ ''آ چکا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور بھی اور ایک روشن کتاب بھی۔''

یہاں نور سے مراد نبی اکرم ﷺ کی شخصیت بھی ہو سکتی ہے۔ سورۃ النساء' آیت ۱۷۴ میں جو فرمایا گیا: ﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ نُوۡرًا مُّبِیۡنًا﴾ ''اور نازل کر دیا ہے ہم نے تمہاری طرف ایک روشن نور'' وہاں نور سے مراد قرآن ہے' اس لیے کہ حضور ﷺ کے لیے فعل اَنۡزَلۡنَا درست نہیں۔ لیکن یہاں زیادہ احتمال یہی ہے کہ نور سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے' یعنی آپ ﷺ کی روحِ پُرنور۔ آپ ﷺ کی روح اور روحانیت آپ ﷺ کے پورے وجود پر غالب تھی' اس لحاظ سے آپ ﷺ کو نورِ مجسم بھی کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایک رائے یہ ہے کہ اس آیت میں آپ ﷺ کو استعارۃً ''نور'' کہا گیا ہے۔ البتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں نور بھی قرآن پاک ہی کو کہا گیا ہو اور ''وَ'' اس میں واوِ تفسیری ہو۔ اس صورت میں مفہوم یوں ہوگا: ''آ گیا ہے تمہارے پاس نور یعنی کتابِ مبین۔''

آیت ۱۶ ﴿یَّہۡدِیۡ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ ''اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ رہنمائی فرماتا ہے ان کی جو اس کی رضا کے طالب ہیں' سلامتی کے راستوں کی طرف''

﴿وَیُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِہٖ وَیَہۡدِیۡہِمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۶﴾﴾ ''اور نکالتا ہے انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف اپنے حکم سے اور ان کی رہنمائی فرماتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔''

آیت ۱۷ ﴿لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ ؕ﴾ ''یقیناً کفر کیا انہوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابنِ مریم ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے ہاں جو دو عقیدے رہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ ہی مسیح ہے۔ اس عقیدے کی بنیاد اس نظریہ پر قائم ہے کہ خدا خود ہی انسانی شکل میں ظہور کر لیتا ہے۔ اس عقیدے کو God Incarnate کہا جاتا ہے' یعنی اوتار کا عقیدہ جو ہندوؤں میں بھی رائج ہے۔ جیسے رام چندر جی' کرشن جی مہاراج اُن کے ہاں خدا کے اوتار مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں کا فرقہ Jacobites خاص طور پر God Incarnate کے عقیدے کا سختی سے قائل رہا ہے' کہ اصل میں اللہ ہی نے حضرت مسیحؑ کی شکل میں دنیا میں ظہور فرمایا۔ جیسے ہمارے ہاں بھی بعض لوگ نبی مکرم ﷺ کی محبت و عقیدت اور عظمت کے اظہار میں غلو سے کام لے کر حد سے تجاوز کرتے ہوئے یہاں تک کہہ جاتے ہیں: ؎

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر
اُتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰؐ ہو کر

اس آیت میں عیسائیوں کے اسی عقیدے کا ابطال کیا گیا ہے۔

﴿قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ ''تو ان سے پوچھئے کون ہے جسے اختیار ہو اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی''

﴿اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ﴾ ''اگر وہ ہلاک کرنا چاہے مسیحؑ ابنِ مریم کو اور اُس کی ماں کو''

﴿وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ﴾ ''اور جو زمین میں ہیں ان سب کو''

اگر اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اُس کا ہاتھ روک لے گا؟

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے (سب کی)۔''

﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ﴾ ''وہ پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

وہ جو چاہتا ہے' جیسے چاہتا ہے' تخلیق فرماتا ہے۔ اُس نے حضرت آدمؑ' حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہم کو معجزانہ طور پر پیدا فرمایا۔

آیت ۱۸ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ﴾ ''یہودی اور نصرانی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے بڑے چہیتے ہیں۔''

یعنی بیٹوں کی مانند ہیں' بڑے لاڈلے اور پیارے ہیں۔

﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ﴾ ''(تو ان سے) کہیے کہ پھر وہ تمہیں عذاب کیوں دیتا رہا ہے تمہارے گناہوں کی پاداش میں؟''

اگر تم اللہ کی اولاد ہو' اُس کے بڑے چہیتے ہو' تو کیا اسی لیے بختِ نصر (Nebukadnezar) کے ہاتھوں اُس نے تمہیں پٹوایا تھا۔ اس نے تمہارے چھ لاکھ افراد قتل کروا دیے تھے' چھ لاکھ قیدی بنا لیے تھے اور تمہارا ہیکلِ اوّل بھی شہید کر دیا تھا۔ پھر آشوریوں نے تمہاری سلطنتِ اسرائیل کو روند ڈالا۔ پھر یونانیوں کے ہاتھوں تمہارا استحصال ہوا۔ پھر رومیوں نے تمہارے اوپر ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑے اور رومن جنرل طیطس (Titus) نے تمہارا دوسرا ہیکل بھی مسمار کر دیا۔ کیا ایسے ہی لاڈلے ہوتے ہیں اللہ کے؟ کیا اللہ اتنا ہی لاچار اور عاجز ہے کہ اپنے لاڈلوں کو ذلت و خواری اور ظلم و ستم سے بچا نہیں سکتا؟

﴿بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ﴾ ''(نہیں) بلکہ تم بھی انسان ہو جیسے دوسرے انسان اس نے پیدا کیے ہیں۔''

﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ﴾ ''وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔''

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' سب کی بادشاہی''

﴿وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱﴾ ''اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

آیت ۱۹ ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا﴾ ''اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس آ چکا ہے ہمارا رسول''

﴿يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ﴾ ''جو تمہارے لیے (دین کو) واضح کر رہا ہے' رسولوں کے ایک وقفے کے بعد''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان چھ سو برس ایسے گزرے ہیں کہ اس دوران دنیا میں کوئی نبی' کوئی رسول نہیں رہا۔ اس وقفے کو اصطلاح میں 'فترت' کہا جاتا ہے۔ پھر حضور ﷺ کی بعثت ہوئی اور پھر اس کے بعد تا قیامِ قیامت رسالت کا دروازہ بند ہو گیا۔

﴿اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۗءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ﴾ ''مبادا تم کہو کہ ہمارے پاس تو آیا ہی نہیں تھا کوئی بشارت دینے والا اور نہ کوئی خبردار کرنے والا''

﴿فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ﴾ ''تو (سن لو!) آ گیا ہے تمہارے پاس بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

سورۃ النساء میں یہی بات اس انداز سے بیان ہو چکی ہے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَي اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ⑯⑤﴾ ''یہ رسول (بھیجے گئے) بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر تا کہ نہ رہ جائے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت (دلیل) رسولوں کے آنے کے بعد۔ اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

آیات ۲۰ تا ۲۶

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰي لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ڰ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ⑳ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ㉑ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ڰ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰي يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا

دَاخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ
فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى
اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾
قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ
فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ ع ۴

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ آ رہا ہے جب آپؑ مصر سے اپنی قوم کو لے کر نکلے‘ صحرائے سینا میں رہے‘ آپؑ کو کوہِ طور پر بلایا گیا اور تورات دی گئی۔ اس کے بعد آپؑ کو حکم ہوا کہ فلسطین میں داخل ہو جاؤ اور وہاں پر آباد مشرک اور کافر قوم (جو فلسطی کہلاتے تھے) کے ساتھ جنگ کرو اور انہیں وہاں سے نکالو‘ کیونکہ یہ ارضِ مقدس تمہارے لیے اللہ کی طرف سے موعود ہے۔ ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا تعلق اس خطہ سے تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے بنی اسرائیل مصر میں منتقل ہوئے۔ پھر جب حضرت موسیٰؑ انہیں مصر سے لے کر نکلے تو انہیں حکم ہوا کہ اب جاؤ‘ اپنے اصل گھر (ارضِ فلسطین) کو دوبارہ حاصل کرو۔ لیکن جب جنگ کا موقع آیا تو پوری قوم نے کورا جواب دے دیا کہ ہم جنگ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں جو تلخی پیدا ہوئی اور طبیعت کے اندر بےزاری کی جو کیفیت پیدا ہوئی‘ اس کی شدت یہاں نظر آتی ہے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ رسول اپنی اُمت کے حق میں سراپا شفقت ہوتا ہے‘ لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول کا معاملہ بھی اللہ تعالیٰ کی مانند ہے۔ جیسے اللہ رؤف بھی ہے‘ وَدُود بھی‘ لیکن ساتھ ہی وہ عزیزٌ ذوانتقام بھی ہے (اللہ کی یہ دونوں شانیں ایک ساتھ ہیں) اسی طرح رسول کا معاملہ ہے کہ رسول شفیق اور رحیم ہونے کے ساتھ ساتھ غیور بھی ہوتا ہے۔ اس کے دل میں دین کی غیرت اپنے پیروکاروں سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہٰذا قوم کے منفی ردّعمل پر نبی کی بےزاری لازمی ہے۔

یہاں پر ایک بہت اہم نکتہ سمجھنے کا یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو پے در پے معجزات کے ظہور نے تساہل پسند بنا دیا تھا۔ پیاس لگی تو چٹان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک ہی ضرب سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے‘ بھوک محسوس ہوئی تو مَنّ وسلویٰ نازل ہو گیا‘ دھوپ نے ستایا تو اَبر کا سائبان ساتھ ساتھ چل پڑا‘ سمندر راستے میں آیا تو عصا کی ضرب سے راستہ بن گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس لاڈ پیار کی وجہ سے وہ آرام طلب ہو گئے تھے اور مشکل کی ہر گھڑی میں انہیں معجزے کے ظہور کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ بہرحال جنگ کے اس موقع پر انہوں نے دشمن کا سامنا کرنے سے صاف انکار کر دیا‘ باوجودیکہ اس وقت اُن کے کم از کم ایک لاکھ افراد تو ایسے تھے جو جنگ کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یہی حکمت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں اس قسم کا کوئی معجزہ نظر نہیں آتا‘ بلکہ یہاں تو یہ نقشہ نظر آتا ہے کہ مسلمانو! تمہیں جو کچھ کرنا ہے اپنی جان دے کر‘ ایثار و قربانی سے‘ محنت و مشقت سے‘ بھوک جھیل کر اور فاقے برداشت کر کے کرنا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں ایثار و قربانی

جرأت و بہادری اور بلند ہمتی کا جذبہ موجزن نظر آتا ہے‘ جس کی واضح مثال غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا لَا نَقُوْلُ لَکَ کَمَا قَالَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ لِمُوْسٰی ﴿فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ﴾ وَلٰکِنِ امْضِ وَنَحْنُ مَعَکَ فَکَاَنَّہٗ سُرِّیَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ (۱)

’’یارسول اللہ! ہم آپؐ سے بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپؑ اور آپؑ کا رب جا کر قتال کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ (ہم کہیں گے) آپؐ قدم بڑھایئے‘ ہم آپؐ کے ساتھ ہیں! اس پر گویا رسول اللہ ﷺ کی پریشانی کا ازالہ ہو گیا۔‘‘

آیت ۲۰ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ﴾ ’’اور یاد کرو جب کہا موسٰیؑ نے اپنی قوم سے‘‘

﴿یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ﴾ ’’اے میری قوم کے لوگو! اللہ کے اُس انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے‘‘

﴿اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ﴾ ’’جب اُس نے تمہارے اندر نبی اٹھائے‘‘

یعنی خود میں نبی ہوں‘ میرے بھائی ہارون نبی ہیں۔ حضرت یوسف‘ حضرت یعقوب‘ حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سب نبی تھے۔

﴿وَّجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا﴾ ’’اور تمہیں بادشاہ بنایا‘‘

اگرچہ اُس وقت تک اُن کی بادشاہت تو قائم نہیں ہوئی تھی مگر ہو سکتا ہے کہ یہ پیشین گوئی ہو کہ آئندہ تمہیں اللہ تعالیٰ زمین کی سلطنت اور خلافت عطا کرنے والا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کی عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے اقتدار کی طرف اشارہ ہے‘ آپؑ اگرچہ مصر کے بادشاہ تو نہیں تھے لیکن بادشاہوں کے بھی مخدوم و ممدوح تھے۔ آپؑ کی اس حیثیت کی وجہ سے بنی اسرائیل کو مصر میں پیرزادوں کا سا مقام و احترام حاصل ہو گیا تھا۔

﴿وَّاٰتٰـکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾﴾ ’’اور تمہیں وہ کچھ دیا جو تمام جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔‘‘

آیت ۲۱ ﴿یٰـقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَۃَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ﴾ ’’(تو) اے میری قوم کے لوگو! اب داخل ہو جاؤ اس ارضِ مقدس (فلسطین) میں جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے‘‘

اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ زمین تمہیں ملے گی۔

﴿وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِکُمْ﴾ ’’اور اپنی پیٹھوں کے بَل واپس نہ پھرنا‘‘

﴿فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ’’(اگر ایسا کرو گے) تو ناکام و نامراد پلٹو گے۔‘‘

---

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب تفسیر القرآن‘ باب قولہ فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ۔

آیت ۲۲ ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ﴾ ’’انہوں نے کہا اے موسیٰ! اس میں تو بڑے زور آور لوگ ہیں‘‘

ہم فلسطین میں کیسے داخل ہو جائیں؟ یہاں تو جو لوگ آباد ہیں وہ بڑے طاقت ور‘ گراں ڈیل اور زبردست ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟

﴿وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ﴾ ’’اور ہم اس (سرزمین) میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔‘‘

﴿فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝۲۲﴾ ’’ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم داخل ہو جائیں گے۔‘‘

آیت ۲۳ ﴿قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ﴾ ’’کہا دو اشخاص نے جو (اللہ کا) خوف رکھنے والوں میں سے تھے‘‘

﴿اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا﴾ ’’اور اللہ نے بھی ان دونوں پر انعام کیا تھا‘‘

یہ دو اشخاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور قریبی حواری تھے۔ ایک تو یوشع بن نون تھے‘ جو حضرت موسیٰ کے بعد ان کے جانشین بھی ہوئے اور گمانِ غالب ہے کہ وہ نبی بھی تھے‘ جبکہ دوسرے شخص کالب بن یفنا تھے۔ ان دونوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھانا چاہا کہ ہمت کرو:

﴿ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ﴾ ’’تم ان کے مقابلے میں دروازے کے اندر گھس جاؤ۔‘‘

تم لوگ ایک دفعہ دروازے میں گھس کر ان کا سامنا تو کرو۔

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ﴾ ’’اور جب تم اس میں داخل ہو گئے تو لازماً تم غالب ہو جاؤ گے۔‘‘

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۲۳﴾ ’’اور اللہ پر توکل کرو اگر تم مؤمن ہو۔‘‘

آیت ۲۴ ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا﴾ ’’انہوں نے کہا اے موسیٰ ہم تو ہرگز اس شہر میں داخل نہیں ہوں گے‘‘

﴿مَّا دَامُوْا فِيْهَا﴾ ’’جب تک کہ وہ اس میں موجود ہیں‘‘

﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا﴾ ’’بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور جا کر قتال کرو‘‘

گویا وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ساتھ اپنی یہ لٹھیا بھی لیتے جاؤ‘ جس نے بڑے بڑے کارنامے دکھائے ہیں‘ اس کی مدد سے ان جباروں کو شکست دے دو۔

﴿اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝۲۴﴾ ’’ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔‘‘

ہم تو یہاں ٹکے ہوئے ہیں‘ یہاں سے نہیں ہلیں گے‘ زمیں جنبد‘ نہ جنبد گل محمد!

مقامِ عبرت ہے! تورات (Book of Exsodus) سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لگ بھگ چھ لاکھ افراد نکلے تھے۔ ان میں سے عورتیں' بچے اور بوڑھے نکال دیں تو ایک لاکھ افراد تو جنگ کے قابل ہوں گے۔ مزید محتاط اندازہ لگائیں تو پچاس ہزار جنگجو تو دستیاب ہو سکتے تھے' مگر اس قوم کی پست ہمتی اور نظریاتی کمزوری ملاحظہ ہو کہ چھ لاکھ کے ہجوم میں سے صرف دو اشخاص نے اللہ کے اس حکم پر لبیک کہا۔

فاعتبروا یا اُولی الابصار!

اب نبی کی بیزاری ملاحظہ فرمائیں۔ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام جنہوں نے اپنے ہم قوم اسرائیلی کی مدافعت کرتے ہوئے ایک مُکّا رسید کر کے قبطی کی جان نکال دی تھی ﴿فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ﴾ (القصص: ۱۵) اب اپنی قوم سے کس قدر بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

آیت ۲۵ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ﴾ ''موسیٰؑ نے عرض کیا: پروردگار' مجھے تو اختیار نہیں ہے سوائے اپنی جان کے اور اپنے بھائی (ہارونؑ کی جان) کے''

باقی یہ پوری قوم انکار کر رہی ہے۔ میرا کسی پر کچھ زور نہیں ہے۔ یہاں مضمون کی مناسبت سے سورۃ النساء کی آیت ۸۴ کے وہ الفاظ بھی ذہن میں تازہ کر لیجیے جن میں حضورؐ کے لیے حکم ہے: ﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (النساء: ۸۴)۔ ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے' آپ اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں' البتہ اہل ایمان کو بھی ترغیب دیں''۔ آپؐ پر کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے سوائے اپنی جان کے' البتہ آپؐ اہل ایمان کو جس قدر ترغیب و تشویق دلا سکتے ہیں دلائیں' ان کے جذباتِ ایمانی کو جس جس انداز سے اپیل کرنا ممکن ہے کریں' اور بس اس سے زیادہ آپؐ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

﴿فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۵﴾ ''تو اب تفریق کر دے' ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے رویے سے اس درجہ آزردہ خاطر ہوئے کہ قوم سے علیحدگی کی تمنا کرنے لگے کہ میں اب ان نابنجاروں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔ انہوں نے تیری عطا کردہ کیا کچھ نعمتیں برتی ہیں اور میرے ہاتھوں سے کیا کیا معجزے یہ لوگ دیکھ چکے ہیں' اس کے باوجود ان کا یہ حال ہے تو مجھے ان سے علیحدہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ درخواست قبول نہیں کی لیکن اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔

آیت ۲۶ ﴿قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ﴾ ''فرمایا اب یہ (ارضِ مقدس) حرام رہے گی ان پر چالیس سال تک۔''

یہ ہماری طرف سے ان کی بُزدلی کی سزا ہے۔ اگر یہ بزدلی نہ دکھاتے تو ارضِ فلسطین ابھی ان کو عطا کر دی جاتی' مگر اب یہ چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی۔

﴿يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ﴾ ''یہ بھٹکتے پھریں گے زمین میں۔''

اس صحرائے سینا میں یہ چالیس سال تک مارے مارے پھرتے رہیں گے۔

﴿فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ ’’تو (اے موسیٰؑ) آپ افسوس نہ کریں اس فاسق قوم پر۔‘‘

اب آپ ان نافرمانوں کا غم نہ کھایئے۔ اب جو کچھ ان پر بیتے گی اس پر آپ کو ترس نہیں کھانا چاہیے۔ آپ بہرحال ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں‘ جب تک زندگی ہے آپ کو ان کے ساتھ رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق بنی اسرائیل چالیس برس تک صحرائے سینا میں بھٹکتے پھرے۔ اس دوران میں وہ سب لوگ مرکھپ گئے جو جوانی کی عمر میں مصر سے نکلے تھے اور صحرا میں ان کی نئی نسل پروان چڑھی جو خوئے غلامی سے مبرا تھی۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں کا بھی انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت یوشع بن نون کے عہدِ خلافت میں یہ لوگ اس قابل ہوئے کہ فلسطین فتح کر سکیں۔

اب پانچویں رکوع میں قتلِ ناحق‘ ملک میں فساد پھیلانے اور چوری ڈاکے جیسے جرائم کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر اور پھر ان کی سزاؤں کا ذکر ہوگا۔

آیات ۲۷ تا ۳۴

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ۧ

آیت ۲۷ ﴿وَاتۡلُ عَلَیۡهِمۡ نَبَاَ ابۡنَیۡ اٰدَمَ بِالۡحَقِّ ۘ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ان کو پڑھ کر سنایئے آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ حق کے ساتھ۔''

﴿اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا﴾ ''جبکہ ان دونوں نے قربانی پیش کی''

﴿فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِهِمَا وَلَمۡ یُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ ؕ﴾ ''تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی' جبکہ دوسرے کی قبول نہیں کی گئی۔''

آدمؑ کے یہ دو بیٹے ہابیل اور قابیل تھے۔ ہابیل بھیڑ بکریاں چراتا تھا اور قابیل کاشت کار تھا۔ ان دونوں نے اللہ کے حضور قربانی دی۔ ہابیل نے کچھ جانور پیش کیے' جبکہ قابیل نے اناج نذر کیا۔ ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی مگر قابیل کی قبول نہیں ہوئی۔ اُس زمانے میں قربانی کی قبولیت کی علامت یہ ہوتی تھی کہ آسمان سے ایک شعلہ نیچے اترتا تھا اور وہ قربانی کی چیز کو جلا کر بھسم کر دیتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ نے قربانی کو قبول فرما لیا۔

﴿قَالَ لَاَقۡتُلَنَّکَ ؕ﴾ ''اُس نے کہا میں تمہیں قتل کر کے رہوں گا۔''

قابیل نے' جس کی قربانی قبول نہیں ہوئی تھی' حسد کی آگ میں جل کر اپنے بھائی ہابیل سے کہا کہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

﴿قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''اُس نے جواب دیا کہ اللہ تو پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے۔''

ہابیل نے کہا بھائی جان' اس میں میرا کیا قصور ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ صرف اپنے متقی بندوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔

آیت ۲۸ ﴿لَئِنۡۢ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقۡتُلَنِیۡ﴾ ''اگر آپ اپنا ہاتھ چلائیں گے مجھ پر مجھے قتل کرنے کے لیے''

﴿مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡکَ لِاَقۡتُلَکَ ۚ﴾ ''(تب بھی) میں اپنا ہاتھ نہیں چلاؤں گا آپ کو قتل کرنے کے لیے۔''

یعنی اگر ایسا ہوا تو یہ یک طرفہ قتل ہی ہوگا۔

﴿اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''مجھے تو اللہ کا خوف ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

آیت ۲۹ ﴿اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَاِثۡمِکَ﴾ ''میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تم ہی اپنے سر لے لو''

﴿فَتَکُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۚ﴾ ''تو پھر تم ہو جاؤ گے جہنم والوں میں سے۔''

اگر آپ اس انتہا تک پہنچ جائیں گے کہ مجھے قتل کر ہی دیں گے تو آپ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ میری خطاؤں کا بوجھ بھی اپنے سر اٹھالیں گے۔ ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنے والا گویا مقتول کے تمام گناہوں کا بوجھ بھی اپنے سر اٹھا لیتا ہے۔ یعنی اگر آپ مجھے ناحق قتل کریں گے تو میرے گناہوں کا وبال بھی آپ کے سر ہوگا اور

میرے لیے تو یہ کوئی گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ البتہ اس جرم کی وجہ سے آپ جہنمی ہو جائیں گے۔

﴿وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۹﴾ ''اور یہی بدلہ ہے ظالموں کا۔''

آیت ۳۰ ﴿فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ﴾ ''بالآخر اُس کے نفس نے آمادہ کر ہی لیا اسے اپنے بھائی کے قتل پر''

ان الفاظ کے بین السطور اس کے ضمیر کی کش مکش کا مکمل نقشہ موجود ہے۔ ایک طرف اللہ کا خوف، نیکی کا جذبہ، خون کا رشتہ اور دوسری طرف شیطانی ترغیب، حسد کی آگ اور نفسانی خواہش کی اُکساہٹ۔ اور پھر بالآخر اس اندرونی کشمکش میں اس کا نفس جیت ہی گیا۔

﴿فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۳۰﴾ ''تو اس نے اسے قتل کر دیا اور ہو گیا تباہ ہونے والوں میں سے۔''

آیت ۳۱ ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ﴾ ''تو اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کُریدنے لگا''

یہ پہلا خون تھا جو نسلِ آدم میں ہوا۔ قابیل نے ہابیل کو قتل تو کر دیا لیکن اب اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ بھائی کی لاش کا کیا کرے، اسے کیسے dispose off کرے، تو اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کو بھیج دیا جو اُس کے سامنے اپنی چونچ سے زمین کھودنے لگا۔

﴿لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ﴾ ''تا کہ (اللہ) اسے دکھا دے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔''

کوّے کے زمین کھودنے کے عمل سے اسے سمجھ آ جائے کہ زمین کھود کر لاش کو دفن کیا جا سکتا ہے۔

﴿قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ﴾ ''(یہ دیکھا تو) اُس نے کہا ہائے میری شامت! میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔''

افسوس مجھ پر! کیا میرے اندر اس کوّے جیسی عقل بھی نہ تھی کہ یہ طریقہ مجھے خود ہی سوجھ جاتا۔

﴿فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝۳۱﴾ ''پھر وہ بہت پشیمان ہوا۔''

اس احساس پر اس کے اندر بڑی شدید ندامت پیدا ہوئی۔

آیت ۳۲ ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر (تورات میں) یہ بات لکھ دی تھی''

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ﴾ والا فقرہ پچھلی آیت کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے اور اس آیت کے ساتھ بھی، یہ دونوں طرف بامعنی بن سکتا ہے۔

﴿اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ ''کہ جس کسی نے کسی انسان کو قتل کیا بغیر کسی قتل کے قصاص کے''

یعنی اگر کسی نے قتل کیا ہے اور وہ اس کے قصاص میں قتل کیا جائے تو یہ قتل ناحق نہیں ہے۔

﴿اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ﴾ ''یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے (کے جرم کی سزا) کے''
اگر کوئی شخص ملک میں فساد پھیلانے کا مجرم ہے اور اسے اس جرم کی سزا کے طور پر قتل کر دیا جائے تو اس کا قتل بھی قتلِ ناحق نہیں۔ لیکن ان صورتوں کے علاوہ اگر کسی نے کسی بے قصور انسان کا قتل کر دیا۔

﴿فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ ''گویا اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔''
اُس کا یہ فعل ایسا ہی ہے جیسے اُس نے پوری نوعِ انسانی کو تہ تیغ کر دیا۔ اس لیے کہ اُس نے قتلِ ناحق سے تمدن و معاشرت کی جڑ کاٹ ڈالی۔ جان اور مال کا احترام ہی تو تمدن کی جڑ اور بنیاد ہے۔

﴿وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ ''اور جس نے اُس (کسی ایک انسان) کی جان بچائی تو گویا اُس نے پوری نوعِ انسانی کو زندہ کر دیا۔''

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ''اور ان کے پاس ہمارے رسول آئے تھے واضح نشانیاں لے کر''

﴿ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲﴾ ''لیکن اس کے باوجود ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں کرتے پھر رہے ہیں۔''

اب ''آیتِ محاربہ'' آ رہی ہے جو اسلامی قوانین کے لحاظ سے بہت اہم آیت ہے۔ محاربہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں کوئی گروہ فتنہ و فساد مچا رہا ہے، دہشت گردی کر رہا ہے، خونریزی اور قتل و غارت کر رہا ہے، راہزنی اور ڈاکہ زنی کر رہا ہے، گینگ ریپ ہو رہے ہیں۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کی سزا بیان ہوئی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ اسلامی ریاست کی بات ہو رہی ہے، جہاں اسلامی قانون نافذ ہو، جہاں اسلام کا پورا نظام قائم ہو۔ ورنہ اگر نظام ایسا ہو کہ جھوٹی گواہیاں دینے والے کھلے عام سودے کر رہے ہوں، ایمان فروش موجود ہوں، ججوں کو خریدا جاسکتا ہو اور ایسے نظام کے تحت شرعی قوانین کا نفاذ کر دیا جائے تو پھر اس سے جو نتائج نکلیں گے ان سے شریعت الثابد نام ہو گی۔ لہٰذا ریاست میں حکومتی نظام اور مروّجہ قوانین دونوں کا درست ہونا لازمی ہے۔ اگر ایسا ہو گا تو یہ دونوں ایک دوسرے کو مضبوط و مستحکم کریں گے اور اسی صورت میں مطلوبہ نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ''یہی ہے سزا اُن لوگوں کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول سے''
یعنی اسلامی ریاست کی عملداری کو چیلنج کرتے ہیں۔

﴿وَيَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ ''اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں''

﴿اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا﴾ ''کہ انہیں (عبرت ناک طور پر) قتل کیا جائے''
واضح رہے کہ یہاں فعل يُقْتَلُوْا استعمال نہیں ہوا بلکہ يُقَتَّلُوْا ہے کہ ان کے ٹکڑے کیے جائیں۔

﴿اَوْ يُصَلَّبُوْٓا﴾ ''یا انہیں سولی چڑھایا جائے''

﴿اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ﴾ ”یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں میں کاٹ دیے جائیں“

یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا ایک پاؤں کاٹا جائے۔

﴿اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ﴾ ”یا انھیں ملک بدر کر دیا جائے۔“

﴿ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا﴾ ”یہ تو ان کے لیے دُنیا کی زندگی میں رسوائی ہے“

﴿وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾﴾ ”اور آخرت میں ان کے لیے (مزید) بہت بڑا عذاب ہے۔“

آیت ۳۴ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ﴾ ”سوائے اُن کے جو توبہ کرلیں اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ۔“

یعنی پکڑے جانے سے پہلے ایسے لوگ اگر توبہ کرلیں تو ان کے لیے رعایت کی گنجائش ہے‘ لیکن جب پکڑ لیے گئے تو توبہ کا دروازہ بند ہو گیا۔

﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾﴾ ”پس جان لو کہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمانے والا‘ مہربان ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا کہ اگر تم اپنے غلط عقیدے کو اپنے تک رکھو تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا‘ لیکن اگر تم خونریزی کرو گے‘ قتل وغارت کرو گے تو پھر تمہارے ساتھ رعایت نہیں کی جا سکتی۔

آیات ۳۵ تا ۴۳

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۰﴾ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا

بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ
اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا
فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ
اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ
بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ
اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ع

آیت ۳۵ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ ''اے اہلِ ایمان' اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی جناب میں اس کا قُرب تلاش کرو''

یہاں لفظ ''وسیلہ'' قابلِ غور ہے اور اس لفظ نے کافی لوگوں کو پریشان بھی کیا ہے۔ لفظ ''وسیلہ'' اردو میں تو ''ذریعہ'' کے معنی میں آتا ہے' یعنی کسی تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ بنالینا' سفارش کے لیے کسی کو وسیلہ بنالینا۔ لیکن عربی زبان میں ''وسیلہ'' کے معنی ہیں ''قرب''۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا عربی میں مفہوم کچھ اور ہے جبکہ اردو میں کچھ اور ہے۔ جیسے لفظ ''ذلیل'' ہے' عربی میں اس کے معنی ''کمزور'' جبکہ اردو میں ''کمینے'' کے ہیں۔ جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ﴾ (آل عمران: ۱۲۳) یعنی اے مسلمانو! یاد کرو اللہ نے تمہاری مدد کی تھی بدر میں جب کہ تم بہت کمزور تھے۔ اب اگر یہاں ذلیل کا ترجمہ اردو والا کر دیا جائے تو ہمارے ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔ اسی طرح عربی میں ''جہل'' کے معنی جذباتی ہونا ہے' اَن پڑھ ہونا نہیں۔ ایک پڑھا لکھا شخص بھی جاہل یعنی جذباتی' اکھڑ مزاج ہوسکتا ہے لیکن اردو میں جاہل عالم کا متضاد ہے' یعنی جو اَن پڑھ ہو۔ اسی طرح کا معاملہ لفظ ''وسیلہ'' کا ہے۔ اس کا اصل مفہوم ''قرب'' ہے اور یہاں بھی یہی مراد لیا جائے گا۔ یہاں ارشاد ہوا ہے:

''اے ایمان والو' اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور (آگے بڑھ کر) اس کا قرب تلاش کرو''

تقویٰ کے معنی ہیں اللہ کے غضب سے' اللہ کی ناراضگی سے اور اللہ کے احکام توڑنے سے بچنا۔ یہ ایک منفی محرک ہے' جبکہ قربِ الٰہی کی طلب ایک مثبت محرک ہے کہ اللہ کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتے چلے جاؤ۔ لیکن اس کے قرب کا ذریعہ کیا ہوگا؟

﴿وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵﴾ ''اور اُس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''
اس سے بات بالکل واضح ہوگئی کہ تقرب الی اللہ کے لیے جہاد کرو۔ تقویٰ شرطِ لازم ہے۔ یعنی پہلے جو

حرام چیزیں ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ' جن چیزوں سے روک دیا گیا ہے ان سے رک جاؤ اور اللہ کی نافرمانی سے باز آ جاؤ۔ اور پھر اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کی راہ میں جدوجہد کرو۔

آیت ۳۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' اگر ان کے پاس وہ ساری دولت ہو جو کہ زمین میں ہے کُل کی کُل اور اس کے ساتھ اتنی ہی اور بھی ہو''

﴿لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ''(اور وہ چاہیں) کہ وہ اس کے ذریعے سے فدیہ دے کر چھوٹ سکیں قیامت کے دن کے عذاب سے''

﴿مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ﴾ ''تو ان سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔''

یہ حکم گویا ''تعلیق بالمحال'' ہے کہ نہ ایسا ممکن ہے اور نہ ایسا ہو گا۔ لیکن بات کی سختی واضح کرنے کے لیے یہ انداز اپنایا گیا ہے اور آخری درجے میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر بالفرض ان کے پاس اتنی دولت موجود بھی ہو تب بھی اللہ کے ہاں اُن کا فدیہ قبول نہیں ہو گا۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۳۶﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۳۷ ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ﴾ ''وہ چاہیں گے کہ آگ سے کسی طرح نکل جائیں لیکن نکل نہیں پائیں گے''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۳۷﴾ ''اور ان کے لیے ہو گا قائم رہنے والا عذاب۔''

یعنی ان کو مسلسل دائم اور قائم رہنے والا عذاب دیا جائے گا۔

آیت ۳۸ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ ''اور چور خواہ مرد ہو یا عورت' ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو''

یعنی چور کا ایک ہاتھ کاٹ دو۔

﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ ''یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا''

﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور عبرت ناک سزا ہے اللہ کی طرف سے۔''

دیکھئے قرآن خود اپنی حفاظت کس طرح کرتا ہے اور کیوں چیلنج کرتا ہے کہ اس کلام پر باطل حملہ آور نہیں ہو سکتا کسی بھی جانب سے (حٰم السجدہ: ۴۲)۔ ذرا ملاحظہ کیجیے اس آیت کے ضمن میں غلام احمد پرویز صاحب کہتے ہیں کہ یہاں چور کا ہاتھ کاٹنے کا مطلب ہے کہ ایسا نظام وضع کیا جائے جس میں کسی کو چوری کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ یہ تو ہم بھی چاہتے ہیں کہ ایسا نظام ہو' ریاست کی طرف سے کفالتِ عامہ کی سہولت موجود ہو تا کہ کوئی شخص مجبوراً چوری نہ کرے' لیکن ''فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا'' کے الفاظ سے جو مطلب پرویز صاحب نے نکالا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اور اگر فرض کر لیں کہ ایسا ہی ہے تو پھر ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ (یہ بدلہ ہے ان کی اپنی کمائی کا) کی

کیا تاویل ہوگی؟ یعنی جو کمائی انہوں نے کی ہے اس کا بدلہ یہ ہے کہ ایک اچھا نظام قائم کر دیا جائے؟ اس کے بعد پھر ﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ کے الفاظ مزید آئے ہیں۔ ''نکال'' کہتے ہیں عبرتناک سزا کو۔ تو کیا ایسے نظام کا قائم کرنا اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہوگی؟ آپ نے دیکھا قرآن کے معانی و مفہوم کی حفاظت کے لیے بھی الفاظ کے کیسے کیسے پہرے بٹھائے گئے ہیں!

دراصل حدود و تعزیرات کے فلسفے کو سمجھنا بہت ضروری ہے اور اس کے لیے لفظ ''نکال'' بہت اہم ہے۔ قرآن میں تعزیرات اور حدود کے سلسلے میں یہ لفظ اکثر استعمال ہوا ہے۔ یعنی اگر سزا ہوگی تو عبرت ناک ہوگی۔ اسلام میں شہادت کا قانون بہت سخت رکھا گیا ہے۔ ذرا سا شبہ ہو تو اس کا فائدہ ملزم کو دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے سزا کا نفاذ آسان نہیں۔ لیکن اگر تمام مراحل طے کر کے جرم پوری طرح ثابت ہو جائے تو پھر سزا ایسی دی جائے کہ ایک کو سزا ملے اور لاکھوں کی آنکھیں کھل جائیں تاکہ آئندہ کسی کو جرم کرنے کی ہمت نہ ہو۔ یہ فلسفہ ہے اسلامی سزاؤں کا۔ یہ درحقیقت ایک تسدید (deterrence) ہے جس کے سبب معاشرے سے برائی کا استیصال کرنا ممکن ہے۔ آج امریکہ جیسے (نام نہاد) مہذب معاشرے میں بھی آئے دن انتہائی گھناؤنے جرائم ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ احتساب اور سزا کا نظام درست نہیں۔ لوگ جرم کرتے ہیں' سزا ہوتی ہے' جیل جاتے ہیں' کچھ دن وہاں گزارنے کے بعد واپس آتے ہیں' پھر جرم کرتے ہیں' پھر جیل چلے جاتے ہیں۔ جیل کیا ہے؟ سرکاری مہمان داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے معاشروں میں جرائم روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۳۸﴾ ''اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ﴾ ''تو جس نے بھی توبہ کر لی اپنے اس ظلم کے بعد اور اصلاح کر لی تو اللہ ضرور قبول کرتا ہے اس کی توبہ کو۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۹﴾ ''یقیناً اللہ غفور ہے' رحیم ہے۔''

لیکن اس توبہ سے جرم کی سزا دنیا میں ختم نہیں ہوگی۔ یہ جرم ہے دنیا (قانون) کا اور گناہ ہے اللہ کا۔ جرم کی سزا دنیا میں ملے گی' گناہ کی سزا اللہ نے دینی ہے' اگر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا اور اگر توبہ نہیں کی تو اس کی سزا بھی ملے گی۔

آیت ۴۰ ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''کیا تم نہیں جانتے ہو کہ اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی؟''

﴿يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ ''وہ سزا دے گا جس کو چاہے گا اور بخش دے گا جس کو چاہے گا۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۰﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اب یہاں پھر ذکر آ رہا ہے ان لوگوں کا جو دوغلی پالیسی پر کاربند تھے' لیکن سورۃ البقرۃ کی طرح یہاں بھی روئے سخن قطعیت کے ساتھ واضح نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اس کا انطباق منافقین پر بھی ہوگا اور اہل کتاب پر بھی۔ منافق

اہل کتاب میں سے بھی تھے‘ جن کا میلان اسلام کی طرف بھی تھا اور چاہتے بھی تھے کہ مسلمانوں میں شامل رہیں لیکن وہ اپنے ساتھیوں کو بھی چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ تو یہ لوگ جو ”مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ“ کی مثال تھے‘ یہ دونوں طرف کے لوگ تھے۔

آیت ۴۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ﴾ ”اے نبی (ﷺ) یہ لوگ آپ کے لیے باعثِ رنج نہ ہوں جو کفر کی راہ میں بہت بھاگ دوڑ کر رہے ہیں“

﴿مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ﴾ ”ان لوگوں میں سے جو اپنے مُنہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں‘ مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے ہیں۔“

آپؐ ان لوگوں کی سرگرمیوں اور بھاگ دوڑ سے غمگین اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔

﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚ﴾ ”اور اسی طرح کے لوگ یہودیوں میں سے بھی ہیں۔“

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ ”یہ بڑے ہی غور سے سنتے ہیں جھوٹ کو“

﴿سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ﴾ ”اور یہ سنتے ہیں کچھ اور لوگوں کی خاطر جو آپ کے پاس نہیں آتے۔“

یعنی ایک تو یہ لوگ اپنے ”شیاطین“ کی جھوٹی باتیں بڑی توجہ سے سنتے ہیں‘ جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۱۴) میں فرمایا: ﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭﴾ ”اور جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب یہ خلوت میں ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے تو محض مذاق کر رہے ہیں“۔ پھر یہ لوگ ان کی طرف سے جاسوس بن کر مسلمانوں کے ہاں آتے ہیں کہ یہاں سے سن کر ان کو رپورٹ دے سکیں کہ آج محمد (ﷺ) نے یہ کہا‘ آج آپؐ کی مجلس میں فلاں معاملہ ہوا۔ ﴿سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ﴾ کا ترجمہ دونوں طرح سے ہو سکتا ہے: ”دوسری قوم کے لوگوں کی باتوں کو بڑی توجہ سے سنتے ہیں“ یا ”سنتے ہیں دوسری قوم کے لوگوں کے لیے“ یعنی انہیں رپورٹ کرنے کے لیے ان کے جاسوس کی حیثیت سے۔ ان کے جو لیڈر اور شیاطین ہیں‘ وہ آپؐ کے پاس خود نہیں آتے اور یہ جو بین بین کے لوگ ہیں یہ آپؐ کے پاس آتے ہیں اور ان کے ذریعے سے جاسوسی کا یہ سارا معاملہ چل رہا ہے۔

﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ﴾ ”وہ کلام کو پھیر دیتے ہیں اس کی جگہ سے اس کا موقع و محل معین ہو جانے کے بعد۔“

﴿يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ﴾ ”وہ کہتے ہیں اگر تمہیں یہی (فیصلہ) مل جائے تو قبول کر لینا“

﴿وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ﴾ ”اور اگر یہ (فیصلہ) نہ ملے تو کنی کترا جانا۔“

اہلِ کتاب کے سرداروں کو اگر کسی مقدمے کا فیصلہ مطلوب ہوتا تو اپنے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجتے اور پہلے سے انہیں بتا دیتے کہ اگر فیصلہ اس طرح ہو تو تم قبول کر لینا' ورنہ رد کر دینا۔ واضح رہے کہ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست اور پورے طور پر ایک ہمہ گیر اسلامی حکومت دراصل فتح مکہ کے بعد قائم ہوئی اور یہ صورتِ حال اس سے پہلے کی تھی۔ ورنہ کسی ریاست میں دوہرا عدالتی نظام نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ جب چاہتے اپنے فیصلوں کے لیے حضور ﷺ کے پاس آ جاتے اور جب چاہتے کسی اور کے پاس چلے جاتے تھے۔ گویا بیک وقت دو متوازی نظام چل رہے تھے۔ اسی لیے تو وہ لوگ یہ کہنے کی جسارت کرتے تھے کہ یہ فیصلہ ہوا تو قبول کر لینا' ورنہ نہیں۔

﴿وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ﴾ ''اور جس کو اللہ ہی نے فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہو تو تم اُس کے لیے اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔''

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا چاہا ہی نہیں۔''

﴿لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۚۖ﴾ ''ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے''

﴿وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾﴾ ''اور آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

آیت ۴۲ ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ ''یہ خوب سننے والے ہیں جھوٹ کو''

﴿اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ﴾ ''خوب کھانے والے ہیں حرام کو۔''

﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ﴾ ''پھر اگر یہ آپ کے پاس (اپنا کوئی مقدمہ لے کر) آئیں''

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ﴾ ''تو آپ (کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یا ان سے اعراض کریں۔''

آپ کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ آپ چاہیں تو ان کا مقدمہ سنیں اور فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو مقدمہ لینے ہی سے انکار کر دیں' کیونکہ ان کی نیت درست نہیں ہوتی اور وہ آپ کا فیصلہ لینے میں سنجیدہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا ایسے لوگوں پر اپنا وقت ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ اندیشہ بھی تھا کہ وہ پراپیگنڈا کریں گے کہ دیکھو جی ہم تو گئے تھے محمد (ﷺ) کے پاس مقدمہ لے کر' یہ کیسے نبی ہیں کہ مقدمے کا فیصلہ کرنے کو ہی تیار نہیں! اس ضمن میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ آپ اس کی پرواہ نہ کریں۔

﴿وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ﴾ ''اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔''

یعنی ان کے مخالفانہ پراپیگنڈے سے قطعاً فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ﴾ ''اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان

انصاف کے عین مطابق فیصلہ کریں۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

آیت ۴۳ ﴿وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپ کو کیسے حکم بناتے ہیں''

﴿وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ﴾ ''جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے''

﴿فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ﴾ ''جس میں اللہ کا حکم موجود ہے''

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہود کی بدنیتی کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے کہ اگر ان کی نیت درست ہوتو تورات سے راہنمائی حاصل کرلیں۔

﴿ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ﴾ ''پھر بھی وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔''

﴿وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور حقیقت میں یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں۔''

اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان سے تہی دست ہیں' ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ یہ ہے ان کا اصل روگ۔

آیات ۴۴ تا ۵۰

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا

كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ع

سورۃ المائدۃ کا یہ ساتواں رکوع حسنِ اتفاق سے سات ہی آیات پر مشتمل ہے۔ اس میں بہت سخت تہدید‘ تنبیہ اور دھمکی ہے ان لوگوں کے لیے جو کسی آسمانی شریعت پر ایمان کے دعوے دار ہوں اور پھر اس کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق اپنی زندگی گزار رہے ہوں۔ قرآن حکیم کی طویل سورتوں میں کہیں کہیں تین تین آیتوں کے چھوٹے چھوٹے گروپ ملتے ہیں جو معانی ومفہوم کے لحاظ سے بہت جامع ہوتے ہیں‘ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۰۲‘ ۱۰۳ اور ۱۰۴ ہیں۔ ابھی سورۃ المائدۃ میں بھی تین آیات پر مشتمل نہایت جامع احکامات کا حامل ایک مقام آئے گا۔ اسی طرح کہیں کہیں سات سات آیات کا مجموعہ بھی ملتا ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع کی سات آیات (۴۰ تا ۴۶) بنی اسرائیل سے خطاب کے ضمن میں نہایت جامع ہیں۔ یہ دعوت کے ابتدائی انداز پر مشتمل ہیں اور دعوت کے باب میں بمنزلہ فاتحہ ہیں۔ اسی طرح قانونِ شریعت کی تنفیذ‘ اس کی اہمیت اور اس سے پہلوتہی پر وعید کے ضمن میں زیرمطالعہ رکوع کی سات آیات نہایت تاکیدی اور جامع ہیں‘ بلکہ یہ مقام اس موضوع پر قرآن حکیم کا ذروۂ سنام (climax) ہے۔

آیت ۴۴ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ﴾ ”یقیناً ہم نے ہی نازل فرمائی تھی تورات“

﴿فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ﴾ ”اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا۔“

﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ﴾ ”اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے انبیاء“

﴿الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا﴾ ”جو کہ سب فرمانبردار تھے (اللہ کے)“

ظاہر ہے کہ تمام انبیاءِ کرام ﷺ خود بھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے۔

﴿لِلَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ ”(اور وہ فیصلے کرتے تھے) یہودیوں کے لیے“

یعنی انبیاءِ کرام ﷺ یہودیوں کے تمام فیصلے تورات (شریعتِ موسوی) کے مطابق کرتے تھے‘ جیسا کہ حدیث میں ہے ((كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ))[1] یعنی بنی اسرائیل کی سیاست اور حکومت کے معاملات‘ انبیاء کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ اس لیے وہی ان کے مابین نزاعات کے فیصلے کرتے تھے۔

﴿وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ﴾ ”اور درویش اور علماء“

ان کے ہاں اللہ والے صوفیاء اور علماء وفقہاء بھی تورات ہی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

---

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب احادیث الانبیاء‘ باب ما ذکر عن بنی اسراء یل۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الامارۃ‘ باب وجوب الوفاء ببیعة الخلفاء الاول فالاول۔

﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ ''بسبب اس کے کہ وہ کتاب اللہ کے نگران بنائے گئے تھے'' انہیں ذمہ داری دی گئی تھی کہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کرنی ہے۔

﴿وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ﴾ ''اور وہ اس پر گواہ تھے۔''

﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ﴾ ''(تو ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ) تم لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو''

﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ''اور میری آیات کو حقیر سی قیمت پر فروخت نہ کرو۔'' یعنی اللہ کا طے کردہ قانون موجود ہے' اس کے مطابق فیصلے کرو۔ لوگوں کو پسند ہو یا ناپسند' اس سے تمہارا بالکل کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ اب آ رہی ہے وہ کاٹنے والی بات:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾﴾ ''اور جو اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔''

بقولِ علامہ اقبالؔ ؎

بُتوں سے تجھ کو اُمیدیں' خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

آیت ۴۵ ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ﴾ ''اور ہم نے لکھ دیا تھا ان پر اس (تورات) میں''

﴿اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ ''کہ جان کے بدلے جان''

﴿وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ ''اور آنکھ کے بدلے آنکھ''

﴿وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ﴾ ''اور ناک کے بدلے ناک''

﴿وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ﴾ ''اور کان کے بدلے کان''

﴿وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ﴾ ''اور دانت کے بدلے دانت''

﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾ ''اور اس طرح زخموں کا بدلہ بھی ہوگا برابر کا۔''

﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ﴾ ''پھر جو کوئی اس کو معاف کر دے تو یہ اُس کے لیے (گناہوں کا) کفّارہ ہوگا۔''

کسی نے ایک شخص کا کان کاٹ دیا' اب وہ جواباً اُس کا کان کاٹنے کا حق دار ہے' لیکن اگر وہ قصاص نہیں لیتا اور معاف کر دیتا ہے تو اسے اپنے بہت سے گناہوں کا کفارہ بنا لے گا۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجرم کو جب معاف کر دیا گیا تو اس کے ذمے سے وہ گناہ دُھل گیا۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾﴾ ''اور جو فیصلے نہیں کرتے اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق وہی تو ظالم ہیں۔''

اور ظالم یہاں بمعنی مشرک ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ⑬﴾ (لقمان) اب دیکھئے‘ ایک قانون اللہ کا ہے اور ایک انسانوں کا۔ پھر انسانوں کے بھی مختلف قوانین ہیں‘ ایک Roman Law ہے‘ ایک پاکستانی قانون ہے‘ ایک رواج پر مبنی قانون ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ فیصلہ کس قانون کے مطابق کر رہے ہیں؟ اللہ کے قانون کے تحت یا کسی اور قانون کے مطابق؟ اگر آپ نے اللہ کے قانون کے ساتھ ساتھ کسی اور قانون کو بھی مان لیا یا اللہ کے قانون کے مقابلے میں کسی اور قانون کو ترجیح دی تو یہ شرک ہے۔

آیت ۴۶ ﴿وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ ”اور ہم نے ان کے پیچھے انہی کے نقشِ قدم پر عیسیٰ ابنِ مریم کو بھیجا“

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠﴾ ”(وہ آئے) تصدیق کرتے ہوئے اُس کی جو ان کے سامنے موجود تھا تورات میں سے“

﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ﴾ ”اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی‘ اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا“

﴿وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ﴾ ”اور وہ (انجیل بھی) تصدیق کر رہی تھی اس کی جو تورات میں سے اُس کے سامنے موجود تھا“

﴿وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۶﴾ ”اور وہ ہدایت (راہنمائی) اور نصیحت تھی تقویٰ والوں کے لیے۔“

آیت ۴۷ ﴿وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ﴾ ”اور چاہیے کہ انجیل کے ماننے والے فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے۔“

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷﴾ ”اور جو لوگ نہیں فیصلے کرتے اللہ کے اُتارے ہوئے احکامات وقوانین کے مطابق‘ وہی تو فاسق ہیں۔“

وہی تو سرکش ہیں‘ وہی تو نافرمان ہیں‘ وہی تو نابکار ہیں۔ غور کیجیے ایک رکوع میں تین دفعہ یہ الفاظ دہرائے گئے ہیں:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۴﴾

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۵﴾

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷﴾

ان آیاتِ قرآنیہ کو سامنے رکھیے اور ملتِ اسلامیہ کی موجودہ کیفیت کا جائزہ لیجیے کہ دنیا میں کتنے ممالک ہیں جہاں اللہ کا قانون نافذ ہے؟ آج روئے زمین پر کوئی ایک بھی ملک ایسا نہیں ہے جہاں شریعتِ اسلامی

پورے طور پر نافذ ہو اور اسلام کا مکمل نظام قائم ہو۔ اگرچہ ہم انفرادی اعتبار سے مسلمان ہیں لیکن ہمارے نظام کافرانہ ہیں۔

آیت ۴۸ ﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ﴾ ''اور (اب اے نبی ﷺ) ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی حق کے ساتھ''

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ﴾ ''جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر نگران ہے''

یہ کتاب تورات اور انجیل کی مصداق بھی ہے اور مُصدِّق بھی۔ اور اس کی حیثیت کسوٹی کی ہے۔ پہلی کتابوں کے اندر جو تحریفات ہوگئی تھیں اب ان کی تصحیح اس کے ذریعے سے ہوگی۔

﴿فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ﴾ ''تو (آپؐ بھی) فیصلہ کریں ان کے درمیان اس (قانون) کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے''

﴿وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الۡحَقِّ﴾ ''اور مت پیروی کریں ان کی خواہشات کی اس حق کو چھوڑ کر جو آچکا ہے آپ (ﷺ) کے پاس۔''

﴿لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا﴾ ''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل طے کر دی ہے۔''

جہاں تک شریعت کا تعلق ہے سب کو معلوم ہے کہ شریعتِ موسویؑ شریعتِ محمدیؐ سے مختلف تھی۔ مزید برآں رسولوں کے منہاج (طریق کار) میں بھی فرق تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منہاج میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ ایک مسلمان اُمت (بنی اسرائیل) کے لیے بھیجے گئے تھے۔ وہ اُمت جو کہ دبی ہوئی تھی' پسی ہوئی تھی' غلام تھی۔ اس میں اخلاقی خرابیاں بھی تھیں' دینی اعتبار سے ضعف بھی تھا' وہ آلِ فرعون کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے مقصدِ بعثت میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ایک بگڑی ہوئی مسلمان امت کو کافروں کے تسلّط اور غلبے سے نجات دلائیں۔ اس کا ایک خاص طریقہ کار اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بتایا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک مسلمان اُمت کے لیے مبعوث کیے گئے' یعنی یہودیوں ہی کی طرف۔ اس قوم میں نظریاتی فتور آچکا تھا' ان کے معاشرے میں اخلاقی وروحانی گراوٹ انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اُن کے علماء کی توجہ بھی دین کے صرف ظاہری احکام اور قانونی پہلوؤں پر رہ گئی تھی اور وہ اصل مقاصدِ دین کو بھول چکے تھے۔ دین کی اصل رُوح نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ اس سارے بگاڑ کی اصلاح کے لیے حضرت مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص منہج' ایک خاص طریقہ کار عطا فرمایا۔ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں میں مبعوث کیا گیا جو مشرک تھے' اَن پڑھ تھے' کسی نبی کے نام سے ناواقف تھے سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔ ان کا احترام بھی وہ اپنے جدِ امجد کے طور پر کرتے تھے' ایک نبی کے طور پر نہیں۔ کوئی شریعت ان میں موجود نہیں تھی' کوئی کتاب ان کے پاس نہیں تھی۔ گویا ''ضَلّ

ضَلٰلًا بَعِیۡدًا'' کی مجسّم تصویر! آپ ﷺ نے اپنی دعوت وتبلیغ کے ذریعے ان میں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک عظیم جماعت پیدا کی' انہیں حزب اللہ بنایا' اور پھر اس جماعت کو ساتھ لے کر آپ ﷺ نے کفر' شرک اور ائمہ کفر کے خلاف جہاد وقتال کیا' اور بالآخر اللہ کے دین کو اس معاشرے میں قائم کر دیا۔ یہ منہاج ہے محمدٌ رسول اللہ ﷺ کا۔ تو یہ مفہوم ہے اس آیت کا ﴿لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا ؕ﴾ ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک منہاج (طریقہ کار' منہج عمل) مقرر کیا ہے''۔ اس لحاظ سے یہ آیت بہت اہم ہے۔

﴿وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ''اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا''

﴿وَّلٰكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ﴾ ''مگر اُس نے چاہا کہ وہ اس چیز میں تمہاری آزمائش کرے جو اُس نے تم کو عطا کی''

یعنی اللہ کی حکمت اس کی متقاضی ہوئی کہ جس کو جو جو کچھ دیا گیا ہے اس کے حوالے سے اس کو آزمائے۔ چنانچہ اب ہمارے لیے اصل اُسوہ نہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام' بلکہ ﴿لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱) کے مصداق ہمارے لیے اُسوہ ہے تو صرف محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اگر شادی نہیں کی تو یہ ہمارے لیے اُسوہ نہیں ہے۔ ہمیں تو حضور ﷺ کے فرمان کو پیش نظر رکھنا ہے' جنہوں نے فرمایا: ((اَلنِّكَاحُ مِنۡ سُنَّتِیۡ))(۱) ''نکاح میری سنت میں سے ہے''۔ اور مزید فرمایا: ((فَمَنۡ رَغِبَ عَنۡ سُنَّتِیۡ فَلَيۡسَ مِنِّیۡ))(۲) ''پس جس نے میری سنت کو لائق التفات نہ سمجھا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں''۔ تو واقعہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ ہی کی طرف سے مبعوث تھے' اور ہر ایک کے لیے جو بھی طریقہ اللہ تعالیٰ نے مناسب سمجھا وہ ان کو عطا کیا' البتہ ہمارے لیے قابلِ تقلید منہاجِ محمدی ﷺ ہے۔ اب ہم پر فرض ہے کہ اس منہج انقلابِ نبویؐ کا گہرا شعور حاصل کریں' پھر اس راستے پر اُسی طرح چلیں جس طرح حضور ﷺ چلے۔ جس طرح آپؐ نے دین کو قائم کیا' غالب کیا' ایک نظام برپا کیا' پھر اُس نظام کے تحت اللہ کا قانون نافذ کیا' اُسی طرح ہم بھی اللہ کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔

﴿فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ﴾ ''تو تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔''

﴿اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا﴾ ''اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے''

﴿فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ۙ﴿۴۸﴾﴾ ''تو وہ تمہیں جتلا دے گا ان چیزوں کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔''

آیت ۴۹ ﴿وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ﴾ ''اور فیصلے کیجیے ان کے مابین اس (شریعت) کے مطابق جو کہ اللہ نے اُتاری ہے''

---

(۱) سنن ابن ماجه' كتاب النكاح' باب ما جاء فی فضل النكاح۔

(۲) صحيح البخاری' كتاب النكاح' باب الترغيب فی النكاح۔ وصحيح مسلم' كتاب النكاح' باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه اليه ......

﴿وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ﴾ ''اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے''
آج ہمارا کیا حال ہے؟ ہم کن لوگوں کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں؟ آج ہم احکامِ الٰہی کو پس پشت ڈال کر اپنے سیاسی پیشواؤں کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ جو چاہتے ہیں قانون بنا دیتے ہیں' جو چاہتے ہیں فیصلہ کر دیتے ہیں اور پوری قوم اس کی پابند ہوتی ہے۔ ہم اس جال سے اسی صورت میں نکل سکتے ہیں کہ ایک زبردست جماعت بنائیں' طاقت پیدا کریں' ایک بھرپور تحریک اٹھائیں' قربانیاں دیں' جانیں لڑائیں تاکہ یہ موجودہ نظام تبدیل ہو' اللہ کا دین قائم ہو' اور پھر اس دین کے مطابق ہمارے فیصلے ہوں۔ یہاں حضور ﷺ کو ایک بار پھر سے تاکید کی جا رہی ہے کہ آپ ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے اور اللہ کے احکام کے مطابق فیصلے کیجیے۔

﴿وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ ؕ﴾ ''اور ان سے ہوشیار رہیے' ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ آپ کو ان میں سے کسی چیز سے بچلا دیں جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہیں۔''
یعنی ہر طرف سے دباؤ آئے گا' لیکن آپ کو ثابت قدمی سے کھڑے رہنا ہے اُس شریعت پر جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔

﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا﴾ ''پھر اگر وہ روگردانی کریں''

﴿فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ ؕ﴾ ''تو جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔''
یہ دراصل لرزا دینے والا مقام ہے۔ اگر ہم اپنے اس ملک کے اندر اسلام کو قائم نہیں کرتے اور ہماری ساری کوششوں کے باوجود دین نافذ نہیں ہو رہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عذاب کا کوئی کوڑا مقدر ہو چکا ہے۔ واضح الفاظ میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اللہ کے احکامات سے مُنہ موڑیں' شریعت کے فیصلوں کا انکار کریں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ درحقیقت ان کے گناہوں کی پاداش میں ان پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے اور ﴿اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌ ﴿۱۲﴾﴾ (البروج) کے مصداق انہیں کوئی سزا دینا چاہتا ہے۔

﴿وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾﴾ ''اور اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ لوگوں میں سے اکثر فاسق (نافرمان) ہیں۔''

آیت ۵۰ ﴿اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ ؕ﴾ ''تو کیا یہ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟''
جاہلیت سے مراد حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے کا دور ہے۔ یعنی کیا قانونِ الٰہی نازل ہو جانے کے بعد بھی یہ لوگ جاہلیت کے دستور' اپنی روایات اور اپنی رسومات پر عمل کرنا چاہتے ہیں؟ جیسا کہ ہندوستان میں مسلمان زمیندار انگریز کی عدالت میں کھڑے ہو کر کہہ دیتے تھے کہ ہمیں اپنی وراثت کے مقدمات میں شریعت کا فیصلہ نہیں چاہیے بلکہ رواج کا فیصلہ چاہیے۔

﴿وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾﴾ ''اور اللہ کے حکم (اور فیصلے) سے بہتر کس کا

حکم ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھنے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اس یقین اور ایمانِ حقیقی کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ (آمین!)

آیات ۵۱ تا ۵۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ
يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ
اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا
خٰسِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ
وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا
يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ
يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ع ۸ ۱۲

آیت ۵۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ﴾ ''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دلی دوست (حمایتی اور پشت پناہ) نہ بناؤ۔''

﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ﴾ ''وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

ان میں سے بعض بعض کے پشت پناہ اور مددگار ہیں۔ یہ درحقیقت ایک پیشین گوئی تھی جو اس دور میں آ کر پوری ہوئی ہے۔ جب قرآن نازل ہوا تو صورت حال وہ تھی جو ہم قبل ازیں (اس سورۃ کی آیت ۱۴ میں) پڑھ آئے ہیں: ﴿فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ﴾ ''پس ہم نے ان کے مابین عداوت اور بغض کی آگ بھڑکا دی روزِ قیامت تک کے لیے''۔ چنانچہ عیسائیوں اور یہودیوں کے مابین ہمیشہ شدید دشمنی رہی ہے اور آپس میں کشت و خون ہوتا رہا ہے' لیکن زیر نظر الفاظ ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ میں جو پیشین گوئی تھی وہ بیسویں صدی میں آ کر پوری ہوئی ہے۔ بالفور ڈیکلریشن (۱۹۱۷ء) کے بعد کی صورتِ حال میں ان کا باہمی گٹھ جوڑ شروع ہوا' جس کے نتیجے میں برطانیہ اور امریکہ کے زیر اثر اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی' اور اب بھی اگر وہ قائم ہے تو اصل میں انہی عیسائی ملکوں کی پشت پناہی کی وجہ سے قائم ہے۔ عیسائی اب یہودیوں کی اس لیے پشت پناہی کر رہے ہیں کہ اُن کی ساری معیشت یہودی بینکاروں کے زیر تسلّط ہے۔ عیسائیوں کی معیشت پر

یہودیوں کے قبضہ کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کا یہ گٹھ جوڑ اس درجہ مستحکم ہو چکا ہے کہ آج عیسائیوں کی پوری عسکری طاقت یہودیوں کی پشت پر ہے۔

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ﴾ ''اور تم میں سے جو کوئی ان سے دلی دوستی رکھے گا تو وہ ان ہی میں سے ہوگا۔''

یعنی جو کوئی ان سے دوستی کے معاہدے کرے گا' ان سے نصرت و حمایت کا طلب گار ہوگا' ہماری نگاہوں میں وہ یہودی یا نصرانی شمار ہوگا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۱﴾ ''یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آج ہمارے اکثر مسلمان ممالک کی پالیسیاں کیا ہیں اور اس سلسلے میں قرآن کا فتویٰ کیا ہے' وہ آپ کے سامنے ہے۔

آیت ۵۲ ﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ''تو تم دیکھتے ہو ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے''

﴿يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ﴾ ''وہ انہی کے اندر گھسنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں''

فلاں ملک سے دوستی کا معاہدہ' فلاں سے مدد کی درخواست' فلاں سے حمایت کی توقع' ان کی ساری بھاگ دوڑ' تگ و دو' خارجہ پالیسی ''يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ'' کی عملی تصویر ہے۔ اس لیے کہ ان کے دلوں میں روگ یعنی نفاق ہے۔ اگر اللہ پر ایمان ہو' اعتماد اور یقین ہو' اس سے خلوص اور اخلاص کا رشتہ ہو تو پھر اُسی سے نصرت و حمایت کی امید ہو اور ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ (محمد:۷) کے وعدے پر یقین ہو!

﴿يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ﴾ ''وہ کہتے ہیں ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم گردشِ زمانہ (اور کسی مصیبت کے چکر) میں نہ پھنس جائیں۔''

یعنی ہم یہود و نصاریٰ سے اس لیے تعلقات استوار کر رہے ہیں کہ کل کلاں کسی ناگہانی آفت سے بچ سکیں۔

﴿فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ﴾ ''تو بہت ممکن ہے اللہ تعالیٰ جلد ہی فتح لے آئے یا اپنے پاس سے کوئی اور فیصلہ صادر فرما دے''

﴿فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝۵۲﴾ ''تو پھر جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اس پر انہیں نادم ہونا پڑے۔''

انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جن کی دوستی کا سہارا انہوں نے اپنے زعم میں لے رکھا تھا وہی انہیں دھوکا دے رہے ہیں' ع ''جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے!''

آیت ۵۳ ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ﴾ ''اور (اُس وقت) اہلِ ایمان کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ وہ

تو تمہارے ساتھ ہیں۔''

﴿حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ﴿۵۳﴾﴾ ''ان کے تمام اعمال اکارت ہو جائیں گے اور وہ خسارے والے بن کر رہ جائیں گے۔''

اب جو تین آیتیں آ رہی ہیں ان میں اُن اہلِ ایمان کا ذکر ہے جو پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ اللہ کے راستے میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی توفیق دے کہ کمر ہمت کس کر اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ احساس پیدا فرما دے کہ اُس کی شریعت کو نافذ کرنا ہے اور الکافِرون' الظالِمُون اور الفاسِقون (المائدۃ: ۴۴' ۴۵ اور ۴۷) کی صفوں سے باہر نکلنا ہے۔ اس طرح کی جدوجہد میں محنت کرنا پڑتی ہے' مشکلات برداشت کرنا پڑتی ہیں' تکالیف سہنا پڑتی ہیں۔ ایسے حالات میں بعض اوقات انسان کے قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں اور عزم و ہمت میں کچھ کمزوری آنے لگتی ہے۔ ایسے موقع پر اس راہ کے مسافروں کی ایک خاص ذہنی اور نفسیاتی کیفیت ہوتی ہے۔ اس حوالے سے یہ تین آیات نہایت اہم اور جامع ہیں۔

آیت ۵۴ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ﴾ ''اے ایمان والو! جو کوئی بھی پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے''

﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ﴾ ''تو اللہ (کو کوئی پرواہ نہیں' وہ) عنقریب (تمہیں ہٹا کر) ایک ایسی قوم کو لے آئے گا''

﴿يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ﴾ ''جنہیں اللہ محبوب رکھے گا اور وہ اُسے محبوب رکھیں گے''

﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''وہ اہلِ ایمان کے حق میں بہت نرم ہوں گے''

﴿اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ﴾ ''کافروں پر بہت بھاری ہوں گے''

﴿يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے''

﴿وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ﴾ ''اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں کریں گے۔''

یہاں پر جو لفظ يَّرْتَدَّ آیا ہے اس کے مفہوم میں ایک تو قانونی اور ظاہری ارتداد ہے۔ جیسے ایک شخص اسلام کو چھوڑ کر کافر ہو جائے' یہودی یا نصرانی ہو جائے۔ یہ تو بہت واضح قانونی ارتداد ہے' لیکن ایک باطنی ارتداد بھی ہے' یعنی اُلٹے پاؤں پھرنے لگنا' پسپائی اختیار کر لینا۔ اوپر اسلام کا لبادہ تو جوں کا توں ہے' لیکن فرق یہ واقع ہو گیا ہے کہ پہلے غلبہ دین کی جدوجہد میں لگے ہوئے تھے' محنتیں کر رہے تھے' وقت لگا رہے تھے' ایثار کر رہے تھے' انفاق کر رہے تھے' بھاگ دوڑ کر رہے تھے' اور اب کوئی آزمائش آئی ہے تو ٹھٹک کر کھڑے رہ گئے ہیں۔ جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۲۰) میں ارشاد ہے: ﴿كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ﴾ ''جب ذرا

روشنی ہوتی ہے ان پر تو اس میں کچھ چل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں''۔اب کیفیت یہ ہے کہ نہ صرف کھڑے رہ گئے ہیں بلکہ کچھ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ایسی کیفیت کے بارے میں فرمایا گیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تمہارا محتاج ہے' بلکہ تم اللہ کے محتاج ہو۔تمہیں اپنی نجات کے لیے اپنے اس فرض کو ادا کرنا ہے۔اگر تم نے پسپائی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہٹائے گا اور کسی دوسری قوم کو لے آئے گا' کسی اور کے ہاتھ میں اپنے دین کا جھنڈا تھمادے گا۔

یہاں پر مؤمنین صادقین کے اوصاف کے ضمن میں جو تین جوڑے آئے ہیں ان پر ذرا دوبارہ غور کریں:

(۱)﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ﴾ ''اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔'' (اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!)

(۲)﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''وہ اہلِ ایمان کے حق میں بہت نرم ہوں گے' کافروں پر بہت سخت ہوں گے''۔یہی مضمون سورۃ الفتح (آیت ۲۹) میں دوسرے انداز سے آیا ہے:﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ ''آپس میں بہت رحیم و شفیق' کفار پر بہت سخت''۔بقولِ اقبالؔ:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

(۳)﴿يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ ''اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں کریں گے''۔ان کے رشتہ دار اُن کو سمجھائیں گے' دوست احباب نصیحتیں کریں گے کہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ تم fanatic ہو گئے ہو؟ تمہیں اولاد کا خیال نہیں' اپنے مستقبل کی فکر نہیں! مگر یہ لوگ کسی کی کوئی پروا نہیں کریں گے' بس اپنی ہی دھن میں مگن ہوں گے۔اور ان کی کیفیت یہ ہوگی:

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی
خیریتِ جاں' راحتِ تن' صحتِ داماں سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری تنہا پسِ زنداں' کبھی رسوا سرِ بازار
کڑکے ہیں بہت شیخ سرِ گوشۂ منبر گرجے ہیں بہت اہلِ حکم بر سرِ دربار

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت
اِس عشق' نہ اُس عشق پہ نادم ہے مگر دل ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغِ ندامت!

یہ ایک کردار ہے جس کو واضح کرنے کے لیے دو دو اوصاف کے یہ تین جوڑے آئے ہیں۔ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں اس کردار کو عملاً اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''یہ اللہ کا فضل ہے' جس کو چاہے عطا کرتا ہے' اور اللہ بہت وسعت رکھنے والا' سب کچھ جاننے والا ہے''۔

اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں ہے۔اگر تم اپنے بھائیوں' عزیزوں' دوستوں' ساتھیوں اور رفیقوں کو دیکھتے ہو

کہ ان پر اللہ کا بڑا فضل ہوا ہے' انہوں نے کیسے کیسے مرحلے سَر کر لیے ہیں' کیسی کیسی بازیاں جیت لیں ہیں' تو تم بھی اللہ سے اس کا فضل طلب کرو۔ اللہ تمہیں بھی ہمت دے گا۔ اس لیے کہ اس دین کے کام میں اس قسم کا رشک بہت پسندیدہ ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رشک آیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر۔ جب غزوۂ تبوک کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا حکم دیا تو آپؓ نے سوچا کہ آج تو میں ابوبکرؓ سے بازی لے جاؤں گا' کیونکہ اتفاق سے اِس وقت میرے پاس خاصا مال ہے۔ چنانچہ انہوںؓ نے اپنے پورے مال کے دو برابر حصے کیے' اور پورا ایک حصہ یعنی آدھا مال لا کر حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں جو کچھ تھا وہ سب لے آئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا میں نے جان لیا کہ ابوبکرؓ سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکتا۔ تو دین کے معاملے میں اللہ کا حکم ہے: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ (المائدۃ:۴۸) یعنی نیکیوں میں' خیر میں' بھلائی میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں رہو!

اب پھر اہلِ ایمان کو دوستانہ تعلقات کے معیار کے بارے میں خبردار کیا جا رہا ہے۔ اہل ایمان کی دلی دوستی کفار سے' یہود ہنود اور نصاریٰ سے ممکن ہی نہیں' اس لیے کہ یہ ایمان کے منافی ہے۔ اگر دین کی غیرت و حمیت ہوگی' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت دل میں ہوگی تو ان کے دشمنوں سے دلی دوستی ہو ہی نہیں سکتی۔

آیت ۵۵ ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ ''تمہارے ولی تو اصل میں بس اللہ' اُس کا رسول (ﷺ) اور اہلِ ایمان ہیں''

تمہارے دوست' پشت پناہ' حمایتی' معتمد اور راز دار تو بس اللہ' اُس کا رسول ﷺ اور اہلِ ایمان ہیں۔ اور یہ اہلِ ایمان بھی پیدائشی اور قانونی مسلمان نہیں' بلکہ:

﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں جھک کر۔''

یہاں وَهُمْ رٰكِعُوْنَ کا مطلب ''وہ رکوع کرتے ہیں'' صحیح نہیں ہے۔ یہ درحقیقت زکوٰۃ دینے کی کیفیت ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں فروتنی کرتے ہوئے۔ ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۲۷۳) میں پڑھ آئے ہیں کہ سب سے بڑھ کر انفاق فی سبیل اللہ کے مستحق کون لوگ ہیں: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ......﴾ جو اللہ کے دین کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف ہیں اور ان کے پاس اب اپنی معاشی جدوجہد کے لیے وقت نہیں ہے۔ لیکن وہ فقیر تو نہیں کہ آپ سے جھک کر مانگیں' یہ تو آپ کو جھک کر' فروتنی کرتے ہوئے ان کی مدد کرنا ہوگی۔ آپ انہیں دیں اور وہ قبول کر لیں تو آپ کو ان کا ممنونِ احسان ہونا چاہیے۔

آیت ۵۶ ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اور جو کوئی دوستی قائم کرے گا اللہ' اُس کے رسول (ﷺ) اور ایمان والوں کے ساتھ''

یوں سمجھ لیں کہ یہاں یہ فقرہ محذوف ہے: ''تو وہ شامل ہو جائے گا حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) میں۔''

﴿فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''پس سن لو کہ حزب اللہ ہی غالب رہنے والی ہے۔''

یہ شرائط پہلے پوری کی جائیں' ان تمام معیارات پر پورا اترا جائے' اللہ تعالیٰ کے وعدے پر ایمان رکھا جائے' تو پھر یقیناً حزب اللہ ہی غالب رہے گی۔

آیات ۵۷ تا ۶۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى
الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ
تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ
فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ
عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ
سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ
اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ
السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ
وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ
اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا
مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ
لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ
رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ
سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع

آیت ۵۷ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ﴾ ''اے اہلِ ایمان' ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی تھی تم سے پہلے اور دوسرے کافروں میں سے بھی۔''

پھر وہی بات فرمائی گئی کہ مشرکین اور اہلِ کتاب میں سے کسی کو اپنا ولی اور دوست نہ بناؤ۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اگر تم مؤمن ہو۔''

آیت ۵۸ ﴿وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ﴾ ''اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو یہ لوگ اس کو مذاق اور کھیل بنالیتے ہیں۔''

یعنی اذان کی آواز سن کر اس کی نقلیں اتارتے ہیں اور تمسخر کرتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾﴾ ''یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ عقل سے عاری ہیں۔''

آیت ۵۹ ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہیے کہ اے کتاب والو''

﴿هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ﴾ ''تم کس بات کا انتقام لے رہے ہو ہم سے؟''

﴿اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ''سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر''

﴿وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ ''اور (اس پر) جو ہم پر نازل کیا گیا''

﴿وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور (اس پر بھی) جو پہلے نازل کیا گیا''

﴿وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ ''اور حقیقت یہ ہے کہ تمہاری اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔''

آیت ۶۰ ﴿قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''آپ (ﷺ) کہیے کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر سزا پانے والے کون ہیں؟''

﴿مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ﴾ ''(وہ لوگ ہیں) جن پر اللہ نے لعنت کی''

﴿وَغَضِبَ عَلَيْهِ﴾ ''اور جن پر وہ غضب ناک ہوا''

﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ﴾ ''اور جن میں سے اُس نے بندر اور خنزیر بنادیے''

﴿وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ﴾ ''اور جنہوں نے شیطان کی بندگی کی۔''

﴿اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾﴾ ''یہ سب کے سب بہت بُرے مقام میں ہیں اور بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں سیدھے راستے سے۔''

آیت ۶۱ ﴿وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا﴾ ''اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے''

﴿وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ﴾ ''حالانکہ وہ داخل بھی ہوئے تھے کفر کے ساتھ اور نکلے بھی ہیں کفر کے ساتھ۔''

میرے نزدیک یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر سورۂ آل عمران (آیت ۷۲) میں آیا ہے' جنہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ۔ ان کے بارے میں یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور کفر کے ساتھ ہی نکلے ہیں' ایک لمحہ کے لیے بھی انہیں ایمان کی حلاوت نصیب نہیں

ہوئی۔ وہ شعوری طور پر فیصلہ کر چکے تھے کہ رہنا تو ہمیں اپنے دین پر ہے' لیکن اسلام کی جو ساکھ بن گئی ہے اس کو نقصان پہنچانے کی خاطر ہم یہ دھوکہ اور سازش کر رہے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا كَانُوۡا يَكۡتُمُوۡنَ﴿۶۱﴾﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپائے ہوئے تھے۔''

آیت ۶۲ ﴿وَتَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ﴾ ''اور تم دیکھو گے ان میں سے اکثر کو کہ بہت بھاگ دوڑ کرتے ہیں گناہ اور ظلم و زیادتی (کے کاموں) میں''

﴿وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ﴾ ''اور حرام کے مال کھانے میں۔''

﴿لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ﴿۶۲﴾﴾ ''بہت ہی برا عمل ہے جو وہ کر رہے ہیں!''

آیت ۶۳ ﴿لَوۡلَا يَنۡهٰٮهُمُ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ﴾ ''کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے درویش (صوفی اور پیرو مرشد) اور علماء وفقہاء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام خوری سے؟''

آج ہمارے ہاں بھی اکثر و بیشتر پیر اپنے مریدوں کو حرام خوری سے منع نہیں کرتے۔ انہیں اس میں سے نذرانے مل جانے چاہئیں' اللہ اللہ خیر سلا۔ کہاں سے کمایا؟ کیسے کمایا؟ اس سے کوئی بحث نہیں۔ حالانکہ اللہ والوں کا کام تو برائی سے روکنا ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دینا ہے۔

﴿لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ﴿۶۳﴾﴾ ''بہت بُرا ہے وہ کام جو وہ کر رہے ہیں۔''

آیت ۶۴ ﴿وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ يَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ﴾ ''اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا۔''

ان کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ اللہ کی رحمت جو ہمارے لیے تھی وہ بند ہو گئی ہے' نبوت کی رحمت ہمارے لیے مختص تھی اور اب یہ دستِ رحمت ہماری طرف سے بند ہو گیا ہے۔ یا اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے جو منافقین کہا کرتے تھے کہ اللہ ہم سے قرضِ حسنہ مانگتا ہے تو گویا اللہ فقیر ہو گیا ہے (نعوذ باللہ) اور ہم اغنیاء ہیں۔ جواب میں فرمایا گیا:

﴿غُلَّتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ﴾ ''ان کے ہاتھ بندھ گئے ہیں'' یا ''بندھ جائیں ان کے ہاتھ''

﴿وَلُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا﴾ ''اور ان پر لعنت ہے اس کے سبب جو انہوں نے کہا''

﴿بَلۡ يَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ﴾ ''بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ تو کھلے ہوئے ہیں''

﴿يُنۡفِقُ كَيۡفَ يَشَآءُ﴾ ''وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے۔''

﴿وَلَيَزِيۡدَنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا﴾ ''اور یقیناً اضافہ کرے گا ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر میں جو کچھ (اے نبی ﷺ!) نازل کیا گیا ہے آپ پر آپ کے ربّ کی طرف سے۔''

یعنی ضد میں آ کر انہوں نے حق و صداقت پر مبنی اس کلام کی مخالفت شروع کر دی ہے۔ مزید بر آں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جیسے جیسے جو جو احسانات بھی آپؐ پر اور آپؐ کے ساتھیوں پر ہو رہے ہیں' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جو غنیمتیں دے رہا ہے' دین کو رفتہ رفتہ جو غلبہ حاصل ہو رہا ہے' اس کے حسد کے نتیجے میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی

بڑھتی جارہی ہے۔صلح حدیبیہ کے بعد تو خاص طور پر عرب کے اندر بہت تیزی کے ساتھ صورتحال بدلنی شروع ہوگئی تھی۔اس کے نتیجے میں بجائے اس کے کہ یہ لوگ سمجھ جاتے کہ واقعی یہ اللہ کی طرف سے حق ہے اور یک سوہو کر اس کا ساتھ دیتے' ان کے اندر کی جلن اور حسد کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔

﴿وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ ''اور ہم نے ان کے مابین قیامت تک کے لیے دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔''

﴿كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ﴾ ''جب کبھی یہ آگ بھڑکاتے ہیں جنگ کے لیے اللہ اُس کو بجھادیتا ہے''

جنگ کی آگ بھڑکانے کے لیے یہودی اکثر سازشیں کرتے رہتے تھے۔خاص طور پر غزوۂ احزاب تو ان ہی کی سازشوں کے نتیجے میں برپا ہوا تھا۔مدینے کے یہودی قبائل عرب کے پاس جا جا کر' اِدھر اُدھر وفد بھیج کر لوگوں کو جمع کرتے تھے کہ آؤ تم باہر سے حملہ کرو' ہم اندر سے تمہاری مدد کریں گے۔ان کی انہی سازشوں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ جب بھی وہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بجھادیتا ہے۔

﴿وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ﴾ ''اور (پھر بھی) یہ زمین میں فساد مچانے کے لیے بھاگ دوڑ کرتے رہتے ہیں۔''

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾﴾ ''اور اللہ ایسے مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیت ۶۵ ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ ''اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے''

﴿لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ ''تو ہم اُن سے اُن کی برائیوں کو دور کردیتے''

﴿وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾﴾ ''اور ہم لازماً انہیں داخل کرتے نعمتوں والے باغوں میں۔''

جو آیت آگے آرہی ہے اس پر غور کیجیے اور اسے خود پر بھی منطبق کرکے ذرا سوچیے۔

آیت ۶۶ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''اور اگر انہوں نے قائم کیا ہوتا تورات کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل کیا گیا تھا ان پر اِن کے رب کی طرف سے''

﴿لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ﴾ ''تو یہ کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی۔''

یعنی ہم نے انہیں تورات اس لیے دی تھی کہ اس کے احکامات کو نافذ کیا جائے۔اسی سورت کے ساتویں رکوع (آیات ۴۴ تا ۵۰) میں اس کا مفصل ذکر ہم پڑھ آئے ہیں کہ کس طرح انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے فیصلے تورات کے احکامات کے مطابق کرو۔اس سے اگلا مرحلہ اس پورے نظام کے نفاذ کا تھا جو تورات نے دیا تھا۔اس کے بارے میں فرمایا جارہا ہے' کہ اگر انہوں نے اللہ کا وہ نظام قائم کیا ہوتا تو ان کے اوپر سے بھی ان کے

رب کی طرف سے نعمتوں کی بارش ہوتی اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دھارے پھوٹتے۔ اسی طرح ہم پر بھی فرض ہے کہ ہم بھی قرآن کے نظام کو قائم کریں۔

﴿مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ﴾ ”ان میں کچھ لوگ ہیں جو درمیانی (یعنی سیدھی) راہ پر ہیں۔“

﴿وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾﴾ ”لیکن ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو بہت بری حرکتیں کر رہے ہیں۔“

ان کا عمل اور رویہ نہایت غلط ہے۔

آیات ۶۷ تا ۷۷

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ
يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى
شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا
مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ
اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾
وَحَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ
الْمَسِيْحُ يٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ
عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ
ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٤﴾ مَا
الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ
الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا
فِیْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ
سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾ ع

آیت ۶۷ ﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ﴾ ''اے رسول (ﷺ) پہنچا دیجیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے۔''

﴿وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ﴾ ''اور اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپؐ نے اُس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔''

اپنے مضمون کے اعتبار سے یہ بہت سخت آیت ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اگر وحی میں کہیں رسول اللہ ﷺ پر تنقید نازل ہوئی ہے تو وہ بھی قرآن میں جوں کی توں موجود ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ ایسی چیزوں کو چھپا لیا گیا ہو۔ تیسویں پارے میں سورۃ عبس کی ابتدائی آیات ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ②﴾ بھی ویسے ہی موجود ہیں جیسے نازل ہوئی تھیں۔ سورۂ آل عمران میں بھی ہم پڑھ کر آئے ہیں کہ حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا: ﴿لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ......﴾ (آیت ۱۲۸)۔ ظاہر ہے اَلْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی' وَالرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلَ! ''بندہ بندہ ہی رہتا ہے چاہے کتنا ہی بلند ہو جائے اور رب رب ہی ہے چاہے کتنا ہی نزول فرمالے''۔ اس طرح کی آیات اپنی جگہ پر من وعن موجود ہیں' اور یہ قرآن کے محفوظ من اللہ ہونے پر حجت ہیں۔ آیت زیر نظر میں تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ وحیٔ الٰہی میں سے کوئی چیز کسی وجہ سے پہنچنے سے رہ نہ جائے۔ لوگوں کے خوف سے یا اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے بالفرض اگر ایسا ہوا تو گویا آپ ﷺ فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کا ثبوت دیں گے۔

﴿وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾ ''اور اللہ آپؐ کی حفاظت کرے گا لوگوں سے۔''

آپ کو لوگوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿٦٧﴾﴾ ''یقیناً اللہ کافروں کو راہ یاب نہیں کرتا۔''

آیت ۶۸ ﴿قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے: اے کتاب والو تم کسی چیز پر نہیں ہو''

تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے' کوئی مقام نہیں ہے' کوئی جڑ بنیاد نہیں ہے' تم ہم سے ہم کلام ہونے کے مستحق نہیں ہو۔

﴿حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ﴾ ''جب تک تم قائم نہ کرو تورات اور انجیل کو اور جو کچھ نازل کیا گیا ہے تم پر تمہارے رب کی طرف سے۔''

اب اُمت مسلمہ کے حوالے سے اس آیت کو آپ اس طرح پڑھ لیجیے: یٰٓاَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا الْقُرْاٰنَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ''اے قرآن کے ماننے والو! تمہاری کوئی حیثیت نہیں......'' تم سمجھتے ہو کہ ہم اُمتِ مسلمہ ہیں' اللہ والے ہیں' اللہ کے لاڈلے اور پیارے ہیں' اللہ کے آخری

رسول ﷺ کے اُمتی ہیں۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ ذلّت وخواری تمہارا مقدر بنی ہوئی ہے' ہر طرف سے تم پر یلغار ہے' عزت و وقار نام کی کوئی شے تمہارے پاس نہیں رہی۔ تم کتنی ہی تعداد میں کیوں نہ ہو' دنیا میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں' بلکہ تم اس سے زیادہ بے توقیری کے لیے بھی تیار رہو۔ یاد رکھو! ''تمہاری کوئی اصل نہیں جب تک تم قائم نہ کرو قرآن کو اور اس کے ساتھ جو کچھ مزید تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے''۔ قرآن وحی جلی ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کو وحی خفی کے ذریعے سے بھی تو احکامات ملتے تھے اور سنت رسولؐ وحی خفی کا ظہور ہی تو ہے۔ تو جب تک تم کتاب وسنت کا نظام قائم نہیں کرتے' تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ ''یَا اَهْلَ الْقُرْآنِ'' کا خطاب خود حضور ﷺ نے ہمیں دیا ہے۔ میرے کتابچے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' میں وہ حدیث موجود ہے جس میں حضور ﷺ سے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:

((يَا اَهْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ' وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ' وَاَفْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ))(۱)

''اے اہلِ قرآن' قرآن کو اپنا تکیہ نہ بنالینا' بلکہ اسے پڑھا کرو رات کے اوقات میں بھی اور دن کے اوقات میں بھی' جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے' اور اسے عام کرو اور خوش الحانی سے پڑھو اور اس میں تدبر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ''

﴿وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ﴾ ''لیکن (اے نبی ﷺ!) جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے یہ ان کے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں یقیناً اضافہ کرے گا۔''

ان کی سرکشی اور طغیانی میں اور اضافہ ہوگا' ان کی مخالفت اور بڑھتی چلی جائے گی' حسد کی آگ میں وہ مزید جلتے چلے جائیں گے۔

﴿فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾﴾ ''تو آپؐ ان کافروں کے بارے میں افسوس نہ کریں۔''

نبی چونکہ اپنی اُمت کے حق میں نہایت رحیم وشفیق ہوتا ہے لہٰذا قوم پر عذاب کے تصور سے اسے صدمہ ہوتا ہے۔ پھر خصوصاً جب وہ لوگ اپنی برادری بھی ہوں' جیسا کہ بنی اسماعیلؑ تھے' تو یہ رنج وصدمہ دوچند ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب قریشِ مکہ کے بارے میں سورۂ یونسؑ اور سورۂ ہودؑ میں عذاب کی خبریں آنا شروع ہوئیں تو حضور ﷺ بہت فکرمند اور غمگین رہتے۔ اس فکر اور تشویش کی وجہ سے آپؐ کے بالوں میں یک دم سفیدی آ گئی۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا' حضور ﷺ کیا ہوا؟ آپؐ پر بڑھاپا طاری ہو گیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَاَخَوَاتُهَا))(۲) ''مجھے سورۂ ہود اور اس کی بہنوں (ہم مضمون سورتوں) نے بوڑھا کر دیا ہے''۔

---

(۱) رواه البیهقی فی شعب الایمان' عن عبیدة المُلَیکی۔ مشکاة المصابیح' کتاب فضائل القرآن' باب آداب التلاوة ودروس القرآن۔

(۲) مشکاة المصابیح' کتاب الرقاق' باب البکاء والخوف' بحواله الترمذی۔ سلسلة الاحادیث الصحیحة للالبانی ۱۲ ۶٤۱ و ٦٤٢۔

ان سورتوں کا انداز ایسا ہے کہ جیسے اب مہلت ختم ہوئی چاہتی ہے اور عذاب کا دھارا چھوٹنے ہی والا ہے۔

آیت ۶۹ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰی﴾ ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے' اور وہ لوگ جو یہودی' صابی' اور نصاریٰ (عیسائی) ہوئے''

اس آیت میں تقریباً وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کے آٹھویں رکوع (آیت ۶۲) میں آ چکا ہے' جس سے بعض لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ شاید نجات کے لیے ایمان بالرسالت کی ضرورت نہیں ہے' حالانکہ سورۃ النساء (آیات ۵۰' ۵۱ اور ۵۲) میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے مابین تفریق کرنے والوں کے لیے بہت واضح انداز میں فرمایا گیا ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ ''وہی لوگ تو پکے کافر ہیں''۔ دوسری بات یہاں ذہن میں یہ رکھیے کہ ان تمام سورتوں میں محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت قدم قدم پر ہے' بار بار ہے' لہٰذا اس سے استغناء کا کوئی جواز رہتا ہی نہیں' سوائے اس کے کہ کسی کی نیت میں فساد ہو اور دل میں کجی پیدا ہو چکی ہو۔

﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۹﴾ ''(اپنے اپنے زمانے میں جس قوم اور جس گروہ سے) جو کوئی ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور اُس نے اچھے عمل کیے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم سے دوچار ہوں گے۔''

یہاں وہ تمام لوگ مراد ہیں جو اپنے اپنے دور میں اللہ اور آخرت پر ایمان و یقین رکھتے تھے اور اپنے وقت کے نبی اور گزشتہ انبیاء پر ایمان رکھتے تھے۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام سے ماقبل زمانہ میں یہودی تھے' جو کتاب اللہ تورات پر یقین رکھتے تھے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے تھے' دوسرے نبیوں کو مانتے تھے اور نیک عمل کرتے تھے۔ لیکن عمل کے معاملے میں اصل چیز اور اصل بنیاد اللہ کی رضاجوئی اور آخرت کی جزا طلبی ہے' جس سے کوئی عمل' عملِ صالح بنتا ہے۔

آیت ۷۰ ﴿لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ﴾ ''ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے۔''

یہاں بہت سے رسول بھیجنے سے مراد ہے بہت سے انبیاء بھیجے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں' قرآن مجید میں رسول کا لفظ نبی کی جگہ بھی استعمال ہوا ہے' البتہ جہاں تک لفظ رسول کے اصطلاحی مفہوم کا تعلق ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں رسول صرف ایک آئے ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام' باقی سب نبی تھے۔

﴿كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ﴾ ''(لیکن) جب بھی ان کے پاس کوئی رسول لے کر آیا وہ چیز جو ان کی خواہشاتِ نفس کے خلاف تھی''

﴿فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝۷۰﴾ ''تو ایک گروہ کو انہوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو وہ قتل کرتے رہے۔''

آیت ۷۱ ﴿وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ ''اور انہوں نے سمجھا کہ ان پر کوئی پکڑ نہیں آئے گی''

ہم پر کوئی عقوبت نہیں ہوگی‘ کوئی سرزنش نہیں ہوگی۔

﴿فَعَمُوْا وَصَمُّوْا﴾ ’’تو وہ بہرے بھی ہو گئے اور اندھے بھی ہو گئے‘‘

﴿ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ’’پھر اللہ نے انہیں معاف کر دیا‘‘

اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں فوراً نہیں پکڑا۔ انہیں توبہ کی مہلت دی‘ موقع دیا۔

﴿ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ﴾ ’’(نتیجہ یہ ہوا کہ) پھر ان میں سے اکثر لوگ اور زیادہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔‘‘

بجائے اللہ کے دامنِ رحمت میں آنے کے اپنی گمراہی میں اور بڑھتے چلے گئے۔

﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۷۱﴾ ’’اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔‘‘

آیت ۷۲ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ﴾ ’’یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابنِ مریم ہی ہے۔‘‘

یہ وہی بات ہے جو اس سے پہلے اسی سورۃ کی آیت ۱۷ میں آ چکی ہے‘ یعنی اللہ ہی نے مسیح علیہ السلام کی شخصیت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔

﴿وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ﴾ ’’جبکہ مسیحؑ نے تو کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل‘ بندگی اور پرستش کرو اللہ کی جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔‘‘

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾ ’’یقیناً جو بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ نے اُس پر جنت کو حرام کر دیا ہے‘‘

﴿وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۷۲﴾ ’’اور اُس کا ٹھکانہ آگ ہے‘ اور ایسے ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔‘‘

اب عیسائیوں کے شرک کی ایک دوسری شکل کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کا ایک عقیدہ تو خدا کی تجسیم (God incarnate) کا تھا۔ یہ ان میں سے ایک فرقے Jacobites کا عقیدہ تھا کہ خود اللہ تعالیٰ ہی نے عیسیٰؑ کی شکل میں انسانی روپ دھار لیا ہے۔ اوپر اسی عقیدے کا ذکر ہوا ہے‘ لیکن عیسائیوں کے ہاں ایک عقیدہ ’’تثلیث‘‘ کا بھی ہے‘ اور اس عقیدہ کی بھی ان کے ہاں دو شکلیں ہیں۔ ابتدا میں جو تثلیث تھی اس میں اللہ‘ حضرت مریمؑ اور حضرت مسیحؑ شامل تھے۔ یعنی ’’God the Father, God the Mother and God the Son.‘‘ دراصل یہ تثلیث مصر میں فراعنہ کے زمانے سے چلی آ رہی تھی۔ اسی کے اندر انہوں نے عیسائیت کو ڈھال دیا‘ تاکہ مصر کے لوگ آسانی سے عیسائیت قبول کر لیں۔ اس کے بعد حضرت مریمؑ کو اس تثلیث میں سے نکال دیا گیا اور Holy Ghost یا Holy Spirit (روح القدس) کو ان کی جگہ شامل کر لیا گیا اور اس طرح "God the father, God the Son and God the Holy Ghost" پر مشتمل تثلیث وجود میں آئی۔

آیت ۷۳ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ﴾ ''یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔''

﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ﴾ ''جبکہ حقیقتاً نہیں ہے کوئی الٰہ سوائے ایک ہی الٰہ کے۔''

﴿وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ﴾ ''اور اگر یہ باز نہ آئے اس سے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں''

﴿لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۳﴾ ''تو ان میں سے جو کافر ہیں ان پر بہت دردناک عذاب آ کر رہے گا۔''

آیت ۷۴ ﴿اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ﴾ ''تو کیا یہ لوگ اللہ کی جناب میں توبہ اور اُس سے استغفار نہیں کرتے؟''

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۴﴾ ''اور اللہ تو غفور اور رحیم ہے۔''

آیت ۷۵ ﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ﴾ ''مسیح ابن مریم اور کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ ایک رسول تھے۔''

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ﴾ ''ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔''

یہ بالکل وہی الفاظ ہیں جو سورۂ آل عمران (آیت ۱۴۴) میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آئے ہیں: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ﴾ ''محمد (ﷺ) اس کے سوا کیا ہیں کہ بس ایک رسول ہیں' اور آپؐ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں''۔ تو اسی طرح فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت اللہ کے ایک رسول کی ہے' جس طرح ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔

﴿وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ﴾ ''اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں۔''

قبل ازیں ہم سورۃ النساء (آیت ۶۹) میں پڑھ چکے ہیں کہ نبیوں کے بعد سب سے اونچا درجہ صدیقین کا ہے۔ خواتین کو اگرچہ نبوت تو نہیں ملی ہے لیکن انبیاء کے بعد کا جو دوسرا درجہ ہے اس میں بہت چوٹی کی حیثیتیں انہیں ملی ہیں۔ ہماری امت کی صِدّیقہ الکبریٰ یعنی سب سے بڑی صدیقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں (صِدّیق اکبر کی حیثیت اس اُمت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملی ہے)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی صدیقہ ہیں۔ اسی طرح حضرت مریمؑ بھی صدیقہ تھیں۔

﴿كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ﴾ ''وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔''

وہ ماں بیٹا دونوں انسان تھے' بشر تھے اور سارے بشری تقاضے ان کے ساتھ تھے۔

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۷۵﴾ ''دیکھو کس طرح ہم ان کے لیے اپنی آیات واضح کرتے ہیں' پھر دیکھو کہ وہ کہاں سے اُلٹا دیے جاتے ہیں۔''

آیت ۷۶ ﴿قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ﴾ ''آپؐ کہیے کیا تم

پوجتے ہو اللہ کے سوا انہیں جو تمہارے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نفع کا؟''

﴿وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾﴾ ''جبکہ اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

آیت ۷۷ ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ ''کہہ دیجیے اے اہلِ کتاب' اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو''

یہ تم نے حضرت عیسیٰ کو محبت اور عقیدت کی وجہ سے جو کچھ بنا دیا ہے' وہ سراسر مبالغہ ہے۔ حضور ﷺ کی شان میں بھی مبالغہ آرائی اگر لوگ کرتے ہیں تو محبت کی وجہ سے کرتے ہیں' عشق رسول ﷺ کے نام پر کرتے ہیں' عقیدت کے غلو کی وجہ سے کرتے ہیں۔ تو غلو (مبالغہ) درحقیقت انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ چنانچہ اس سے منع کیا جا رہا ہے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور مت پیروی کرو اُن لوگوں کی بدعات کی جو تم سے پہلے (خود بھی) گمراہ ہوئے''

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے' یہ تثلیث مصر میں زمانہ قدیم سے موجود تھی' اُسی کو انہوں نے اختیار کیا۔

﴿وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾﴾ ''اور انہوں نے بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔''

آیات ۷۸ تا ۸۶

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا
عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾
تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا
اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ
اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا
الجزء السابع (٧) نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ
اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓي اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا
فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاۗءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ
يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ
ع ٩ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾

آیت ۷۸ ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ﴾
''لعنت کی گئی اُن لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں سے' داؤدؑ کی زبان سے اور عیسیٰؑ ابنِ مریم کی زبان سے بھی۔''

بنی اسرائیل کا جو کردار رہا ہے اس پر ان کے انبیاء ان کو مسلسل لعن طعن کرتے رہے ہیں۔ عہد نامہ قدیم (Old Testament) میں حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالے سے اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ گوسپلز / عہد نامہ جدید (New Testament) میں حضرت مسیح علیہ السلام کے تنقیدی فرمودات بار بار ملتے ہیں' جن میں اکثر ان کے علماء' احبار اور صوفیاء مخاطب ہیں کہ تم سانپوں کے سنپولیے ہو۔ تمہارا حال ان قبروں جیسا ہے جن کے اوپر تو سفیدی پھری ہوئی ہے' مگر اندر گلی سڑی ہڈیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ تم نے اپنے اوپر صرف مذہبی لبادے اوڑھے ہوئے ہیں' لیکن تمہارے اندر خیانت بھری ہوئی ہے۔ تم مچھر چھانتے ہو اور سموچے اونٹ نگل جاتے ہو' یعنی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر تو زوردار بحثیں ہوتی ہیں جبکہ بڑے بڑے گناہ کھلے بندوں کرتے ہو۔ یہ تو یہودی قوم اور ان کے علماء کے کردار کی جھلک ہے ان کے اپنے نبی کی زبان سے' مگر دوسری طرف یہی نقشہ بعینہٖ آج ہمیں اپنے ہاں علماءِ سُوء میں بھی نظر آتا ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝﴾ ''یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی' اور وہ حدود سے تجاوز کر جاتے تھے۔''

آیت ۷۹ ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ﴾ ''یہ لوگ ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے اُن منکرات سے جو وہ کرتے تھے۔''

جس معاشرے سے نہی عن المنکر ختم ہو جائے گا' وہ پورا معاشرہ سنڈاس بن جائے گا۔ یہ تو گویا انتظامِ صفائی ہے۔ اس لیے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے اردگرد نگاہ رکھے' ایک دوسرے کو روکتا رہے کہ یہ کام غلط ہے' یہ مت کرو! جس معاشرے سے یہ تنقید اور احتساب ختم ہو جائے گا' اس کے اندر لازماً خرابی پیدا ہو جائے گی۔

﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝﴾ ''بہت ہی برا طرزِ عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔''

آیت ۸۰ ﴿تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ﴾ ''تم ان میں سے اکثر کو دیکھو گے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔''

خود کافروں کے حمایتی بنتے ہیں اور اپنے لیے ان کی حمایت تلاش کرتے ہیں۔

﴿لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ ''بہت ہی بُری کمائی ہے جو انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجی ہے''

یہ ان کے جو کرتوت ہیں وہ سب آگے اللہ کے ہاں جمع ہو رہے ہیں اور ان کا وبال ان پر آئے گا۔

﴿اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ''یہ کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا ان پر''

﴿وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝٨٠﴾ ''اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔''

آیت ۸۱ ﴿وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ﴾ ''اور اگر یہ ایمان لاتے اللہ پر اور نبی (ﷺ) پر اور اُس پر جو نبیؐ پر نازل کیا گیا (یعنی قرآن حکیم)''

﴿مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ ''تو پھر انہوں نے اِن (کافروں) کو اپنا ولی نہ بنایا ہوتا''

﴿وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨١﴾ ''لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔''

آیت ۸۲ ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ﴾ ''تم لازماً پاؤ گے اہلِ ایمان کے حق میں شدید ترین دشمن یہود کو اور ان کو جو مشرک ہیں۔''

یہ بہت اہم آیت ہے۔ مکہ کے بت پرست مشرکین مسلمانوں کے کھلے دشمن تھے' وہ سامنے سے حملہ کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں سے بدترین دشمنی یہود کی تھی' وہ آستین کے سانپ تھے اور سازشی انداز میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں مشرکینِ مکہ سے کہیں آگے تھے۔ آج بھی یہود اور بت پرست ہندو مسلمانوں کی دشمنی میں سب سے آگے ہیں۔ بت پرستی کا شرک اب تو صرف ہندوستان میں رہ گیا ہے' اور کہیں نہیں رہا۔ ہندوستان کے بھی اب یہ صرف نچلے طبقے میں ہے جبکہ عام طور پر اوپر کے طبقے میں نہیں ہے۔ لیکن بہرحال اب بھی مسلمانوں کے خلاف یہود اور ہنود (مشرکین) کا گٹھ جوڑ ہے۔

﴿وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ﴾ ''اور تم لازماً پاؤ گے مودّت کے اعتبار سے قریب ترین اہلِ ایمان کے حق میں اُن لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔''

یہ تاریخی حقیقت ہے اور سیرتِ محمد ﷺ سے ثابت ہے کہ جس طرح کی شدید دشمنی اُس وقت یہود نے آپ ﷺ سے کی ویسی نصاریٰ نے نہیں کی۔ حضرت نجاشیؒ (شاہِ حبشہ) نے اُس وقت کے مسلمان مہاجروں کو پناہ دی' مقوقس (شاہِ مصر) نے بھی حضور ﷺ کی خدمت میں ہدیے بھیجے۔ ہرقل نے بھی حضور ﷺ کے نامہ مبارک کا احترام کیا۔ وہ چاہتا بھی تھا کہ اگر میری پوری قوم مان لے تو ہم اسلام قبول کر لیں۔ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' جس کا ذکر سورۂ آل عمران (آیت ٦١) میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ وہ لوگ اگرچہ مسلمان تو نہیں ہوئے مگر ان کا رویہ انتہائی محتاط رہا۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی مخالفت میں وہ شدت نہ تھی جو یہودیوں کی مخالفت میں تھی۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝٨٢﴾ ''یہ اس لیے کہ ان (عیسائیوں) میں عالم بھی موجود ہیں اور درویش بھی اور (اس لیے بھی کہ) وہ تکبر نہیں کرتے۔''

یعنی عیسائیوں میں اُس وقت تک علمائے حق بھی موجود تھے اور درویش راہب بھی جو واقعی اللہ والے تھے۔ بحیرہ راہب عیسائی تھا جس نے حضور ﷺ کو بچپن میں پہچانا تھا۔ اسی طرح ورقہ بن نوفل نے حضور ﷺ کی سب سے پہلے تصدیق کی تھی اور آپ کو بتایا تھا کہ آپ پر وہی ناموس نازل ہوا ہے جو اس سے پہلے حضرت موسیٰ اور

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوا تھا۔ ورقہ بن نوفل تھے تو عرب کے رہنے والے' لیکن وہ حق کی تلاش میں شام گئے اور عیسائیت اختیار کی۔ وہ عبرانی زبان میں تورات لکھا کرتے تھے۔ یہ اُس دور کے چند عیسائی علماء اور راہبوں کی مثالیں ہیں۔ لیکن وہ قِسِّیْسِیْن اور رُھْبَان اب آپ کو عیسائیوں میں نہیں ملیں گے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب قرآن نازل ہو رہا تھا۔ اس کے بعد صورتِ حال بدل گئی۔ بعد میں صلیبی جنگوں کے دوران عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف جو وحشت و بربریت دکھائی' اور ان کے مذہبی پیشواؤں نے جس طرح مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی یہ ایسے حقائق ہیں جو تاریخ کے چہرے پر بہت ہی بدنما داغ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آیت ۸۳ ﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ﴾ ''اور جب انہوں نے سنی وہ چیز جو کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی تھی''

﴿تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ﴾ ''تو تم دیکھتے ہو کہ حق کی جو پہچان انہیں حاصل ہوئی اس کے زیر اثر ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔''

یہ ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ مکی دَور میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے تو ان کے ذریعے سے وہاں کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر جب مدینہ منورہ میں اسلام کا غلبہ ہو گیا اور عرب میں امن قائم ہو گیا تو حبشہ سے ایک وفد مدینہ آیا جو ستر (۷۰) افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں کچھ نو مسلم بھی شامل تھے۔ آیت زیر نظر میں اس وفد کے ارکان کا ذکر ہے کہ جب انہوں نے قرآن سنا تو حق کو پہچان لینے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو گئیں۔

﴿يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۳﴾ ''(اور) وہ کہہ رہے ہیں' اے ہمارے ربّ' ہم ایمان لے آئے' پس تو ہمیں لکھ لے گواہی دینے والوں میں سے۔''

آیت ۸۴ ﴿وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ﴾ ''اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور اُس حق پر جو ہم تک پہنچ گیا ہے''

﴿وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۴﴾ ''اور ہمیں تو بڑی خواہش ہے کہ داخل کرے ہمیں ہمارا ربّ نیکوکار لوگوں کے ساتھ۔''

آیت ۸۵ ﴿فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ﴾ ''تو اللہ نے ان کے اس قول کے بدلے انہیں وہ باغات عطا کیے جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہیں' جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

﴿وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۵﴾ ''اور یہی بدلہ ہے احسان کی روش اختیار کرنے والوں کا۔''

جو خوش قسمت نفوس اسلام قبول کریں' اور اسلام کے بعد ایمان اور پھر ایمان سے آگے بڑھ کر احسان کے درجے تک پہنچ جائیں ان کا بدلہ یہی ہے۔

آیت ۸۶ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ ”رہے وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اور جھٹلا دیا ہماری آیات کو تو وہی لوگ ہیں جو جہنمی ہیں۔“

آیات ۸۷ تا ۹۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ لَا
يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ
اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ
لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ
وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ
الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ
وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ
تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ لَيْسَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا
وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ع

کھانے پینے کی چیزوں میں حلت وحرمت اور تحلیل وتحریم الہامی شریعتوں کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی بار باران مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ یہ موضوع سورۃ البقرۃ سے مسلسل چل رہا ہے۔ عربوں کے ہاں نسل در نسل رائج مشرکانہ اوہام کی وجہ سے بہت سی چیزوں کے بارے میں حلت وحرمت کے غلط تصورات ذہنوں میں پختہ ہو چکے تھے۔ اس قسم کے خیالات ذہنوں' دلوں اور مزاجوں سے نکلنے میں وقت لگتا ہے۔ اس لیے بار باران مسائل کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔

آیت ۸۷ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! نہ حرام ٹھہرالو اُن چیزوں کو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے“

﴿وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ﴾ ”اور حد سے تجاوز نہ کرو۔“

بعض اوقات لوگ تقویٰ کے جوش میں اور بہت زیادہ نیکی کمانے کے جذبے میں بھی کئی حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر بیٹھتے ہیں' اس لیے فرمایا گیا کہ حد سے تجاوز نہ کرو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾﴾ ''یقیناً اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیت ۸۸ ﴿وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠﴾ ''اور کھاؤ اُن حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے جو اللہ نے تمہیں دی ہیں''

یعنی وہ چیزیں جو قانونی طور پر حلال ہوں اور ظاہری طور پر بھی صاف۔ ستھری ہوں۔

﴿وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾﴾ ''اور اُس اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو جس پر تمہارا ایمان ہے۔''

آیت ۸۹ ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں کرے گا تم سے تمہاری ان قسموں میں جو لغو ہوتی ہیں''

قسموں کے سلسلے میں سورۃ البقرۃ (آیت ۲۲۵) میں ہدایات گزر چکی ہیں' اب یہاں اس ضمن میں آخری حکم آ رہا ہے۔ یعنی ایسی قسمیں جو بغیر کسی ارادے کے کھائی جاتی ہیں' ان پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ جیسے تکیہ کلام کے طور پر واللہ' باللہ وغیرہ کا استعمال عربوں کی خاص عادت تھی اور آج بھی ہے۔ ظاہر ہے ایسی طرز گفتگو کو سن کر کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ یہ شخص باقاعدہ قسم کھا رہا ہے۔ تو ایسی قسم کے بارے میں کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔

﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ﴾ ''لیکن وہ (ضرور) مؤاخذہ کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم نے پختہ کیا ہے۔''

عَقَّدْتُّم عقد سے باب تفعیل ہے۔ یعنی پورے اہتمام کے ساتھ ایک بات طے کی گئی اور اس پر کسی نے قسم کھائی۔ اب اگر ایسی قسم ٹوٹ جائے یا اس کو توڑنا مقصود ہو تو اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

﴿فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ﴾ ''سو اس کا کفارہ ہے کھانا کھلانا دس مساکین کو' اوسط درجے کا کھانا جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو''

﴿اَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾ ''یا اُن کو کپڑے پہنانا''

﴿اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ﴾ ''یا کسی غلام کو آزاد کرنا۔''

﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ﴾ ''پھر جو کوئی اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔''

یعنی اگر کسی کے پاس ان تینوں میں سے کوئی صورت بھی موجود نہ ہو' کوئی شخص خود فقیر اور مفلس ہو' اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھ لے۔

﴿ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ﴾ ''یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھا (کر توڑ) بیٹھو۔''

﴿وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ﴾ ''اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔''

یعنی جب کسی جائز معاملے میں بالا رادہ قسم کھائی جائے تو اسے پورا کیا جائے' اور اگر کسی وجہ سے قسم توڑنے

کی نوبت آجائے تو اسے توڑنے کا باقاعدہ کفارہ دیا جائے۔

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾﴾ ''اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح فرمارہا ہے تاکہ تم شکر کرو۔''

اب شراب اور جوئے کے بارے میں بھی آخری حکم آرہا ہے۔

آیت ۹۰ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾﴾ ''اے اہلِ ایمان! یقیناً شراب اور جوا' بت اور پانسے' یہ سب گندے کام ہیں شیطان کے عمل میں سے' تو ان سے بچ کر رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

شراب اور جوئے کے بارے میں تو پہلے بھی حکم آچکا ہے' لیکن ''اَنصاب'' اور ''اَزلام'' کا یہاں اضافہ کیا گیا ہے۔ اَنصاب سے مراد بتوں کے استھان ہیں اور اَزلام جوئے ہی کی ایک قسم تھی جس میں اہلِ عرب تیروں کے ذریعے پانسے ڈالتے تھے' یعنی قرعہ اندازی کرتے تھے۔ ان تمام کاموں کو یہاں رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ قرار دے دیا گیا۔

آیت ۹۱ ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ ''شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور بُغض پیدا کردے شراب اور جوئے کے ذریعے سے''

یہ بہت اہم بات ہے۔ شراب کے نشے میں انسان اپنا ہوش اور شعور کھو بیٹھتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کو کچھ خبر نہیں رہتی کہ وہ منہ سے کیا بکواس کر رہا ہے اور اس کے اَعضاء و جوارح سے کیا افعال سرزد ہو رہے ہیں' لہٰذا کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ایسی حالت میں کسی بات یا کسی حرکت سے کیا کیا گل کھلیں گے' کیسے کیسے جھگڑے اور فسادات جنم لیں گے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ حکومتی اور ریاستی سطح کے بڑے بڑے راز شراب کے نشے میں چُرا لیے جاتے ہیں۔ تو اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہیں ان چیزوں سے بچانا چاہتا ہے' جبکہ شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے مابین عداوت اور بغض پیدا کرے۔ اسی طرح جوئے سے بھی بُغض و عداوت کی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ مثلاً ایک آدمی جوئے میں ہار جاتا ہے' پھر پے در پے ہارتا چلا جاتا ہے۔ اس صورتِ حال میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ غصے میں آگ بگولا ہو کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اسے نظر آرہا ہے کہ میرا جو حریف مجھ سے جیت رہا ہے وہ کسی محنت کی وجہ سے نہیں جیت رہا۔ کسی نے محنت اور کوشش سے کچھ کمایا ہو تو اس سے دوسرے کو جلن محسوس نہیں ہوتی' لیکن جوئے میں بے محنت کی کمائی ہوتی ہے جسے مخالف فریق برداشت نہیں کرسکتا۔ اس طرح انسانی تعلقات میں کئی منفی پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں۔

﴿وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ﴾ ''اور (شیطان یہ بھی چاہتا ہے کہ) تمہیں روکے اللہ کی یاد سے اور نماز سے۔''

اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنے والا معاملہ بھی شراب کا تو بالکل واضح ہے' لیکن جوئے میں بھی یونہی ہوتا ہے کہ آدمی ایک بار اس میں لگ جائے تو پھر وہاں سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تاش اور شطرنج وغیرہ بھی

ایسے کھیل ہیں کہ ان میں مشغول ہو کر انسان ذکر اور نماز جیسی چیزوں سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔

﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾ ''تو اب باز آتے ہو یا نہیں؟''

یہ انداز بہت سخت ہے اور اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔ شراب اور جوئے کے بارے میں ایک واضح ہدایت قبل ازیں آ چکی تھی: ﴿فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ﴾ (البقرۃ:۲۱۹) ''ان دونوں کے اندر بہت بڑے گناہ کے پہلو ہیں' اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں' البتہ ان کا گناہ کا پہلو نفع کے پہلو سے بڑا ہے''۔ تو اسی وقت تمہیں سمجھ لینا چاہیے تھا اور باز آ جانا چاہیے تھا۔ اُس پہلے حکم میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت' مشیت اور شریعت کا رخ تو واضح ہو گیا تھا۔ پھر اگلا قدم اٹھایا گیا اور حکم دیا گیا: ''جب تم لوگ شراب کے نشے میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ......'' (النساء:۴۳) اس سے تو پورے طور سے واضح ہو جانا چاہیے تھا کہ دین کا اہم ترین ستون نماز ہے: ((اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ))[1] اور یہ شراب نماز سے روک رہی ہے' تو تمہیں یہ چھوڑ دینی چاہیے تھی۔ بہر حال اب آخری بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آ گئی ہے' تو اسے سن کر کیا اب بھی تم باز نہیں آؤ گے؟

آیت ۹۲ ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ﴾ ''اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی اور (ان کی نافرمانی سے) بچتے رہو۔''

﴿فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ ''پھر اگر تم پیٹھ موڑ لو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) پر تو ذمہ داری ہے بس صاف صاف پہنچا دینے کی۔''

یہ اللہ کا حکم ہے۔ اللہ کا حکم پہنچانا رسولؐ کے ذمے تھا' تو رسولؐ نے پہنچا کر اپنی ذمہ داری ادا کر دی' اب معاملہ اللہ کا اور تمہارا ہو گا۔ اللہ تم سے حساب لے لے گا۔

اب جو اگلی آیت آ رہی ہے یہ بھی قرآن مجید کے فلسفہ اور حکمت کے ضمن میں بہت بنیادی آیت ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب شراب کے بارے میں اتنا سخت انداز آیا کہ شراب اور جوا گندے شیطانی کام ہیں' ان سے باز آتے ہو یا نہیں؟ تو بہت سے مسلمانوں کو تشویش لاحق ہو گئی کہ ہم جو اتنے عرصے تک شراب پیتے رہے تو یہ گندگی تو ہماری ہڈیوں میں بیٹھ گئی ہو گی۔ آج سائنس کی زبان میں جیسے کوئی شخص کہے کہ میرے جسم کا تو کوئی ایک خلیہ (cell) بھی ایسا نہیں ہو گا جس میں شراب کے اثرات نہ پہنچے ہوں۔ تو اب ہم کیسے پاک ہوں گے؟ اب کس طریقے سے یہ گندگی ہمارے جسموں سے دُھلے گی؟ ان کی یہ تشویش بجا تھی۔ جیسے تحویلِ قبلہ کے وقت تشویش پیدا ہو گئی تھی کہ اگر اصل قبلہ بیت اللہ تھا اور ہم بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے تو وہ نمازیں تو ضائع ہو گئیں' اور نماز ہی تو ایمان ہے۔ تو اس پر مؤمنین کی تسلی کے لیے فرمایا گیا تھا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ﴾ ''اللہ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے''۔ ایسے ہی یہاں ان کی دل جوئی کے لیے فرمایا:

(۱) رواہ البیھقی فی شعب الایمان ۔ راوی عمر بن الخطاب ؓ۔

آیت ۹۳ ﴿لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا﴾ ''ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کوئی گناہ نہیں ہے اس میں جو وہ (پہلے) کھا پی چکے''

کسی شے کی حرمت کے قطعی حکم آنے سے پہلے جو کچھ کھایا پیا گیا' اس کا کوئی گناہ ان پر نہیں رہے گا۔ یہ کوئی ہڈیوں میں بیٹھ جانے والی شے نہیں ہے' یہ تو شرعی اور اخلاقی قانون (Moral Law) کا معاملہ ہے' طبعی قانون (Physical Law) کا نہیں ہے۔ طبعی (Physical) طور پر تو کچھ چیزوں کے اثرات واقعی دائمی ہو جاتے ہیں' لیکن Moral Law کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ گناہ تو اُحد پہاڑ کے برابر بھی ہوں تو سچی توبہ سے بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ ازروئے حدیث نبویؐ: ((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ))(۱) ''گناہ سے حقیقی توبہ کرنے والا بالکل ایسے ہے جیسے اس نے کبھی وہ گناہ کیا ہی نہیں تھا''۔ صدقِ دل سے توبہ کی جائے تو نامۂ اعمال بالکل دھل جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی کسی تشویش کو بالکل اپنے قریب مت آنے دو۔

﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۳﴾ ''جب تک وہ تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں' پھر مزید تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں' پھر اور تقویٰ میں بڑھیں اور درجۂ احسان پر فائز ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت کرتا ہے۔''

یہ دراصل تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ 'اسلام' ہے۔ یعنی اللہ کو مان لیا' رسول کو مان لیا اور اس کے احکام پر چل پڑے۔ اس سے اوپر کا درجہ 'ایمان' ہے' یعنی دِل کا کامل یقین' جو ایمان کے دل میں اُتر جانے سے حاصل ہوتا ہے۔ ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (الحجرات: ۷) کے مصداق ایمان قلب میں اُتر جائے گا تو اعمال کی کیفیت بدل جائے گی' اعمال میں ایک نئی شان پیدا ہو جائے گی' زندگی کے اندر ایک نیا رنگ آ جائے گا جو کہ خالص اللہ کا رنگ ہوگا: ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ﴾ (البقرۃ: ۱۳۸) ''ہم نے تو اختیار کر لیا ہے اللہ کے رنگ کو اور اللہ کے رنگ سے بہتر اور کس کا رنگ ہوگا؟'' اور اس سے بھی آگے بڑھ کر جب ایمان ''عین الیقین'' کا درجہ حاصل کر لے تو یہی درجہ' احسان ہے۔ حدیثِ نبویؐ میں اس کی کیفیت یہ بیان ہوئی ہے: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ))(۲) ''یہ کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے' اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا (یہ کیفیت اگر پیدا نہیں ہو رہی) تو پھر (یہ کیفیت تو پیدا ہونی چاہیے کہ) وہ تو تجھے دیکھتا ہے''۔ یعنی تم اللہ کی بندگی کرو' اللہ کے لیے جہاد کرو' اس کی راہ میں بھاگ دوڑ کرو' اور اس میں تقویٰ کی کیفیت ایسی ہو جائے کہ جیسے تم اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

احسان کی یہ تعریف ''حدیثِ جبریلؑ'' میں موجود ہے۔ اس حدیث کو اُمّ السُّنَّۃ کہا گیا ہے' جیسے سورۃ

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/۱۵۴۔ فتح الباری لابن حجر ۱۳/۴۸۰۔ راوی: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان...... وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان الایمان والاسلام والاحسان' ح۹ و ۱۰۔ ودیگر کتب احادیث۔

الفاتحہ کو اُمّ القرآن کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی جس طرح سورۃ الفاتحہ اساس القرآن ہے' اسی طرح حدیثِ جبریلؑ سنت کی اساس ہے۔ اس حدیث میں ہمیں یہ تفصیل ملتی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں حضور ﷺ کے پاس آئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا' وہاں انہوں نے کچھ سوالات کیے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پہلا سوال اسلام کے بارے میں کیا: يَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِسْلَامِ! کہ اے محمد (ﷺ) مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسولؐ ہیں' نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو' رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو' اگر تمہیں اس کے لیے سفر کی استطاعت ہو''۔ یعنی اسلام کے ضمن میں اعمال کا ذکر آ گیا۔ پھر جبرائیلؑ نے کہا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتلایئے! اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' یومِ آخرت پر اور تقدیر کی اچھائی اور برائی پر''۔ اب یہاں یہ نکتہ غور طلب ہے کہ ایمان تو اسلام میں بھی موجود ہے' یعنی زبانی اور قانونی ایمان' لیکن دوسرے درجے میں ایمان کو اسلام سے علیحدہ کیا گیا ہے اور اعمالِ صالحہ کا تعلق ایمان کے بجائے اسلام سے بتایا گیا ہے۔ اس لیے کہ جب ایمان دل میں اُتر کر یقین کی صورت اختیار کر جائے تو پھر اعمال کا ذکر الگ سے کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ایمان کے اس مرحلے پر اعمال لازماً درست ہو جائیں گے۔ پھر ایمان جب دل میں مزید گہرا اور پختہ ہوتا ہے تو اعمال بھی مزید درست ہوں گے۔ جیسے جتنا جتنا درخت اوپر جاتا ہے اسی نسبت سے جڑ نیچے گہرائی میں اترتی جاتی ہے۔ ایمان کی جڑ نے دل کی زمین میں قرار پکڑا تو اسلام سے ایمان بن گیا۔ جب یہ جڑ مزید گہری ہوئی تو تیسری منزل یعنی احسان تک رسائی ہوگئی اور یہاں اعمال میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ چنانچہ جب حضرت جبرائیلؑ نے احسان کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو......'' آپؐ کا یہ جواب تین روایتوں میں تین مختلف الفاظ میں نقل ہوا ہے: (۱) اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ...... (۲) اَنْ تَخْشَى اللّٰهَ تَعَالٰى كَاَنَّكَ تَرَاهُ ......(۱) (۳) اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّكَ تَرَاهُ(۲)۔ اگلے الفاظ: ((فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ)) تینوں روایتوں میں یکساں ہیں۔ یعنی ایک بندۂ مؤمن اللہ کی بندگی' اللہ کی پرستش' اللہ کے لیے بھاگ دوڑ' اللہ کے لیے عمل' اللہ کے لیے جہاد ایسی کیفیت سے سرشار ہو کر کر رہا ہو گویا وہ اپنی آنکھوں سے اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ تو جب اللہ سامنے ہوگا' تو پھر کیسے کچھ ہمارے جذباتِ عبدیت ہوں گے' کیسی کیسی ہماری قلبی کیفیات ہوں گی۔ یہ کیفیت اس دنیا میں بھی حاصل ہو سکتی ہے' لیکن واقعتاً بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو سکے تو احسان کا ایک اس سے نچلا درجہ بھی ہے۔ یعنی کم از کم یہ بات تو ہر وقت مستحضر رہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ تو یہ ہیں وہ تین درجے جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔

''تحریکِ اسلامی کی اخلاقی بنیادیں'' مولانا مودودی مرحوم کی ایک قابلِ قدر کتاب ہے۔ اس میں مولانا نے اسلام' ایمان' احسان اور تقویٰ چار مراتب بیان کیے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک تقویٰ علیحدہ سے کوئی مرتبہ

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان الایمان والاسلام والاحسان' ح ۱۱۔ ومسند احمد' ح ۲۷۷۵۔
(۲) مسند احمد' ح ۱۷۹۔

ومقام نہیں ہے۔ تقویٰ وہ روح (spirit) اور وہ قوتِ محرکہ (driving force) ہے جو انسان کو نیکی کی طرف دھکیلتی اور اُبھارتی ہے۔ چنانچہ آیت زیر نظر میں تقویٰ کی تکرار کا مفہوم یوں ہے کہ تقویٰ نے آپ کو baseline سے اوپر اٹھایا اور اب آپ کے ایمان اور عمل صالح میں ایک امتیازی رنگ پیدا ہو گیا ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾۔ پھر تقویٰ میں مزید اضافہ ہوا اور تقویٰ نے آپ کو مزید اوپر اٹھایا تو اب آپ کے دل میں یقین والا ایمان پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا﴾ میں یقین والے ایمان کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے یہاں عمل صالح کا علیحدہ ذکر نہیں ہوا۔ اس لیے کہ جب ایمان دل میں اُتر گیا تو اعمال خود بخود درست ہو گئے۔ پھر تقویٰ اگر مزید روبہ ترقی ہے ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا﴾ تو اس کے نتیجے میں ﴿وَّاَحْسَنُوْا﴾ کا درجہ آ جائے گا' یعنی انسان درجۂ احسان پر فائز ہو جائے گا۔ (اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ آمین!)

ایمان اور تقویٰ کے ساتھ اعمال کے اس ربط و تعلق کو سمجھنے کے لیے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان پیش نظر رہنا چاہیے:

((اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً ' اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ ' وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ ' اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ)) (۱)

''آگاہ رہو' یقیناً جسم کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے' جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ؀﴾ ''اور اللہ ایسے محسن بندوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

اللہ کے جو بندے درجۂ احسان تک پہنچ جاتے ہیں وہ اس کے محبوب بندے بن جاتے ہیں۔

یہاں تقابل کے لیے اس سورۂ مبارکہ کی آیت ۷۱ بھی ذہن میں تازہ کر لیں۔ اس آیت میں ﴿فَعَمُوْا وَصَمُّوْا...... ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا......﴾ کے الفاظ میں گمراہی و ضلالت کے مختلف مراحل کا ذکر ہے کہ بنی اسرائیل حق کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے اندھے اور بہرے ہو گئے' اللہ نے انہیں ڈھیل دی تو اس پر وہ اور بھی اندھے اور بہرے ہو گئے' اللہ نے مزید ڈھیل دی تو وہ اور زیادہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ یہ اُس راستے کا ذکر ہے جس پر انسان قدم بہ قدم گمراہی کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ مگر ایک راستہ یہ ہے جس کا حوالہ اس آیت میں آیا ہے۔ یعنی ہدایت کا راستہ اسلام' ایمان' احسان' اور تقویٰ کا راستہ' جس پر چلتے ہوئے انسان کو درجہ بہ درجہ ترقی ملتی چلی جاتی ہے۔

آیات ۹۴ تا ۱۰۰

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ؀ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب فضل من استبرأ لدینہ۔ وصحیح مسلم' کتاب المساقاۃ' باب اخذ الحلال وترک الشبھات۔

النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ
ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۹۵ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ
عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹۶ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ
الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۹۷ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۹۸ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا
تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝۹۹ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۰ ع

اس سورۂ مبارکہ کے شروع میں حالتِ احرام میں شکار کرنے کی ممانعت آ چکی ہے۔ اب اللہ کی اس سنت کا ذکر ہے کہ اللہ اپنے ماننے والوں کو آزماتا ہے اور ان کا سخت ترین امتحان لیتا ہے۔ فرض کیجیے کہ حاجیوں کا ایک قافلہ جا رہا ہے' سب نے احرام باندھا ہوا ہے' اتفاق سے ان کے پاس کھانے کو بھی کچھ نہیں۔ اب ایک ہرن اٹھکیلیاں کرتے ہوئے قریب آ رہا ہے' بھوک بھی ستا رہی ہے' ضرورت بھی ہے' چاہیں تو ذرا سا نیزہ ماریں اور شکار کر لیں یا ویسے ہی بھاگ کر پکڑ لیں' لیکن پکڑ نہیں سکتے' شکار نہیں کر سکتے' کیونکہ احرام میں ہیں اور اس حالت میں اجازت نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس طرح آزماتا ہے۔

آیت ۹۴ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ﴾ ''اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ تمہیں لازماً آزمائے گا کسی ایسے شکار کے ذریعے''

﴿تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ﴾ ''جس کو پہنچتے ہوں گے (آسانی سے) تمہارے ہاتھ اور نیزے''

﴿لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ﴾ ''تاکہ اللہ دیکھ لے اُن لوگوں کو جو غیب میں ہوتے ہوئے بھی اُس سے ڈرتے رہتے ہیں۔''

شکار پہنچ میں بھی ہے' ان کے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں ہے' ضرورت بھی ہے' لیکن مجبور ہیں' کیونکہ احرام باندھا ہوا ہے۔ تو جس کے دل میں ایمان ہوگا وہ اپنی بھوک کو برداشت کرے گا' اللہ کے حکم کو نہیں توڑے گا۔

﴿فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۴﴾ ''اب اس کے بعد جس نے زیادتی کی تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۹۵ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ﴾ ''اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو کسی شکار کو قتل مت کرو۔''

﴿وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ ''تو جو کوئی تم میں سے اسے قتل

(شکار) کر بیٹھے جان بوجھ کر' تو پھر اس کا کفارہ ہو گا اسی طرح کا ایک چوپایہ جیسا کہ اُس نے قتل کیا''
کفارے کے طور پر اللہ کی راہ میں ویسا ہی ایک چوپایہ صدقہ کیا جائے گا۔ یعنی اگر آپ نے ہرن مارا تو بکری یا بھیڑ دی جائے گی اور اگر نیل گائے ماردی تو پھر گائے بطور کفارہ دینا ہو گی۔ اس طرح جس قسم اور جس جسامت کا حیوان شکار کیا گیا ہے' اس کے برابر کا چوپایہ صدقہ کرنا ہو گا۔

﴿يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ ''جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے''
یعنی دو متقی اور معتبر اشخاص اس کی گواہی دیں کہ یہ جانور اس شکار کیے جانے والے جانور کے برابر ہے۔

﴿هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ ''یہ نذر کی حیثیت سے خانہ کعبہ تک پہنچایا جائے''
یہ جانور ہدی کے طور پر خانہ کعبہ کی نذر کیا جائے گا۔

﴿اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ﴾ ''یا پھر اس کا کفارہ ہے کچھ مساکین کو کھانا کھلانا''
اس میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر اناج یا رقم دینا ہو تو وہ صدقہ فطر کے حساب سے ہو گی۔

﴿اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾ ''یا اتنے ہی روزے رکھنا''
یہ دیکھنا ہو گا کہ جو جانور شکار ہوا ہے اسے کتنے آدمی کھا سکتے تھے۔ اتنے آدمیوں کو کھانا کھلایا جائے یا اتنے دن کے روزے رکھے جائیں۔

﴿لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ﴾ ''تا کہ وہ اپنے کیے کی سزا چکھے۔''

﴿عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ﴾ ''اللہ معاف کر چکا ہے جو پہلے ہو چکا ہے۔''

﴿وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۹۵﴾ ''لیکن جو کوئی پھر ایسا کرے گا تو اللہ اُس سے انتقام لے گا' اور یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست ہے' انتقام لینے والا۔''

آیت ۹۶ ﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ﴾ ''(البتہ) تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے سمندر کا شکار اور اُس کا کھانا''

سمندر اور دریا کا شکار حالتِ احرام میں بھی حلال ہے۔ حاجی لوگ اگر کشتیوں اور بحری جہازوں کے ذریعے سے سفر کر رہے ہوں تو وہ احرام کی حالت میں بھی مچھلی وغیرہ کا شکار کر سکتے ہیں۔

﴿مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾ ''تمہارے لیے اور مسافروں کے لیے زادِ راہ کے طور پر۔''
سمندر کی خوراک (sea food) تو یوں سمجھ لیجیے کہ پوری دنیا کے انسانوں کے لیے غذا کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ یہ غذا انسان کو بہت سی بیماریوں سے بچانے والی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں آج کل یہ بہت مقبول ہو رہی ہے۔

﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ ''لیکن خشکی پر شکار کرنا تمہارے لیے حرام کر دیا گیا ہے جب تک کہ تم احرام میں ہو۔''

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۹۶﴾﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو جس کی طرف تمہیں جمع کر دیا جائے گا۔''

تم سب اُس کی طرف گھیراؤ کر کے لے جائے جاؤ گے۔

آیت ۹۷ ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الۡكَعۡبَةَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ ''اللہ نے کعبے کو' جو کہ بیت الحرام ہے' لوگوں کے قیام کا باعث بنا دیا ہے''

﴿وَالشَّهۡرَ الۡحَرَامَ وَالۡهَدۡیَ وَالۡقَلَآئِدَ ؕ﴾ ''اور حُرمت والا مہینہ' قربانی کے جانور اور وہ جانور بھی جن کے گلوں میں پٹے ڈال دیے گئے ہوں''

یہ سب اللہ تعالیٰ کے شعائر ہیں اور اسی کے معیّن کردہ ہیں۔ سورۃ کے شروع میں بھی ان کا ذکر آ چکا ہے۔ یہاں دراصل توثیق ہو رہی ہے کہ یہ سب چیزیں زمانہ جاہلیت کی روایات نہیں ہیں بلکہ خانہ کعبہ کی حُرمت اور عظمت کی علامت ہیں۔

﴿ذٰلِكَ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ﴾ ''یہ اس لیے کہ تم اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین کی ہر شے کا علم ہے''

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۹۷﴾﴾ ''اور یہ کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔''

آگے چل کر اِن چیزوں کے مقابلے میں اُن چار چیزوں کا ذکر آئے گا جو اہلِ عرب کے ہاں بغیر کسی سند کے حرام کر لی گئی تھیں۔

آیت ۹۸ ﴿اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۹۸﴾﴾ ''جان لو کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے اور یہ کہ اللہ غفور اور رحیم بھی ہے۔''

یعنی اُس کی تو دونوں شانیں ایک ساتھ جلوہ گر ہیں۔ اب دیکھو کہ تم اپنے آپ کو اُس کی کس شان کے ساتھ متعلق کر رہے ہو اور خود کو کیسے سلوک کا مستحق بنا رہے ہو؟ اس کی عقوبت کا یا اس کی رحمت اور مغفرت کا؟

آیت ۹۹ ﴿مَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ﴾ ''رسول (ﷺ) پر سوائے پہنچا دینے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۹۹﴾﴾ ''اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔''

جب رسول اللہ ﷺ نے پیغام پہنچا دیا تو باقی ساری ذمہ داری اب تمہاری ہے۔

آیت ۱۰۰ ﴿قُلۡ لَّا یَسۡتَوِی الۡخَبِیۡثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوۡ اَعۡجَبَكَ كَثۡرَةُ الۡخَبِیۡثِ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے' چاہے ناپاک شے کی کثرت تمہیں اچھی لگے۔''

انسان تو چاہتا ہے کہ اُس کے پاس ہر شے کی بہتات ہو' لیکن واضح رہے کہ ناجائز اور حرام طریقے سے

کمایا ہوا مال جس قدر بھی ہو خبیث اور ناپاک ہی ہے۔ بے شک اس کی چکا چوند تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہو مگر اس میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے۔ بقول علامہ اقبال:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۰﴾ ''تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اے ہوش مندو! تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

آیات ۱۰۱ تا ۱۰۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ
الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۰۱ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ
اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝۱۰۲ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَاۗىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۳ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۴ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا
اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ
مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ
بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَـمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ
شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝۱۰۶ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓي اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ
مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ
شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ڮ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۷ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰي
وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۱۰۸ ع ۸/۱۴

آیت ۱۰۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ﴾ ''اے اہلِ ایمان! اُن چیزوں کے متعلق سوال نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بُری لگیں۔''

یہ ایک خاص قسم کی مذہبی ذہنیت کا تذکرہ ہے۔ بعض لوگ بلاضرورت ہر بات کو کھودنے' کریدنے اور بال کی کھال اُتارنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اگر کسی چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود خاموشی اختیار فرمائی ہے تو اس بارے میں خواہ مخواہ سوال کرنا اپنی ذمہ داری کو بڑھانے والی بات ہے۔ چنانچہ حج کے بارے میں جب سورۂ آلِ عمران (آیت ۹۷) میں حکم نازل ہوا تو ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضور کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ ﷺ نے سوال سن لیا لیکن رُخِ مبارک دوسری طرف کرلیا۔ اب وہ صاحب اُدھر تشریف لے آئے اور پھر عرض کیا' حضور کیا حج ہر سال فرض ہے؟ حضور ﷺ نے پھر اعراض فرمایا۔ جب انہوں نے یہی سوال تیسری مرتبہ کیا تو آپ ﷺ نے ناراضی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ دیکھو اگر میں ہاں کہہ دوں تو تم لوگوں پر قیامت تک کے لیے ہر سال حج فرض ہو جائے گا۔ جس وضاحت سے اللہ تعالیٰ نے اعراض فرمایا ہو اُس میں تمہاری بہتری ہے۔ چنانچہ بے جا سوال کر کے تم اپنے لیے تنگی پیدا نہ کرو۔ جیسے گائے کے معاملے میں بنی اسرائیل نے پے در پے سوالات کیے تھے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ اس کی عمر کیا ہو؟ اور وہ کیسی گائے ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔ وہ جتنے سوالات کرتے گئے اتنی ہی شرائط ان پر لاگو ہوتی گئیں۔ اس نوعیت کے وضاحتی سوالات اسی ضمن میں آتے ہیں۔

﴿وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ﴾ ''اور اگر تم سوال کرو گے ایسی چیزوں کے بارے میں جبکہ ابھی قرآن کا نزول جاری ہے تو تمہارے لیے وہ ظاہر کر دی جائیں گی۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت کئی چیزوں کو پردے میں رکھا ہے' کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ان کو ظاہر کرنے میں تمہارے لیے تنگی ہو جائے گی' بوجھ زیادہ ہو جائے گا' اور وہ تم پر گراں گزریں گی۔ لیکن اگر سوال کرو گے تو پھر ان کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۰۱﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اس میں درگزر سے کام لیا ہے' اللہ بخشنے والا اور بُردبار ہے۔''

بعض چیزوں کے بارے میں جو اللہ نے تم پر نرمی کی ہے اور تمہیں تنگی سے بچایا ہے' وہ اس لیے ہے کہ وہ غفور اور حلیم ہے۔ یہ کسی نسیان' بھول یا غلطی کی وجہ سے نہیں ہوا (معاذ اللہ!)

آیت ۱۰۲ ﴿قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝۱۰۲﴾ ''تم سے پہلے ایک قوم (اہلِ کتاب) نے اس قسم کے سوالات کیے تھے اور پھر وہ ان کا انکار کرنے والے بن گئے تھے۔''

اب آگے ان چار چیزوں کا ذکر آ رہا ہے جو اہلِ عرب کے ہاں خواہ مخواہ بہت زیادہ مقدس ہو گئی تھیں۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کے اُن چار شعائر کے مقابلے کی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر پیچھے آیت ۹۷ میں بایں الفاظ ہوا ہے: ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَاۗىِٕدَ ۭ﴾ وہاں ان چار چیزوں کی توثیق کی گئی تھی کہ وہ واقعتاً اللہ کی شریعت کے اجزاء ہیں' ان کا احترام اور ان کی حرمت کو ملحوظ رکھنا اہلِ ایمان پر لازم ہے۔ لیکن یہاں توجہ دلائی جا رہی ہے کہ کچھ چیزیں تمہارے ہاں ایسی رائج ہیں جو دورِ جاہلیت کے مشرکانہ اوہام کی یادگاریں ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

آیت ۱۰۳ ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ﴾ ''اللہ نے نہ تو بحیرہ کو کچھ چیز بنایا ہے' نہ سائبہ' نہ وصیلہ اور نہ حام کو''

ان چیزوں کے تقدس کی اللہ کے طرف سے کوئی سند نہیں۔ بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں' لیکن جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے ان الفاظ کی جو تفصیل بیان کی ہے' وہ صحیح بخاری (کتاب تفسیر القرآن) میں وارد ہوئی ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اسے اپنے حواشی میں نقل کیا ہے۔ اس کے مطابق: بحیرہ: ایسا جانور تھا جس کا دودھ بتوں کے نام کر دیا جاتا تھا اور کوئی اسے اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔ سائبہ: وہ جانور جو بتوں کے نام پر' ہمارے زمانے کے سانڈ کی طرح' چھوڑ دیا جاتا تھا۔ وصیلہ: جو اونٹنی مسلسل مادہ بچوں کو جنم دیتی اور درمیان میں کوئی نر بچہ پیدا نہ ہوتا' اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ حام: نر اونٹ جو ایک خاص تعداد میں جفتی کر چکا ہوتا' اُسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس طرح کے جانوروں کو بتوں کے نام منسوب کر کے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا کہ انہیں کوئی ہاتھ نہ لگائے' کوئی ان سے استفادہ نہ کرے' کوئی ان کا گوشت کھائے نہ صدقہ دے' نہ ان سے کوئی خدمت لے' بس ان کا احترام کیا جائے۔ لہٰذا واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے کوئی احکام نہیں دیے گئے' بلکہ فرمایا:

﴿وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۳﴾ ''لیکن یہ کافر اللہ پر افترا کرتے ہیں' اور ان کی اکثریت عقل سے عاری ہے۔''

یہ لوگ بغیر سوچے سمجھے اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے رہتے ہیں۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ﴾ ''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور آؤ اللہ کے رسول کی طرف''

اس حکم (آؤ اللہ کے رسولؐ کی طرف) کی ترجمانی علامہ اقبال نے کیا خوبصورت الفاظ میں کی ہے: ؎

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
اگر بہ اوؐ نرسیدی تمام بولہبی است!

﴿قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ﴾ ''وہ کہتے ہیں ہمارے لیے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا۔''

یعنی ہمارے آباء واجداد جو اتنے عرصے سے ان چیزوں پر عمل کرتے چلے آرہے تھے تو کیا وہ جاہل تھے؟ یہی باتیں آج بھی سننے کو ملتی ہیں۔ کسی رسم کے بارے میں آپ کسی کو بتائیں کہ اس کی دین میں کوئی سند نہیں ہے اور صحابہؓ کے ہاں اس کا کوئی وجود نہیں تھا تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو یونہی کرتے دیکھا ہے۔

﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۴﴾ ''خواہ ان کے آباء واجداد ایسے رہے ہوں کہ نہ انہیں کوئی علم حاصل ہوا ہو نہ ہی وہ ہدایت پر ہوں (تو کیا پھر بھی)؟''

جیسے تم اللہ کی مخلوق ہو ویسے ہی تمہارے باپ دادا بھی مخلوق تھے۔ جیسے تم غلط کام کر سکتے ہو اور غلط آراء قائم کر سکتے ہو ویسے ہی وہ بھی غلط کار ہو سکتے تھے۔

آیت ۱۰۵ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' تم پر ذمہ داری ہے صرف اپنی جانوں کی۔''

﴿لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ﴾ ''جو کوئی گمراہ ہو جائے وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا' جبکہ تم ہدایت پر ہو۔''

﴿اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾﴾ ''اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے' اور وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔''

یہ آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس کا ایک غلط مطلب اور مفہوم دورِ صحابہؓ میں ہی بعض لوگوں نے نکال لیا تھا۔ وہ یہ کہ دعوت و تبلیغ کی کوئی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے' ہر ایک پر اپنی ذات کی ذمہ داری ہے' کوئی کیا کرتا ہے اس سے کسی دوسرے کو کچھ غرض نہیں ہونی چاہیے۔ قرآن جو کہہ رہا ہے کہ ''تم پر ذمہ داری صرف اپنی جانوں کی ہے۔ اگر تم ہدایت پر ہو تو جو گمراہ ہوا وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا''۔ لہٰذا ہر کسی کو بس اپنا عمل درست رکھنا چاہیے' کوئی دوسرا شخص اگر غلط کام کرتا ہے تو اسے خواہ مخواہ روکنے ٹوکنے' اس کی ناراضگی مول لینے' اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح کی باتیں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم میں آئیں تو آپؓ نے باقاعدہ ایک خطبہ دیا کہ لوگو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس آیت کا مطلب غلط سمجھ رہے ہو۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تمہاری ساری تبلیغ' کوشش' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باوجود اگر کوئی شخص گمراہ رہتا ہے تو اس کا تم پر کوئی وبال نہیں —— سورۃ البقرۃ میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ) آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی جہنمیوں کے بارے میں''۔ یعنی ہم یہ نہیں پوچھیں گے کہ ہم نے آپؐ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا تھا اور پھر بھی یہ لوگ جہنم میں کیوں چلے گئے؟ بہر حال دعوت و تبلیغ' نصیحت و موعظت' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو فرائض میں سے ہیں۔ اس آیت کی رو سے یہ فرائض ساقط نہیں ہوتے۔ بلکہ اس آیت کا درست مفہوم یہ ہے کہ تمہاری کوشش کے باوجود اگر کوئی شخص نہیں مانتا تو اب تمہاری ذمہ داری پوری ہوگئی۔ فرض کیجیے کہ کسی کا بچہ آوارہ ہو گیا ہے' والد اپنی امکانی حد تک کوشش کیے جا رہا ہے مگر بچہ راہِ راست پر نہیں آ رہا' تو ظاہر بات ہے کہ اگر اُس نے بچے کی تربیت اور اصلاح میں کوئی کوتاہی نہیں چھوڑی تو اللہ کی طرف سے اس کی گمراہی کا وبال والد پر نہیں آئے گا۔

آیت ۱۰۶ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ ''اے اہلِ ایمان' تمہارے درمیان شہادت (کا نصاب) ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو' تو تم میں سے دو معتبر اشخاص (بطور گواہ) موجود ہوں''

یعنی موت سے قبل وصیت کے وقت اپنے لوگوں میں سے دو گواہ (مرد) مقرر کرلو۔ واضح رہے کہ وصیت کُل ترکے کے ایک تہائی حصے سے زیادہ کی نہیں ہو سکتی۔

﴿اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ﴾

''یا دوسرے دو آدمی تمہارے غیروں میں سے اگر تم زمین میں سفر پر (نکلے ہوئے) ہو اور (حالتِ سفر میں) تمہیں موت کی مصیبت پیش آجائے۔''

یعنی حالتِ سفر میں اگر کسی کی موت کا وقت آ پہنچے اور وہ وصیت کرنا چاہتا ہو تو ایسی صورت میں گواہان غیر قوم، کسی دوسری بستی، کسی دوسری برادری اور دوسرے قبیلے سے بھی مقرر کیے جا سکتے ہیں، مگر عام حالات میں اپنی بستی، اپنے خاندان میں رہتے ہوئے کوئی شخص انتقال کر رہا ہو تو اسے وصیت کے وقت اپنے لوگوں، رشتہ داروں اور قرابت داروں میں سے ہی دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنانا چاہیے۔

﴿تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ﴾ ''تم ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد (مسجد میں) روک لو''

یعنی جب وصیت کے بارے میں متعلقہ لوگ پوچھیں اور اس میں کچھ شک کا احتمال ہو تو نماز کے بعد ان دونوں گواہوں کو مسجد میں روک لیا جائے۔

﴿فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ ''پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں اگر تمہیں شک ہو''

اگر تمہیں ان کے بارے میں کوئی شک ہو کہ کہیں یہ وصیت کو بدل نہ دیں، کہیں ان سے غلطی نہ ہو جائے تو تم ان سے قسم اٹھوا لو۔ وہ نماز کے بعد مسجد میں حلف کی بنیاد پر شہادت دیں اور اس طرح کہیں:

﴿لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ ''ہم اس کی کوئی قیمت وصول نہیں کریں گے، اگرچہ کوئی قرابت دار ہی کیوں نہ ہو''

یعنی ہم اس شہادت سے نہ تو خود کوئی ناجائز فائدہ اٹھائیں گے، نہ کسی کے حق میں کوئی ناانصافی کریں گے اور نہ ہی کسی رشتہ دار عزیز کو کوئی ناجائز فائدہ پہنچائیں گے۔

﴿وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ﴾ ''اور نہ ہم چھپائیں گے اللہ کی گواہی کو''

غور کریں گواہی اتنی عظیم شے ہے کہ اسے شَهَادَةَ اللّٰهِ کہا گیا ہے، یعنی اللہ کی گواہی، اللہ کی طرف سے امانت۔

﴿اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾﴾ ''اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم گنہگاروں میں شمار ہوں گے۔''

آیت ۱۰۷ ﴿فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا﴾ ''پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے (جھوٹ بول کر) گناہ کمایا ہے''

حلفیہ بیان بھی غلط دیا ہے اور وصیت میں ترمیم کی ہے، اس کے باوجود کہ نماز کے بعد مسجد کے اندر حلف اٹھا کر بات کر رہے ہیں۔ آخر انسان ہیں اور ہر معاشرے میں ہر طرح کے انسان ہر وقت موجود رہتے ہیں۔

﴿فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا﴾ ''تو اب دو اور لوگ ان کی جگہ پر کھڑے ہوں''

﴿مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ﴾ ''ان لوگوں میں سے جن کی حق تلفی کی ہے ان پہلے دو لوگوں نے''

اب وہ کھڑے ہو کر کہیں گے کہ یہ لوگ ہمارا حق تلف کر رہے ہیں' انہوں نے وصیت کے اندر خیانت کی ہے۔

﴿فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا﴾ ''پس وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی زیادہ برحق ہے ان دونوں کی گواہی سے''

﴿وَمَا اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾﴾ ''اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے' اگر ایسا ہو تو یقیناً ہم ظالموں میں سے ہوں گے۔''

آیت ۱۰۸ ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ﴾ ''یہ طریقہ کار قریب تر ہے کہ اس سے لوگ ٹھیک ٹھیک شہادت پیش کریں''

﴿اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ﴾ ''یا (کم از کم) انہیں خوف رہے کہ ہماری قسمیں ان کی قسموں کے بعد ردّ کر دی جائیں گی۔''

کیونکہ انہیں معلوم ہو گا کہ اگر ہم نے جھوٹی قسم کھا بھی لی' اور پھر اگر دوسرا فریق بھی قسم کھا گیا' تو ہمارا منصوبہ کامیاب نہیں ہو گا۔ لہٰذا وہ اس کی ہمت نہیں کریں گے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سن رکھو۔''

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾﴾ ''اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اسی طرح کا معاملہ سورۃ النور (آیات ۶ تا ۹) میں بھی مذکور ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھے اور اس کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہو تو وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ میں جو کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا ہوں۔ تو اُس ایک شخص کی گواہی چار گواہوں کے برابر ہو جائے گی۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھی بتایا ہے' کہ اگر بیوی بھی چار مرتبہ قسم کھا کر کہہ دے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے' مجھ پر تہمت لگا رہا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر اس کا الزام درست ہو' تو شوہر کی گواہی ساقط ہو جائے گی۔ اس طرح دونوں طرف سے اللہ تعالیٰ نے معاملے کو متوازن کیا ہے۔

اب آخری دو رکوع اس لحاظ سے اہم ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس مکالمے کا نقشہ کھینچا گیا ہے' جو قیامت کے دن ہو گا۔ اور اس کے پس منظر میں گویا ایک پوری داستان ہے' جو ایک نئی شان سے سامنے آئی ہے۔

آیات ۱۰۹ تا ۱۱۵

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۱۰۹
اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰي وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ
الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ
وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ
عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۱۱۰ وَاِذْ
اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۱۱۱ اِذْ قَالَ
الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَاۗىِٕدَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ
قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۱۱۲ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ
قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۱۱۳ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ
عَلَيْنَا مَاۗىِٕدَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ
الرّٰزِقِيْنَ ۱۱۴ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ
اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۱۱۵ ع ۱۵ ۵

آیت ۱۰۹ ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ﴾ ''(اُس دن کا تصور کرو) جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا اور پوچھے گا آپ لوگوں کو کیا جواب ملا تھا؟''

آپ لوگوں کی دعوت کے جواب میں آپ کی قوموں نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا؟

﴿قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۱۰۹﴾ ''وہ کہیں گے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں‘ تو ہی بہتر جاننے والا ہے غیب کی باتوں کا۔''

وہ اللہ تعالیٰ کے جناب میں زبان کھولنے سے گریز کریں گے اور کہیں گے کہ تو تمام پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے‘ ہر حقیقت تجھ پر منکشف ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ ''جب کہے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰؑ ابنِ مریم''

اب روزِ قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خاص پیشی کا منظر ہے۔ دنیا میں ان کی پرستش کی گئی‘ ان کو اللہ کا بیٹا بنایا گیا‘ ثالثُ ثلاثۃ قرار دیا گیا۔ لہٰذا اب آنجنابؑ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جو شرمندگی اٹھانا پڑے گی‘ اس کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے جب اللہ ان کو مخاطب کر کے فرمائے گا کہ اے عیسیٰؑ ابن مریم:

﴿اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ﴾ ''ذرا میرے ان انعامات کو یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوئے۔''

﴿اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ ''جبکہ میں نے تمہاری مدد کی روح القدس سے''

جبرائیلؑ کے ذریعے سے تمہاری تائید کی۔

﴿تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ﴾ ''تم گفتگو کرتے تھے لوگوں کے ساتھ پنگھوڑے میں بھی اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی۔''

تم شیر خوارگی کی عمر میں بھی لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور اَدھیڑ عمر کو پہنچ کر بھی۔ آگے وہی سورۂ آل عمران (آیت ۴۸) والے الفاظ دہرائے جا رہے ہیں۔

﴿وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ﴾ ''اور (یاد کرو میرے اس احسان کو) جب کہ میں نے تمہیں سکھائی کتاب اور حکمت' یعنی تورات اور انجیل۔''

درمیان کا واوِ تفسیریہ ہے' لہٰذا ''یعنی'' کے مفہوم میں آئے گا۔

﴿وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ﴾ ''اور (یاد کرو) جب تم بناتے تھے گارے سے پرندے کی ایک شکل' میرے حکم سے''

﴿فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ﴾ ''پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ ایک اُڑنے والا پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے''

﴿وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ﴾ ''اور تم اچھا کر دیتے تھے مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے۔''

﴿وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ﴾ ''اور جب تم مُردوں کو نکال کھڑا کرتے تھے میرے حکم سے۔''

﴿وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ﴾ ''اور (یاد کرو میرے اس احسان کو بھی) جب میں نے بنی اسرائیل کے ہاتھ روک دیے تم سے''

ان کے ہاتھ تم تک نہیں پہنچنے دیے اور تمہیں ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ یہ اُسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر سورۂ آل عمران آیت ۵۴ کے تحت ہوا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام گرفتار نہیں ہوئے' اور عین اُس وقت جب پولیس والے آپؑ کو گرفتار کرنے کے لیے باغ میں داخل ہوئے تو چار فرشتے اترے' جو آپؑ کو لے کر آسمان پر چلے گئے۔

﴿اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۱۱۰﴾ ''جب کہ تم آئے ان کے پاس کھلے معجزات کے ساتھ تو کہا ان لوگوں نے جو ان میں سے کافر تھے کہ یہ تو صریح جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

آیت ۱۱۱ ﴿وَاِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ﴾ ''اور (یاد کرو میرے احسان کو) جب میں نے اشارہ کیا حواریوں کو''

﴿اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ وَبِرَسُوۡلِیۡ ۚ﴾ ''کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر۔''

ان کے دل میں ڈال دیا' الہام کر دیا' ان کی طرف وحی کر دی۔ یہ وحی خفی ہے۔ ظاہر ہے حواریوں کی طرف وحی جلی تو نہیں آ سکتی تھی جو خاصۂ نبوت ہے۔ لیکن جیسا کہ شہد کی مکھی کے لیے وحی کا لفظ آیا ہے (النحل: ۶۸) یا جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو وحی کی (فصلت: ۱۲) یہ وحی خفی کی مثالیں ہیں۔

﴿قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَاشۡهَدۡ بِاَنَّنَا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾﴾ ''تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے عیسیٰؑ آپ بھی) گواہ رہیے کہ ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔''

آیت ۱۱۲ ﴿اِذۡ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ﴾ ''اور (ذرا یاد کرو اس واقعے کو) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابنِ مریم''

﴿هَلۡ یَسۡتَطِیۡعُ رَبُّكَ اَنۡ یُّنَزِّلَ عَلَیۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ﴾ ''کیا آپ کے رب کو یہ قدرت حاصل ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان اتارے؟

﴿قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ ''(جواب میں عیسیٰؑ نے) کہا اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔''

مؤمنین کو ایسی دعائیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ایسے مطالبات آپ لوگوں کو زیب نہیں دیتے۔

آیت ۱۱۳ ﴿قَالُوۡا نُرِیۡدُ اَنۡ نَّاۡكُلَ مِنۡهَا وَتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُنَا﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس (خوان) میں سے کھائیں اور ہمارے دل بالکل مطمئن ہو جائیں''

یہ اس طرح کی بات ہے جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی: ﴿رَبِّ اَرِنِیۡ كَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ﴾ (البقرۃ: ۲۶۰) ''پروردگار! ذرا مجھے مشاہدہ کرا دے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: کیا تم اس بات پر ایمان نہیں رکھتے؟ کہا: کیوں نہیں! (ایمان تو رکھتا ہوں) لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے''۔ اسی طرح کا مشاہدہ وہ بھی طلب کر رہے تھے۔

﴿وَنَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ صَدَقۡتَنَا وَنَكُوۡنَ عَلَیۡهَا مِنَ الشّٰهِدِیۡنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ ''اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپؑ نے جو کچھ ہم سے کہا وہ سچ ہے اور ہم اس پر گواہ بن جائیں۔''

تاکہ ہمیں یقین کامل حاصل ہو جائے اور ہمارے اپنے دلوں میں کہیں شک و شبہ کا کوئی کانٹا چبھا ہوا نہ رہ جائے۔

آیت ۱۱۴ ﴿قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ ''اس پر عیسیٰؑ ابنِ مریم نے دعا کی: اے اللہ! اے ہمارے رب! اتار دے ہم پر ایک دسترخوان آسمان سے''

﴿تَكُوۡنُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنۡكَ ۚ﴾ ''جو عید بن جائے ہمارے لیے اور ہمارے

اگلوں اور پچھلوں کے لیے‘ اور ایک نشانی ہو تیری طرف سے۔‘‘

آسمان سے‘ خاص تیرے ہاں سے کھانے سے بھرے ہوئے دستر خوان کا نازل ہونا یقیناً ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے ایک یادگار واقعہ اور تیری طرف سے ایک خاص نشانی ہوگا۔ اس واقعہ پر یقیناً ہم جشن منائیں گے۔

﴿وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ’’اور ہمیں رزق عطا فرما اور یقیناً تُو بہترین رزق دینے والا ہے۔‘‘

آیت ۱۱۵ ﴿قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ﴾ ’’اللہ نے ارشاد فرمایا (ٹھیک ہے) میں نازل کر دوں گا اس کو تم پر۔‘‘

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾ ’’لیکن پھر اس کے بعد تم میں سے جو کوئی کفر کی روش اختیار کرے گا تو پھر اس کو میں عذاب بھی وہ دوں گا جو تمام جہانوں میں سے کسی اور کو نہیں دوں گا۔‘‘

یعنی جب اس طرح کی کوئی خرقِ عادت چیز دکھادی جائے گی‘ کھلا معجزہ سامنے آ جائے گا تو پھر رعایت نہیں ہوگی۔ گزشتہ قوموں کے ساتھ ایسے ہی ہوا تھا۔ قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اس چٹان میں سے ہمارے سامنے ایک حاملہ اونٹنی برآمد ہو جانی چاہیے۔ اللہ کے حکم سے وہ اونٹنی تو برآمد ہوگئی‘ لیکن ساتھ ہی رعایت بھی ختم ہوگئی۔ اس کے بعد ان سے واضح طور پر کہہ دیا گیا کہ اب تمہارے لیے مہلت کے صرف چند دن ہیں‘ اگر ان دنوں میں ایمان نہیں لاؤ گے تو نیست و نابود کر دیے جاؤ گے۔ یہ بات سورۃ الشعراء میں بہت تفصیل سے آئے گی کہ اے نبی ﷺ! مشرکینِ مکہ جو نشانیاں مانگ رہے ہیں تو ہم ان کی خیر خواہی میں انہیں ایسی کوئی نشانی نہیں دکھا رہے ہیں۔ اگر ان کے کہنے پر ایسی نشانیاں ہم دکھا دیں تو پھر ان کو مزید رعایت نہیں دی جائے گی اور ان کی مہلت ختم ہو جائے گی۔ اس قسم کے معجزے دیکھ کر نہ کوئی پہلے ایمان لایا‘ نہ اب یہ لوگ لائیں گے۔ ان کے اندر جو نیت کا فساد ہے وہ کہاں انہیں ماننے دے گا؟ جیسے قومِ صالحؑ نے نہیں مانا‘ حالانکہ اپنی نگاہوں کے سامنے انہوں نے کھلا معجزہ دیکھ لیا تھا۔ اسی طرح یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کو نہیں مانا‘ اُلٹا انہیں جادوگر قرار دے دیا۔ تو اس قدر واضح معجزات دیکھ کر بھی لوگ ایمان نہیں لائے۔ سوائے ان جادوگروں کے جن کا فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوا تھا۔ لیکن جادوگروں کی تصدیق کے بعد بھی نہ تو خود فرعون ایمان لایا تھا نہ اس کے درباری اور نہ ہی عوام الناس۔ چنانچہ معجزے کا ظہور دراصل متعلقہ قوم کے خلاف جاتا ہے۔ معجزے کے ظہور سے پہلے تو اُمید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید اس قوم کو کچھ ڈھیل دے دے‘ شاید کچھ اور لوگوں کو ایمان کی توفیق مل جائے‘ لیکن معجزے کے ظہور کے بعد مہلت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

آیات ۱۱۶ تا ۱۲۰

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۚ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ
عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ
لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ
فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ
فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ
الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ
اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ
وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

اب یہ اس پیشی کا آخری منظر ہے اور اس کا انداز بہت سخت ہے۔

آیت ۱۱۶ ﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور جب اللہ کہے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسٰی! کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں دونوں کو معبود بنا لینا' اللہ کے سوا؟''

﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ﴾ ''وہ (جواب میں) عرض کریں گے (اے اللہ) تُو پاک ہے' میرے لیے کیسے روا تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔''

﴿اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ﴾ ''اگر میں نے وہ بات کہی ہوتی تو وہ تیرے علم میں ہوتی۔''

﴿تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾﴾ ''تُو تو جانتا ہے جو کچھ میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ یقیناً تمام پوشیدہ حقیقتوں کا جاننے والا تو بس تُو ہی ہے۔''

آیت ۱۱۷ ﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ﴾ ''میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مگر وہی کچھ جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا''

﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ﴾ ''(اور وہ یہی بات تھی) کہ بندگی کرو اللہ کی جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔''

﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ﴾ ''اور میں ان پر نگران رہا جب تک اُن میں موجود رہا۔''

ان کی راہنمائی کرتا رہا' نگرانی کرتا رہا۔ یہاں لفظ ''شہید'' نگران کے معنوں میں آیا ہے۔

﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ ''پھر جب تُو نے مجھے اٹھالیا تو (اس کے بعد) تُو ہی نگران تھا ان پر۔''

واضح رہے کہ یہاں بھی تَوَفَّیْتَنِیْ موت کے معنوں میں نہیں ہے۔ اس سلسلے میں سورۂ آل عمران آیت ۵۵ (اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ) کی تشریح مدِّنظر رہے۔

﴿وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝١١٧﴾ ''اور یقیناً تُو ہر چیز پر گواہ ہے۔''

تُو ہر چیز پر نگران ہے' ہر چیز سے باخبر ہے۔

آیت ۱۱۸ ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ﴾ ''اب اگر تُو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں۔''

تجھے ان پر پورا اختیار حاصل ہے' وہ تیری مخلوق ہیں۔

﴿وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١١٨﴾ ''اور اگر تُو انہیں بخش دے تو تُو زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

معافی کی درخواست کا یہ انداز بہت خوبصورت ہے۔ اس میں اس شفقت ورأفت کا اظہار تو ہے' جو نوعِ انسانی کے لیے انبیاء کی شخصیت کا خاصہ ہے' لیکن اس سے آگے بڑھ کر کچھ نہیں کہا گیا۔ اور یہی مقام عبدیت ہے کہ اے اللہ! تُو صاحبِ اختیار ہے' تُو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ اگر تو انہیں معاف فرمانا چاہے تو تجھ سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا' کوئی جواب طلبی نہیں کر سکتا کہ تو نے کیسے معاف کر دیا! اب آخر میں اس پیشی کا ڈراپ سین اور آخری نقشہ دکھایا جا رہا ہے۔

آیت ۱۱۹ ﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ﴾ ''اللہ فرمائے گا یہ آج کا دن وہ ہے جس دن سچوں کو ان کی سچائی فائدہ پہنچائے گی۔''

ان کا سچ اور صدق ان کے حق میں مفید ہوگا۔

﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ﴾ ''ان کے لیے باغات ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی' وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝١١٩﴾ ''اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔''

یہ ہے باہمی رضامندی کا آخری مقام' اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

آیت ۱۲۰ ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ﴾ ''اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور

جو کچھ ان میں ہے' سب کی بادشاہی۔''

﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٢٠﴾ ''اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

یہاں پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورۃ المائدۃ کے اختتام کے ساتھ ہی مکی اور مدنی سورتوں کے گروپس (groups) میں سے پہلے گروپ کا مطالعہ مکمل ہو گیا ہے' اس گروپ میں ایک مکی سورۃ یعنی سورۃ الفاتحہ اور چار مدنی سورتیں شامل ہیں۔ سورۃ الفاتحہ اگرچہ حجم میں بہت چھوٹی ہے لیکن یہ اپنی معنوی عظمت کے لحاظ سے پورے قرآن کے ہم وزن ہے۔ سورۃ الحجر کی آیت: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝٨٧﴾ ''اور ہم نے آپ کو دی ہیں سات بار بار پڑھی جانے والی آیات اور عظمت والا قرآن''۔ مفسرین کی رائے کے مطابق سورۃ الفاتحہ ہی کے بارے میں ہے۔ اس گروپ کی چار مدنی سورتیں (البقرۃ' آل عمران' النساء اور المائدۃ) دو دو کے جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ ان تمام سورتوں کے مضامین کا خلاصہ یہاں ایک دفعہ پھر ذہن میں تازہ کر لیں۔ مکمل شریعتِ آسمانی' اہلِ کتاب سے خطاب' ان پر الزامات کا تذکرہ' ان کے غلط عقائد کی نفی' انہیں ایمان کی دعوت' ان کی تاریخ کے اہم واقعات کی تفصیلات' ان کا اُمتِ مسلمہ کے منصب سے معزول کیا جانا' جس پر وہ دو ہزار برس سے فائز تھے اور اُمتِ محمد ﷺ کا اس منصب پر فائز کیا جانا۔ یہ موضوعات آخری درجے میں اس گروپ کی سورتوں میں مکمل ہو گئے ہیں۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم' ونفعنى واياكم بالآيات والذكر الحكيم ○○